- ## ایک سو پچاسی ویں رات

جب ایک سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شہزادی بدور نے قمرالزمان کو دیکھا تو وہ اس پر ہزار جان سے قربان ہو گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ ہائے میری بدنامی ہو گئی' یہ جوان کوئی پردیسی ہے' میں اسے نہیں جانتی' یہ کیوں میرے ساتھ ایک بچھونے پر لیٹا ہوا ہے۔ پھر دوبارہ اس نے اس پر نظر ڈالی اور اس کے حسن و جمال کو غور سے دیکھنے لگی اور اپنے دل میں کہا کہ واللہ یہ بڑا حسین جوان ہے اور قریب ہے کہ میرا دل اس پر آ جائے۔ ہائے کہیں میری فضیحت نہ ہو جائے! اگر یہ وہی جوان ہے جس کے ساتھ میرا باپ میری شادی کرنا چاہتا تھا تو خدا کی قسم میں ہرگز نامنظور نہ کرتی بلکہ اس کے ساتھ شادی کر کے اس کا مزہ لوٹتی۔ پھر اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میرے آقا اور میری آنکھوں کے نور' نیند سے بیدار ہو اور میرے حسن و جمال کا مزہ لوٹ۔ یہ کہہ کر وہ اسے اپنے ہاتھ سے ہلانے لگی مگر دیونی میمونہ نے اس پر نیند طاری کر دی تھی اور اپنے پروں کا بوجھ اس کے سر پر ڈال رکھا تھا۔ اس لیے قمرالزمان کی آنکھ نہ کھلی۔ شہزادی بدور اسے اپنے ہاتھ سے ہلاتی اور کہتی رہی کہ تجھے اپنی جان کی قسم میرا کہنا مان اور جاگ پڑ اور نرگس اور سبزے کو دیکھ اور میرے پیٹ اور ناف کا مزہ اڑا اور اس وقت سے لے کر صبح تک میرے ساتھ ہاتھا پائی کر۔ اے میرے آقا' میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ اٹھ اور تکیہ لگا کر بیٹھ اور سو مت۔ قمرالزمان نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ نیند میں خراٹے لیتا رہا۔ شہزادی نے کہا کہ واہ واہ! تو اپنے حسن و جمال اور خوبروئی پر نازاں ہے مگر جس طرح تو خوبصورت ہے' میں بھی حسین ہوں۔ آخر تو یہ کیا کر رہا ہے؟ کیا انہوں نے تجھے یہ سکھا دیا ہے۔ کہ مجھ سے

کج ادائی کیجیو۔ یا میرے بوڑھے منحوس باپ نے تجھے پٹی پڑھا دی ہے اور قسم دے کر تجھے منع کر دیا ہے کہ آج رات مجھ سے کوئی بات نہ کیجیو۔ لیکن قمرالزمان نے

نہ منہ کھولا اور نہ جاگا۔ اس پر اس کی محبت اور دوبالا ہو گئی اور خدا نے اسے اس کے عشق میں مبتلا کر دیا اور اس نے اس کی طرف ایک ایسی نظر ڈالی جس سے ہزاروں حسرتیں ٹپکتی تھیں اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا اور اندر کھلبلی مچ گئی اور ہاتھ پاؤں کانپنے لگے اور اس نے قمرالزمان سے کہا کہ اے میرے آقا' مجھ سے بات کر' اے میرے محبوب بول' اے میرے معشوق' مجھے جواب دے اور بتا کہ تیرا نام کیا ہے؟ کیوں تو نے میری عقل سلب کر لی ہے۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر قمرالزمان نیند میں ڈوبا ہوا تھا اور کسی بات کا بھی جواب نہ دیتا تھا۔ اس پر شہزادی بدور آہیں بھرنے لگی اور کہا کہ ہائے ہائے تو کیوں نخرے کرتا ہے؟ یہ کہہ کر اس نے اسے ہلایا اور اس کے ہاتھ کو الٹا کر دیکھا کہ اس کی انگوٹھی شہزادے کی چھنگلی میں ہے۔ اس پر اس نے ایک چیخ ماری اور آہ بھر کر کہنے لگی کہ واللہ تو میرا محبوب ہے اور تجھے بھی مجھ سے محبت ہے لیکن تو میرے ساتھ ناز کرتا ہے اور مجھ سے مخاطب نہیں ہوتا حالانکہ اے میرے معشوق' تو سوتے میں میرے پاس آیا ہے اور نہ معلوم تو نے میرے ساتھ کیا کیا ہے اور میری انگوٹھی لے لی ہے۔

لیکن میں تیری انگوٹھی نہ اتاروں گی۔ یہ کہہ کر اس نے اس کی قمیص کا گریبان کھولا اور اس پر جھک کر اسے بوسہ دیا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور اس کے جسم کی چکناہٹ کی وجہ سے وہ اس کی ناف تک پھسل گیا۔ اس پر اس کا دل دھڑکنے لگا مگر وہ شرما گئی اور اس نے اپنی انگوٹھی کے بدلے اس کی انگوٹھی اتار کر اپنی انگلی میں پہن لی اور اس کے منہ پر بوسہ دیا اور دونوں ہتھیلیاں چومیں اور پھر کوئی ایسی جگہ نہ چھوڑی جسے بوسہ نہ دیا ہو۔ اس کے بعد اس نے اسے اپنے آغوش میں لے لیا اور گلے لگایا اور اپنا ایک ہاتھ اس کے گلے میں ڈالا اور دوسرا اس کی بغل کے نیچے رکھا

اور اس طرح اس سے لپٹ کر اس کی بغل میں سو گئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چھیاسی ویں رات

جب ایک سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت باشاہ' ان باتوں کے بعد جب شہزادی بدور قمرالزمان کے پہلو میں سو گئی تو میمونہ نے دہنش سے کہا کہ اے معلون' دیکھا نہ کہ میرے معشوق نے کیا غرور اور ناز برتا اور تیری معشوقہ میرے معشوق پر کس طرح ریجھ گئی۔ اب اس میں کوئی شک باقی نہیں کہ میرا معشوق تیری معشوقہ سے زیادہ خوبصورت ہے لیکن میں تجھے معاف کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ایک پروانہ لکھ دیا کہ وہ آزاد ہے اور قشقش کی جانب مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ تو اور دہنش اس کی معشوقہ کو لے کر اس کے مکان پہنچا آؤ کیونکہ زیادہ رات گزر چکی اور اب تھوڑی باقی ہے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب قشقش اور دہنش نے شہزادی بدور کے نیچے پہنچ کر اسے اٹھا لیا اور اسے لے کر اڑے اور اس کے گھر پہنچ کر اسے اس کے بچھونے پر لٹا دیا۔ ادھر قمرالزمان سو رہا تھا اور میمونہ تنہائی میں اس کا نظارہ کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ تھوڑی رات باقی رہ گئی اور وہ چلتی ہوئی۔

جب پو پھٹی تو قمرالزمان کی آنکھ کھلی اور وہ داہنے بائیں دیکھنے لگا لیکن لڑکی کو کہیں نہ پایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کے ذریعے سے میرا باپ مجھے شادی کی ترغیب دینا چاہتا تھا' اور پھر وہ اسے چپکے سے لے گیا تاکہ مجھے اور زیادہ شادی کی طرف رغبت ہونے لگے۔ یہ کہہ کر اس نے اس خادم کو زور سے پکارا جو دروازے پر سو رہا تھا اور اس نے کہا کہ اے ملعون' اٹھ۔ خادم گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا' مگر نیند کی وجہ سے اس کے ہوش و حواس ٹھیک نہ تھے۔ اور وہ لوٹا اور سلیچی اٹھا لایا۔ قمرالزمان اٹھ کر پاخانے گیا اور فارغ ہو کر باہر نکلا اور وضو کر کے فجر کی نماز پڑھی اور بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے خادم کی طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ وہ ہاتھ باندھے سامنے کھڑا ہے اور اس

سے کہنے لگا کہ اے صواب' حیف ہو تجھ پر' بتا کہ جب میں سو رہا تھا تو کون آ کر اس لڑکی کو میرے پاس سے لے گیا؟ نوکر نے کہا کہ اے میرے آقا' لڑکی کیسی؟

قمرالزمان نے کہا کہ وہ لڑکی جو آج رات میرے پاس سوئی تھی۔ نوکر یہ سن کر سہم گیا اور کہنے لگا کہ کوئی لڑکی وڑکی تیرے پاس نہ تھی اور لڑکی آ بھی کس طرح سکتی تھی کیونکہ دروازے پر قفل پڑا ہوا تھا اور میں سو رہا تھا۔ اے میرے آقا' خدا کی قسم یہاں نہ کوئی مرد آیا ہے اور نہ عورت۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے منحوس غلام' تو جھوٹا ہے۔ کیا اب تیری یہ حالت ہو گئی ہے کہ تو میرے ساتھ چھل فریب کی باتیں کرے' تو یہ نہیں بتاتا کہ جو لڑکی رات میرے ساتھ سوئی تھی' کہاں چلی گئی اور اسے کون لے گیا۔ خادم نے ڈر کر کہا کہ واللہ اے میرے آقا' نہ میں نے کسی لڑکی کو دیکھا اور نہ لڑکے کو۔ نوکر کی یہ باتیں سن کر قمرالزمان طیش میں آ گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے ملعون' میرے باپ نے تجھے پٹی پڑھا دی۔ اچھا یہاں آ۔
خادم بڑھ کر آگے آیا اور قمرالزمان نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے زمین پر دے پٹکا۔ پھر قمرالزمان اس پر چڑھ بیٹھا اور اسے پاؤں سے خوب روندا اور اس کی گردن گھونٹ دی یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اسے کھینچ کر کنوئیں کی رسی سے باندھا اور کنوئیں کے اندر پانی تک لٹکا دیا۔ یہ زمانہ سخت جاڑے کا تھا اور قمرالزمان بار بار اسے پانی میں ڈالتا اور نکالتا اور خادم چلاتا اور دہائی دیتا اور قمرالزمان کہتا کہ اے ملعون' خدا کی قسم میں تجھے اس کنوئیں سے اس وقت تک نہ نکالوں گا جب تک کہ تو یہ نہ بتا دے کہ وہ لڑکی کون تھی؟ اور مجھے سوتا چھوڑ کر اسے کون لے گیا؟

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو ستاسی ویں رات

جب ایک سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان نے خادم سے کہا کہ واللہ میں تجھے اس کنوئیں میں سے اس وقت تک نہ نکالوں گا جب تک کہ تو یہ نہ بتا دے کہ وہ لڑکی کون تھی اور اسے سوتے میں کون میرے پاس سے لے گیا؟ جب خادم نے دیکھا کہ موت سامنے کھڑے ہے تو وہ کہنے لگا کہ اے میرے آقا مجھے زندہ رہنے دے' میں تجھ سے ساری باتیں سچ سچ کہہ دوں گا۔ اس پر اس نے اسے کنوئیں سے کھینچ لیا مگر وہ سردی اور تکلیف اور غوطے اور ڈوبنے کے ڈر اور مار کی وجہ سے بے ہوش تھا اور وہ اس طرح کانپ رہا تھا جیسے کہ آندھی میں بید اور اس کے دانت کڑکڑا رہے تھے اور کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور کنوئیں کی دیوار سے رگڑ کر اس کا بدن چھل گیا تھا اور اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جب قمرالزمان نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے افسوس ہوا اور خادم اپنے آپ کو خشکی پر دیکھ کر کہنے لگا کہ میرے آقا' مجھے اجازت دے کہ میں اپنے کپڑے اتار کر نچوڑوں اور ان کو دھوپ میں پھیلا دوں اور دوسرے کپڑے پہن کر تیرے پاس جلد لوٹوں اور تجھے تمام باتیں سچ سچ بتا دوں۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے بدذات غلام' اگر تو موت کا سامنا نہ کرتا تو ہرگز سچ سچ کہنے پر راضی نہ ہوتا اور یہ اقرار نہ کرتا۔ اچھا اپنی ضروریات پوری کر کے فوراً آ اور سچ سچ بتا۔ خادم باہر نکلا لیکن اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ بچ گیا اور وہ گرتا پڑتا قمرالزمان کے باپ بادشاہ شہرمان کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور وزیر اس کے پاس ہے اور دونوں قمرالزمان کے متعلق باتیں کر رہے ہیں' بادشاہ وزیر سے کہہ رہا ہے کہ رات بھر مجھے نیند نہ آئی کیونکہ میرا دل بیٹے میں لگا رہا اور مجھے ڈر ہے کہ اس پرانے برج میں کہیں اسے نقصان نہ پہنچے اور میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسے برج میں قید کرنے کی کیا مصلحت ہے۔ وزیر نے کہا کہ اس

کے بارے میں بالکل مت ڈر' واللہ اسے کوئی ضرر نہ پہنچے گا' اسے ایک مہینے تک قید میں رہنے دے تا کہ اس کی فطرت نرم ہو جائے اور غرور ٹوٹ جائے اور وہ سیدھے راستے پر آ جائے۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ خادم اس حالت میں ان کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر سہم گیا اور خادم نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا سلطان' تیرے بیٹے کی عقل جاتی رہی اور وہ دیوانہ ہو گیا اور اس نے میری یہ گت بنائی ہے جو تو دیکھ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رات اس کے پاس ایک لڑکی سوئی تھی اور چپکے سے چلتی ہوئی' بتا وہ کہاں گئی؟ وہ مجھے مارتا ہے میں لڑکی کی خبر دوں اور یہ کہ اسے کون لے گیا ہے؟ مگر میں نے نہ لڑکی دیکھی نہ لڑکا اور دروازہ رات بھر بند رہا اور میں وہاں سوتا رہا اور کنجی میرے تکئے کے نیچے رہی اور صبح دروازہ میں نے اپنے ہاتھ سے کھولا۔

جب بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے قمرالزمان کے متعلق یہ باتیں سنیں تو وہ چیخنے لگا کہ ہائے بیٹا! اور وزیر پر سخت ناراض ہوا کیونکہ اس کا اس کا سبب وہی تھا اور اس سے کہنے لگا کہ جا کر میرے بیٹے کی خبر لا اور دیکھ کہ اس کا دماغ کیوں خراب ہو گیا؟ وزیر اٹھ کر چل دیا اور بادشاہ کے ڈر سے اس کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے اور خادم کے ساتھ چلتے چلتے وہ برج میں پہنچا۔ سورج نکل چکا تھا اور وزیر نے دیکھا کہ قمرالزمان تخت پر بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہے۔ وزیر سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' اس بدذات خادم نے ہمیں ایسی خبر سنائی ہے کہ ہم فکر میں پڑ گئے اور سہم گئے ہیں اور بادشاہ غصے میں بھر گیا ہے۔ قمرالزمان نے کہا کہ اس نے کون سی ایسی بات میرے متعلق کہی ہے کہ میرا باپ پریشان ہو گیا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے مجھ کو پریشانی میں ڈال رکھا ہے۔ وزیر نے کہا کہ خادم تباہ حال ہمارے پاس پہنچا اور تیرے باپ سے ایسی باتیں کہنے لگا کہ خدا ان سے تجھے بچائے اور تیرے متعلق ایسی جھوٹی باتیں کیں جو تیری شان میں نہیں کہی جا سکتیں۔ خدا تیری جوانی اور صحیح عقل اور فصیح زبان کو سلامت رکھے! اور خدا نہ کرے کہ تجھ سے کوئی بری بات

سرزد ہو۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے وزیر' اس منحوس غلام نے میرے متعلق کیا کہا ہے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس نے کہا ہے کہ تو دیوانہ ہو گیا کیونکہ تو نے اس سے کہا کہ وہ لڑکی کہاں ہے جو گزشتہ رات تیرے پاس تھی اور تو نے اسے مارا اور تکلیف پہنچائی ہے کہ وہ تجھے بتائے کہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی؟ یہ سن کر قمرالزمان کو طیش آ گیا اور اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جو کچھ خادم نے کیا وہ تمہارے ہی سکھانے پڑھانے سے ہوا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اٹھاسی ویں رات

جب ایک سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب قمرالزمان نے وزیر کی باتیں سنیں تو وہ طیش میں آ گیا اور وزیر سے کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ جو کچھ خادم سے سرزد ہوا وہ تمہارا ہی سکھایا پڑھایا ہوا ہے اور تم نے اسے منع کر دیا ہے کہ وہ مجھے اس لڑکی کا حال نہ بتائے جو رات میرے پاس سوئی تھی۔ اور اے وزیر' تو تو اس خادم سے زیادہ سمجھدار ہے' تو ہی بتا کہ وہ لڑکی کہاں ہے جو آج رات میرے پہلو میں سوئی تھی؟ ہم دونوں صبح تک ساتھ سوتے رہے مگر جب میں جاگا تو میں نے اسے نہ پایا۔ بتا کہ وہ اب کہاں ہے؟ وزیر نے کہا کہ اے میرے آقا قمرالزمان' خدا کا نام تیری حفاظت کرے! خدا کی قسم ہم نے آج رات کسی کو تیرے پاس سونے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ تو اکیلا سویا ہے اور دروازے پر قفل پڑا ہوا تھا اور دروازے کے پیچھے خادم سو رہا تھا اور لڑکی وڑکی کوئی تیرے پاس نہیں آئی تھی۔ اپنی عقل ٹھکانے کر اور سمجھ کی باتیں کر اے میرے آقا' اور اپنے دل میں ایسے خیالات مت لا۔ قمرالزمان نے غصے میں آ کر اس سے کہا کہ اے وزیر' یہ لڑکی میری معشوقہ ہے اور وہ حسین ہے' اس کی آنکھیں کالی کالی اور رخسار لال لال ہیں۔ رات بھر میں اسے گلے سے لگائے پڑا رہا ہوں۔ وزیر کو قمرالزمان کی باتوں پر اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ کیا تو نے اس لڑکی کو جاگتے میں اپنی آنکھوں سے دیکھا یا خواب میں؟ قمرالزمان نے جواب دیا کہ اے منحوس بڈھے' کیا تیرا خیال ہے کہ میں نے اسے اپنے کانوں سے دیکھا ہے' میں نے اسے بیداری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اسے اپنے ہاتھوں سے الٹا پلٹا اور پوری آدھی رات اس کے پاس بیٹھ کر جاگا ہوں اور اس کے حسن و جمال اور خوب روئی اور ناز کا مزہ اٹھایا ہے' اور تم نے اسے سکھا پڑھا دیا تھا کہ وہ میرے ساتھ باتیں نہ کرے اس لیے وہ مستی مار گئی اور میں اس کے پہلو

میں صبح تک سوتا رہا۔ جب میں نیند سے جاگا تو اسے نہ پایا۔ وزیر نے کہا کہ اے میرے آقا قمرالزمان، ممکن ہے کہ تو نے خواب دیکھا ہو اور یہ پریشان خیالات ہوں یا مختلف کھانوں کی وجہ سے تخیلات پیدا ہو گئے ہوں یا بدذات شیطانوں نے وسوسہ ڈالا ہو۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے منحوس بڈھے، کیا تو بھی میرے ساتھ مذاق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شاید یہ پریشان خیالات ہوں گے حالانکہ خادم نے اس لڑکی کا ہونا تسلیم کر لیا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ میں ابھی واپس آ کر اس کا تمام قصہ سناؤں گا۔ یہ کہہ کر قمرالزمان فوراً وزیر کی طرف بڑھا اور اس کی داڑھی پکڑ لی۔ اس کی داڑھی بہت لمبی تھی اور قمرالزمان نے اسے اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر وزیر کو کھینچا اور اسے تخت سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا۔ اس کی داڑھی کھینچنے کی وجہ سے وزیر کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی جان نکل رہی ہے اور قمرالزمان وزیر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں مارتا اور اس کے سینے اور پہلو پر مکے لگاتا اور اس کی گدی پر طمانچے مارتا جاتا تھا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ اسے جان سے مار ڈالے۔ وزیر نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس غلام نے جھوٹ بول کر اس دیوانے لڑکے سے اپنی جان چھڑا لی ہے تو میں اس کام کو بہتر طریقے سے کر سکتا ہوں اور جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑا سکتا ہوں، ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ میں ابھی جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑاتا ہوں کیونکہ وہ ضرور دیوانہ اور پاگل ہے۔ یہ کہہ کر وزیر قمرالزمان کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا، مجھے سزا نہ دے کیونکہ تیرے باپ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ اس لڑکی کا بھید تجھ سے چھپاؤں۔ لیکن اب میں مجبور ہوں اور تھک گیا ہوں اور مارنے سے مجھے سخت تکلیف پہنچ چکی ہے کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور مار کے برداشت کرنے کی طاقت باقی نہیں۔ ذرا ٹھہر جا تاکہ میں اس لڑکی کا قصہ تجھ سے بیان کروں۔ یہ سن کر قمرالزمان نے اپنا ہاتھ روک لیا اور کہنے لگا کہ ذلیل ہونے اور پٹنے سے پہلے ہی تو نے اس لڑکی کا قصہ کیوں نہ بیان کر دیا؟ اے منحوس بڈھے، اٹھ اور اس کا حال بتا۔ وزیر نے کہا کہ وہی لڑکی ناں جو خوبصورت اور خوش اندام ہے۔ قمرالزمان نے کہا کہ ہاں اے وزیر،

بتا کہ اسے کون لا کر میرے پہلو میں لٹا گیا تھا اور کون اسے رات ہی میں لے گیا اور اب وہ کہاں ہے تاکہ میں خود اس کے پاس چلا جاؤں؟ اگر خود میرے باپ شہرمان نے یہ حرکت میرے ساتھ کی ہے اور شادی کی غرض سے اس حسین لڑکی کو امتحاناً میرے پاس بھیجا ہے تو میں اس کے ساتھ شادی کرنے پر بھی راضی ہوں تاکہ مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا ملے کیونکہ اس نے محض اس وجہ سے مجھے اس مصیبت میں ڈال رکھا ہے کہ میں شادی کرنے سے انکار کرتا تھا۔ سن میں شادی کرنے پر راضی ہوں اور پھر شادی کرنے پر راضی ہوں۔ اے وزیر' میرے باپ کو یہ خبر پہنچا دے اور اسے مشورہ دے کہ وہ میری شادی اس لڑکی سے کر دے میں اس کے سوا اور کسی کو نہیں چاہتا اور محض اسی سے محبت کرتا ہوں۔ اٹھ اور جلد میرے باپ کے پاس جا کر اسے مشورہ دے کہ وہ میری شادی جلد کرا دے اور فوراً واپس آ کر مجھے جواب دے۔ وزیر نے کہا کہ بہت خوب مگر اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ اس کے ہاتھ سے بچ گیا ہے۔ اب وہ اٹھا اور برج سے نکل کر چل دیا لیکن خوف کی وجہ سے وہ ٹھوکریں کھاتا چلتا تھا۔ بالاخر وہ بادشاہ شہرمان کے پاس پہنچا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## ایک سو نواسی ویں رات

جب ایک سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- وزیر برج سے نکل کر چل دیا اور چلتے چلتے بادشاہ شہرمان کے اس پہنچا۔ جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ اے وزیر' تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے اور کون سی بلا ٹوٹ پڑی ہے؟ تجھ پر کیا گزری ہے کہ خوف طاری ہے؟ اس نے کہا کہ اے بادشاہ' میں تیرے پاس ایک خبر لے کر آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ تیرے بیٹے قمرالزمان کے ہوش و حواس جاتے رہے ہیں اور وہ پاگل ہو گیا ہے یہ سنتے ہی بادشاہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ کہنے لگا کہ اے وزیر تفصیل کے ساتھ بتا کہ وہ جنون کس طرح کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اس سے کیا کیا باتیں سرزد ہوئی ہیں اور اس نے وزیر کے ساتھ کیا حرکت کی ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ اے وزیر' خوش ہو کیونکہ اس خبر کے بدلے جو تو میرے بیٹے کے پاگل ہو جانے کے متعلق لایا ہے' میں تیری گردن اڑا دوں گا اور سارے احسانات واپس لے لوں گا۔ اے منحوس ترین وزیر اور نجس ترین امیر' کیونکہ شروع سے آخر تک تو نے ہی بری رائے دے کر میرے بیٹے کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے بیٹے کا ذرا بھی بال بیکا ہوا یا وہ دیوانہ ہو گیا تو تجھے گنبد پر کیلوں سے جڑ کر تجھے مزہ چکھاؤں گا۔

یہ کہہ کر بادشاہ اٹھا اور برج کی طرف چل کھڑا ہوا۔ جب وہ قمرالزمان کے پاس پہنچا تو وہ جھٹ سے اٹھ کر تخت سے نیچے اتر آیا اور اپنے باپ کے ہاتھ چوم کر پیچھے ہٹ گیا اور سر جھکا لیا اور باپ کے سامنے اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لیے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنا سر اٹھایا اور آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے رخساروں بہہ رہے تھے۔ بادشاہ نے اٹھ کر اپنے بیٹے قمرالزمان کو گلے سے لگا لیا اور اس کی پیشانی پر

بوسہ دیا اور تخت پر اسے پاس بٹھا لیا اور غصے سے وزیر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے وزیروں کے کتے' تو میرے بیٹے قمرالزمان کے متعلق ایسی ویسی باتیں کیوں کہتا ہے جس سے میرا دل دکھتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹا' آج کیا دن ہے؟ اس نے کہا کہ ابا جان' آج سنیچر ہے اور کل اتوار ہو گا اور اس کے بعد پیر اور پھر منگل اور پھر بدھ اور پھر جمعرات اور پھر جمعہ۔ بادشاہ نے کہا کہ اے میرے بیٹے' اے قمرالزمان شکر ہے خدا کا' کہ تیری عقل صحیح و سلامت ہے۔ آج کل جو عربی مہینہ ہے اس کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ ذی القعدہ' اس کے بعد ذی الحجہ آئے گا اور پھر محرم اور پھر صفر اور پھر ربیع الاول اور پھر ربیع ال آخر اور پھر جمادی الاولیٰ اور پھر جمادی ال آخرئی اور پھر رجب اور پھر شعبان اور پھر رمضان اور پھر شوال۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور وزیر کے منہ پر تھوک کر کہنے لگا کہ تو کیسے کہتا ہے کہ میرا بیٹا پاگل ہو گیا ہے؟ اگر کوئی پاگل ہوا ہے تو وہ تو ہے۔

یہ سن کر وزیر نے اپنا سر ہلایا اور چاہتا تھا کہ کچھ کہے لیکن فوراً اس کے دل میں خیال گزرا کہ وہ ذرا ٹھہر جائے اور دیکھے کہ کیا ہوتا ہے؟ اب بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا' تو نے خادم اور وزیر سے کیا باتیں کی تھیں کہ تو آج رات ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ سویا ہے۔ آخر اس لڑکی کا کیا قصہ ہے؟ قمرالزمان باپ کی باتیں سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ ابا جان' اب مجھ میں مذاق برداشت کرنے کا بالکل تحمل نہیں اس لیے اب تم لوگ مجھے اور زیادہ نہ چھیڑو' تمہاری کرتوتوں سے میں اکتا گیا ہوں۔ ابا جان' یقین کرو کہ میں شادی کے لیے بالکل راضی ہوں' بشرطیکہ میری شادی اسی لڑکی سے ہو جو آج رات میرے پاس سوئی تھی کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تمہیں نے اسے میرے پاس بھیجا تھا تاکہ میں اس پر فریفتہ ہو جاؤں۔ اس کے بعد صبح ہونے سے پہلے اسے میرے پاس سے اٹھوا لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ بیٹا' خدا تیری حفاظت کرے اور تیرے ہوش و حواس کو جنون سے بچائے!

اب شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- # پوری ایک سو نوے ویں رات

جب پوری ایک سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ' بادشاہ شہرمان نے اپنے بیٹے قمرالزمان سے کہا کہ بیٹا' خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے اور تیرے ہوش و حواس کو جنون سے بچائے! آخر یہ لڑکی کون ہے؟ جس کے متعلق تیرا خیال ہے کہ میں نے اسے آج رات تیرے پاس بھیجا تھا اور صبح ہونے سے پہلے اٹھوا لیا؟ بیٹا' خدا کی قسم مجھے اس کی بالکل خبر نہیں۔ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھ سے بیان کر کہ آیا یہ پریشان خواب تھا یا کھانے کے تخیلات' کیونکہ جب تو آج رات سویا تھا تو تیرے دل میں شادی کے خیالات گزر رہے تھے اور اس کی یاد کے وسوسے آ رہے تھے۔ خدا کی لعنت ہو شادی پر اور اس گھڑی پر جب اس کا ذکر ہوا اور اس پر جس نے اس کا مشورہ دیا۔ اس میں شک نہیں کہ تو شادی کی وجہ سے پریشان خاطر ہے اور اس وجہ سے تو نے خواب میں دیکھا کہ ایک حسین لڑکی تجھ سے گلے مل رہی ہے اور تجھے گمان ہوا کہ تو نے اسے جاگتے میں دیکھا۔ بیٹا' یہ ساری باتیں پریشان خیالات ہیں۔ قمرالزمان نے کہا کہ یہ باتیں جانے دے اور اس خدا کی قسم کھا جو پیدا کرنے والا اور جاننے والا اور ظالموں کو زیر کرنے والا اور شہنشاہوں کو برباد کرنے والا ہے کہ تجھے نہ اس لڑکی کا علم ہے اور نہ اس کا کہ وہ کہاں ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جو برتر ہے اور موسیٰ اور ابراہیم کا معبود ہے کہ نہ مجھے ان باتوں کی خبر تھی اور نہ ہے بلکہ یہ تمام پریشان خیالات ہیں جو خواب میں گزرے ہیں۔ قمرالزمان نے کہا کہ میں تجھ سے ایک مثال بیان کرتا ہوں جس سے تجھ پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ باتیں جاگتے میں ہوئی ہیں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک سو اکیانوے ویں رات

جب ایک سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان نے اپنے باپ سے کہا کہ میں تجھ سے ایک مثال بیان کرتا ہوں جس سے تجھ پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ باتیں جاگنے میں ہوئیں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خواب میں دیکھے کہ وہ سخت جنگ کر رہا ہے اور جب وہ بیدار ہو تو اس کی تلوار خون میں لتھڑی ہوئی ہو؟ باپ نے کہا کہ نہیں بیٹا' ایسا نہیں ہو سکتا۔ قمرالزمان نے کہا کہ ابا جان' اچھا سن' میں نے آج رات یہ دیکھا کہ آدھی رات کے وقت جاگا اور دیکھا کہ ایک لڑکی میرے پہلو میں سو رہی ہے جس کا قد میرے قد کا سا اور شکل میری شکل کی سی ہے۔ میں نے اسے گلے سے لگایا اور اسے الٹا پلٹا اور اس کی انگوٹھی لے کر اپنی انگلی میں پہن لی اور اس نے میری انگوٹھی اتار کر اپنی انگلی میں پہن لی اور میں اس کے پہلو میں سو گیا مگر کوئی دست درازی نہ کی کیونکہ مجھے تجھ سے شرم آئی اور یہ ڈر لگا کہ کہیں تو نے ہی اسے میرا امتحان کرنے نہ بھیجا ہو اور میرا گمان ہوا کہ تو کسی جگہ چھپا ہوا دیکھ رہا ہو گا کہ میں اس لڑکی کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟ اس شرم کی وجہ سے میں نے اس کے منہ پر بوسہ تک نہ دیا اور میں سمجھا کہ تو مجھے شادی کی ترغیب دلانا چاہتا ہے۔ اس کے بعد صبح کو میری آنکھ کھلی تو نہ وہ لڑکی دکھائی دی اور نہ اس کا کچھ پتہ چلا اور پھر جو باتیں خادم اور وزیر کے ساتھ پیش آئیں وہ ظاہر ہیں۔ اب یہ باتیں خواب اور بے حقیقت کیونکر ہو سکتی ہیں حالانکہ انگوٹھی کا قصہ واقعہ ہے۔ اگر انگوٹھی نہ ہوتی تو میں بھی یہی خیال کرتا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ دیکھ میری چھنگلی میں اس کی انگوٹھی ہے اور غور سے دیکھ اے بادشاہ' کہ اس کی کیا قیمت ہو گی؟ یہ کہہ کر قمرالزمان نے انگوٹھی باپ کو دے دی۔ بادشاہ اسے لے کر غور سے الٹ

پلٹ کر دیکھنے لگا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ واقعی اس انگوٹھی کا قصہ عجیب و غریب ہے اور جو کچھ آج رات اس لڑکی کے بارے میں تیرے ساتھ پیش آیا ہے مشکل بات ہے۔ نہ معلوم اس اجنبی کا گزر ہم تک کس طرح ہوا؟ اس بلا کے نازل ہونے کی وجہ محض وزیر ہے لہٰذا بیٹا صبر کر یہاں تک کہ اللہ تجھ سے یہ مصیبت دور کر دے اور تجھے خوشی عطا کرے۔ بیٹا' اب مجھے یقین آ گیا کہ تو دیوانہ نہیں بلکہ تیرے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے جس کو خدا کے سوا کوئی حل نہیں کر سکتا۔ قمرالزمان نے کہا کہ ابا جان میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے ساتھ احسان کر اور اس لڑکی کو ڈھونڈ کر جلد بلوا دے ورنہ میں غم سے مر جاؤں گا اور کسی کو میرے مرنے کی خبر تک نہ ہو گی۔ اس کے بعد قمرالزمان نے اپنے باپ کے سامنے اپنی انتہائی محبت کا اظہار کیا اور اس کی طرف نہایت خصوع اور انکسار سے مخاطب ہوا اور اس کے آنسو بہنے لگے اور وہ اشعار پڑھنے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## ایک سو بانوے ویں رات

جب ایک سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- قمرالزمان اپنے باپ کے آگے اشعار پڑھتا اور روتا اور آہ بکاہ کرتا جاتا تھا کیونکہ اس کا دل زخمی تھا۔ یہ سن کر وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ جہاں پناہ' آخر تو کب تک اپنے بیٹے کے پاس بیٹھا رہے گا اور لشکر سے پوشیدہ رہے گا؟ امرا سے دور رہنے کی وجہ سے حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ دانشمند وہ ہے اگر اس کے دن میں کئی زخم ہوں تو پہلے اس زخم کا علاج کرے جو سب سے خطرناک ہو۔ میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ تو اپنے بیٹے کو اس محل میں لے چل جو سمندر کے کنارے ہے اور وہاں تو اپنے بیٹے کے ساتھ تنہائی میں رہ اور دربار اور جلسے کے لیے ہر ہفتے میں دو روز مقرر کر: جمعرات اور پیر۔ جبکہ تیرے پاس امرا اور وزرا اور حاجب اور نواب اور رؤسا اور بزرگ اور ان کے علاوہ لشکر اور رعیت کے لوگ آیا جایا کریں اور اپنی ضرویات تیرے سامنے پیش کیا کریں اور تو ان پر حکومت کرے اور مواخذہ اور بخشش کرے اور احکام اور نواہی جاری کرے' اور ہفتے کے باقی دنوں میں تو اپنے بیٹے قمرالزمان کے پاس رہ' اور یہی دستور رکھ یہاں تک کہ خدا تیری اور اس کی مصیبت دور کر دے۔ اے بادشاہ' زمانے کے حوادث سے غافل مت رہ کیونکہ عقل مند وہی ہے جو ہمیشہ ڈرتا رہے۔ جب وزیر نے یہ باتیں بادشاہ نے سنیں تو وہ اسے ٹھیک معلوم ہوئیں اور مصلحت آمیز اور اس پر ان کا اثر ہوا اور اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ملک کا نظام درہم برہم نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس نے فوراً حکم دیا کہ اس کے بیٹے کو اس جگہ سے اس محل میں منتقل کیا جائے جو سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اس محل کے دونوں طرف سمندر تھا اور وہاں آنے کا راستہ ایک آبنائے سے ہو کر تھا جس کی چوڑائی بیس ہاتھ تھی اور تمام کھڑکیوں کا رخ سمندر کی طرف تھا۔ محل کا فرش رنگ برنگ مرمر کا تھا اور چھت طرح طرح کے بہترین رنگوں سے

رنگی ہوئی تھی اور اس پر سونے اور لاجورد کے بیل بوٹے تھے۔ اس محل میں قمرالزمان کے لیے قیمتی ریشم اور کڑھے ہوئے نمدے بچھائے گئے اور دیواروں پر نفیس اطلس ڈال

کر ان پر ایسے پردے آویزاں کئے گئے جن میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔
اس محل میں قمرالزمان آ کر رہا لیکن اس لڑکی کے عشق و محبت کی وجہ سے اس کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور جسم کمزور۔ اور وہ نہ کھاتا تھا نہ پیتا تھا' نہ سوتا تھا اور وہ بیس برس کا بیمار معلوم ہوتا تھا۔ باپ اس کے سرہانے غمگین بیٹھا رہتا تھا مگر ہر پیر اور جمعرات کے دن وہ امرا اور حجاب اور نواب اور روٴسا اور لشکر اور رعیت کو اس محل میں آنے کی اجازت دیتا اور وہ لوگ حاضر ہو کر اپنی اپنی خدمت انجام دیتے اور شام تک ٹھہر کر چلتے ہوتے۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے بیٹے کے کمرے میں جاتا اور دن رات اس کے ساتھ رہتا اور اسی حالت میں ایک زمانہ گزر گیا۔
یہ تو قمرالزمان کا حال ہوا۔ اب جزیروں اور سات محلوں کے بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا قصہ سنئے۔ جب دیووٴں نے اسے لے جا کر اس کے بچھونے میں لٹا دیا تو وہ پو پھٹے تک سوتی رہی۔ اس کے بعد وہ اٹھ بیٹھی اور داہنے بائیں دیکھنے لگی لیکن وہ جوان جو اس کے آغوش میں تھا کہیں نظر نہ آیا۔ یہ دیکھ کر اس کا دل کانپ اٹھا اور ہوش و حواس جاتے رہے اور وہ اس زور سے چیخی کہ اس کی کنیزیں اور مامائیں اور نوکرانیاں جاگ پڑیں اور اس کے پاس پہنچیں اور ان میں سے جو سب سے زیادہ بوڑھی تھی' اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے میری مالکہ' تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے منحوس بڑھیا' کہاں ہے وہ خوش رو جوان میرا معشوق جو آج رات میرے آغوش میں سویا تھا؟ بتا کہ وہ کہاں گیا؟ یہ سنتے ہی نوکرانی کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اس کی ہیبت اس پر طاری ہو گئی اور وہ کہنے لگی کہ اے میری آقا بدور' تو یہ کیسی نازیبا باتیں کر رہی ہے! شہزادی بدور نے کہا کہ لعنت ہو تجھ پر اے منحوس بڑھیا' کہاں ہے میرا معشوق خوش رو جوان جس کا چہرہ خوبصورت تھا اور قد دل کش اور آنکھیں کالی کالی اور بھنویں ملی ہوئیں جو عشاء کے وقت سے صبح کے

قریب تک میرے ساتھ رہا۔ اس نے کہا کہ واللہ نہ میں نے کسی جوان کو دیکھا اور نہ کسی اور کو۔ اے میری آقا' تجھے خدا کی قسم ایسا بے تکا مذاق مت کر ورنہ ہماری جان کی خیر نہیں۔ یہ مذاق اگر کہیں تیرے باپ تک پہنچ گیا تو ہمیں اس کے ہاتھ سے کون چھڑائے گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ترانوے ویں رات

جب ایک سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ نوکرانی نے شہزادی بدور سے کہا کہ اے میرے آقا' خدا کے لیے ایسا بے ڈھب مذاق مت کر کیونکہ اگر اس مذاق کا علم تیرے باپ کو ہو گیا تو پھر ہمیں اس کے ہاتھ سے کون چھڑائے گا! شہزادی بدور نے کہا کہ آج رات میرے ساتھ ایک نوجوان سویا تھا جس کی نظیر خوبصورتی میں نہیں۔ ماما نے کہا کہ خدا تیری عقل کو سلامت رکھے! آج رات تیرے ساتھ کوئی بھی نہیں سویا۔ اب بدور کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ قمرالزمان کی انگوٹھی اس کی انگلی میں ہے اور خود اس کی انگوٹھی غائب ہے اور وہ ماما سے کہنے لگی کہ لعنت ہو تجھ پر اے ملعونہ' اے دغاباز! کیا تو یہ کہہ کر جھوٹ بولنا چاہتی ہے کہ میرے پاس کوئی نہیں سویا اور جھوٹی قسم کھاتی ہے۔ ماما نے کہا کہ واللہ نہ میں نے تجھ سے جھوٹ کہا ہے اور نہ غلط قسم کھائی۔ یہ سن کر شہزادی بدور طیش میں آ گئی اور اس نے تلوار کھینچ کر ماما پر ایک وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر نوکر نوکرانیاں اور کنیزیں اس پر چلا اٹھیں اور بادشاہ کے پاس جا کر انہوں نے اس کا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ فوراً اپنی بیٹی شہزادی بدور کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بیٹی' تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابا جان' وہ جوان کہاں ہے جو آج رات میرے پہلو میں سویا تھا؟ یہ کہہ کر وہ حواس باختہ ہو گئی اور داہنے بائیں نظر دوڑانے لگی اور اپنے کپڑے دامن تک پھاڑ ڈالے۔ بادشاہ نے جب یہ باتیں دیکھیں تو کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو پکڑیں۔ انہوں نے اسے پکڑ کر اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور گلے میں لوہے کی زنجیر' اور محل کے جھروکے سے باندھ کر اسے چھوڑ دیا۔

یہ تو شہزادی کا ماجرا ہوا۔ اب اس کے باپ بادشاہ غیور کا حال سنئے۔ جب اس نے اپنی بیٹی شہزادی بدور کا یہ حال دیکھا تو وہ گھبرا گیا کیونکہ وہ اسے بہت چاہتا تھا اور یہ واقعہ اس پر سخت گراں گزرا۔ اب اس نے عقل مندوں اور منجموں اور سیانوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ جو کوئی میری بیٹی کو اس بیماری سے اچھا کر دے گا اس کے ساتھ میں اپنی بیٹی کو بیاہ دوں گا اور اپنا آدھا ملک اسے دے دوں گا مگر جس کسی نے بھی ہامی بھری اور اسے اچھا نہ کر سکا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کا سر شہزادی کے محل کے دروازے پر لٹکا دوں گا۔ اور یہی ہوا کہ جو کوئی لڑکی کے پاس گیا اور اس کا علاج نہ کر سکا اس کی گردن کاٹ کر اس کا سر دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ یہاں تک کہ لڑکی کی وجہ سے چالیس حکیموں اور چالیس منجموں کے سر کاٹ کر لٹکا دیئے گئے۔ اب کسی کی ہمت اس کے پاس جانے کی نہ پڑی اور تمام حکماء اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور سیانوں اور گنڈے تعویذ کرنے والوں کی سمجھ میں اس کا قصہ نہ آیا۔

ادھر شہزادی بدور کا عشق آئے دن بڑھتا جاتا تھا اور محبت اور تمنائیں اسے گھلائے ڈالتی تھیں اور اس کے آنسو برابر جاری تھے یہاں تک کہ روتے روتے اس کی آنکھیں بیمار ہو گئیں اور اس کے رخساروں کا رنگ بدل گیا اور تین سال تک اس کی یہی حالت رہی۔

شہزادی کا ایک رضاعی بھائی تھا جس کا نام مرزبان تھا۔ اس زمانے میں اس نے دور دراز ملکوں کا سفر کیا تھا اور شہزادی سے دور رہا تھا۔ اسے شہزادی کے ساتھ حقیقی بہن سے زیادہ محبت تھی۔ جب وہ سفر سے لوٹ کر اپنی ماں کے پاس آیا اور اپنی بہن شہزادی بدور کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ بیٹا' تیری بہن تو پاگل ہو گئی ہے اور تین سال سے اس کی گردن میں لوہے کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور سارے طبیب اور حکیم اس کے علاج سے عاجز آ چکے ہیں۔ جب مرزبان نے یہ باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ میں ضرور اس کے پاس جا کر دیکھوں گا کہ وہ کیا بیماری ہے اور اس کے علاج کی کوشش

کروں گا۔ ماں نے اس کی باتیں سن کر کہا کہ تجھے اس کے پاس ضرور جانا چاہیے لیکن کل تک ٹھہر جا تا کہ میں کوئی تدبیر نکال لوں۔ یہ کہہ کر ماں شہزادی بدور کے محل کی طرف پیدل چل کھڑی ہوئی اور دربان سے مل کر اسے ایک ہدیہ دیا اور کہا کہ میری ایک بیٹی ہے جس کی تربیت شہزادی بدور کے ساتھ ہوئی ہے اور جس کی اب شادی ہو چکی ہے۔ جب تیری مالکہ کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا تو میری بیٹی کو سخت پریشانی ہوئی۔ اگر تیری مہربانی ہو تو میں اسے تھوڑی دیر کے لیے شہزادی کے پاس لے آؤں تا کہ وہ اسے دیکھ کر الٹے پاؤں پھر جائے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔ دربان نے کہا کہ یہ رات کے وقت ہو سکتا ہے۔ جب بادشاہ آئے اور اپنی بیٹی کو دیکھ کر چلا جائے تو تو اپنی بیٹی کو لے آئیو۔ بڑھیا نے دربان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے گھر چلی گئی اور دوسرے دن عشاء کے وقت تک انتظار کرتی رہی اور اس کے بعد اس نے مرزبان کو لے کر اسے زنانہ کپڑے پہنائے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر محل کی طرف روانہ ہو گئی اور چلتے چلتے دربان کے پاس اس وقت پہنچی جب کہ بادشاہ بیٹی کو دیکھ کر چلا گیا تھا۔ جب دربان نے بڑھیا کو دیکھا تو وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اندر جا مگر دیر تک نہ ٹھہریو۔ جب بڑھیا اپنے لڑکے کو لے کر اندر گئی تو مرزبان نے شہزادی بدور کو اس حالت میں دیکھا۔ ماں نے اس کا زنانہ لباس اتار دیا اور اس نے شہزادی کو سلام کیا اور چند کتابیں نکال کر جو اس کے پاس تھیں اس نے ایک موم بتی جلائی اور بعض منتر پڑھنے لگا۔ جونہی شہزادی بدور کی نظر اس پر پڑی' اس نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگی کہ بھائی تو سفر میں تھا اور ہمیں تیرا حال بالکل معلوم نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ یہ درست ہے لیکن خدا مجھے صحیح سلامت لے آیا۔ اب میں دوسرے سفر کا ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے تیری خبر ملی اور اس سے میرے دل کو تکلیف پہنچی اور اس لیے میں تیرے پاس آیا ہوں کہ شاید تیرا مرض دور کر سکوں۔ اس نے کہا کہ بھائی' کیا تیرا بھی یہی خیال ہے کہ میرا مرض جنون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ

ہاں۔ شہزادی نے کہا کہ یہ جنون عشق کا ہے۔ اب مرزبان کو معلوم ہوا کہ وہ عاشق ہے اور کہنے لگا کہ اپنا قصہ اور جو کچھ تجھ پر گزری ہے بیان کر۔ شاید میں کچھ کر سکوں جس سے تو اچھی ہو جائے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## ایک سو چورانوے ویں رات

جب ایک سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ مرزبان نے شہزادی بدور سے کہا کہ اپنا قصہ اور ماجرا بیان کر' ممکن ہے کہ خدا کی

مدد سے میں تجھے نجات دے سکوں۔ شہزادی بدور نے کہا کہ بھائی' میرا قصہ سن۔ وہ یہ ہے کہ ایک رات جب کہ وہ دو تہائی گزر چکی تھی تو میری آنکھ کھل گئی اور میں اٹھ بیٹھی اور میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک جوان لیٹا ہوا تھا جو اتنا حسین ہے کہ میری زبان اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہے گویا وہ بید کی چھڑی یا خیزران کی شاخ ہے۔ اس پر میں نے خیال کیا کہ یہ میرے باپ کے حکم سے ہوا ہے تا کہ وہ میرا امتحان کرے کیونکہ جب بادشاہوں نے میرے لیے نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور میں نے انکار کر دیا تھا تو میرے باپ نے مجھے بچانے کے لیے ایک چال چلی تھی کہ پاگل ہو گئی ہوں۔ اسی وجہ سے میں نے اسے بیدار نہ کیا اور مجھے یہ ڈر لگا کہ اگر میں نے کچھ کیا اور اسے گلے سے لگایا تو کہیں اس کی خبر بادشاہ کو نہ پہنچ جائے۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں اس کی انگوٹھی ہے اور میری انگوٹھی وہ لے گیا ہے۔ بس یہ ہے میرا قصہ اور یہی ہے سبب میرے جنون کا۔ اور اے بھائی' جب سے میں نے اسے دیکھا ہے میرا دل اسی میں لگا ہوا ہے اور محبت اور بے چینی کی وجہ سے میری نیند اچاٹ ہو گئی ہے اور دن رات سوائے آنسو بہانے اور رونے اور اشعار پڑھنے کے اور کوئی میرا شغل نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور اشعار پڑھنے لگی۔

اس کے بعد شہزادی بدور نے مرزبان سے کہا کہ اے بھائی' اگر تو میری اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے کچھ کر سکتا ہے تو کر۔ یہ سن کر مرزبان نے اپنا سر نیچے جھکا لیا اور وہ حیران تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ تھوڑی

دیر کے بعد اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ تیرا سارا قصہ صحیح ہے مگر اس جوان کے متعلق میری عقل کام نہیں کرتی۔ لیکن میں ملک ملک گھوم کر تیری دوا تلاش کروں گا شاید خدا میرے ہی ہاتھ سے تیرا علاج کر دے لیکن صبر کر اور پریشان مت ہو۔

یہ کہہ کر مرزبان اس سے رخصت ہوا اور اس کے لیے صبر کی دعا کی اور چل دیا۔

اس کے بعد وہ اپنی ماں کے گھر جا کر سو گیا۔

دوسرے دن صبح کو اس نے سفر کی تیاری کر دی اور روانہ ہو گیا اور ایک مہینے تک شہر شہر اور جزیرے جزیرے سفر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک شہر میں پہنچا جس کا نام طیرب تھا۔ وہاں وہ لوگوں سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا تاکہ شاید شہزادی بدور کی دوا ہاتھ لگ جائے۔ اس سے پہلے بھی جب کبھی وہ کسی شہر میں پہنچا تو یہی سنتا کہ بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کو جنون ہو گیا ہے۔ اب جب کہ وہ طیرب پہنچا تو اس نے بادشاہ شہرمان کے بیٹے قمرالزمان کے متعلق یہ خبر سنی کہ وہ وسواس اور جنون کی بیماری میں مبتلا ہے۔ مرزبان نے لوگوں سے اس کے شہر کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ جزائر خالدان میں رہتا ہے جو یہاں سے پانی کے راستے سے ایک مہینے کے فاصلے پر ہے مگر خشکی سے چھ مہینے کی راہ ہے۔ یہ سن کر مرزبان ایک کشتی میں سوار ہوا جو جزائر خالدان جا رہی تھی۔ ہوا موافق تھی اس لیے کہ ایک مہینے میں وہ جزائر خالدان پہنچ گئے اور جب وہ وہاں پہنچے تو ان کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ کنارے پر اتر پڑیں کیونکہ اسی وقت ایک تند ہوا چلنے لگی جس کی وجہ سے مستول گر پڑے اور بادبان پھٹ کر سمندر میں جا پڑے اور کشتی مع تمام چیزوں کے الٹ گئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ایک دو پچانوے ویں رات

جب ایک سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
جب کشتی مع تمام چیزوں کے الٹ گئی تو ہر شخص کو نفسی نفسی کی پڑ گئی اور مرزبان پر یہ گزری کہ موجوں نے اسے تھپیڑے مار کر شاہی محل کے نیچے پہنچا دیا جہاں قمرالزمان رہتا تھا۔ خدا کا کرنا تھا کہ وہ دن بادشاہ شہرمان کے دربار کا دن تھا اور امرا اور اراکین اس کی خدمت میں حاضر تھے۔ بادشاہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کا بیٹا قمرالزمان اس کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹا تھا اور ایک نوکر پنکھا جھل رہا تھا۔ دو دن ہو چکے تھے کہ قمرالزمان نے نہ کھانا کھایا تھا اور نہ پانی پیا تھا اور وہ سوکھ کر تکلا ہو گیا تھا اور وزیر اس کے پاؤں کی طرف جھروکے کے پاس کھڑا ہوا تھا جو سمندر کے رخ پر تھا۔ وزیر نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ موجیں مرزبان کو مارے ڈال رہی ہیں اور اب اس میں زیادہ جان نہیں باقی ہے۔ یہ دیکھ کر اسے ترس آیا اور اس نے بادشاہ کی طرف سر بڑھا کر کہا کہ اے بادشاہ' مجھے اجازت دے کہ میں محل کے آنگن میں اتر کر اس کا دروازہ کھولوں اور ایک شخص کو سمندر میں ڈوبنے سے بچاؤں اور اس کی مصیبت کو خوشی میں مبدل کر دوں۔ ممکن ہے کہ خدا اس کی وجہ سے تیرے بیٹے کی بیماری دور کر دے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے وزیر' جو حالت تیرے سبب سے میرے بیٹے کی ہوئی وہ کافی ہے۔ اگر تو نے اس ڈوبنے والے کو نکالا اور اسے ہماری حالت سے واقفیت ہوئی اور اس نے میرے بیٹے کو اس تکلیف میں دیکھا تو وہ ہماری مصیبت پر خوش ہو گا لیکن خدا کی قسم اگر یہ ڈوبنے والا نکلا اور اس نے میرے بیٹے کو دیکھا اور جا کر کسی سے بھی ہمارا راز بیان کیا تو میں اس کے سامنے تیری گردن اڑا ڈالوں گا کیونکہ اے وزیر' شروع سے آخر تک جو کچھ ہمارے اوپر گزری' تیری ہی وجہ سے گزری' لہٰذا اب جو تیرا جی چاہتا ہے کر۔ یہ سن کر وزیر گیا اور محل کا چور دروازہ کھول کر جو سمندر کی

طرف نکلتا تھا بیس قدم آبنائے میں چلا اور سمندر کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ مرزبان مرنے کے قریب ہے۔ وزیر نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے بال پکڑ کر اسے سمندر سے کھینچ لیا۔ اس میں بہت کم جان باقی تھی اور پیٹ میں پانی بھر گیا تھا اور آنکھیں نکل آئی تھیں۔ وزیر نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا یہاں تک کہ اس کی جان میں جان آئی۔

پھر اس کے کپڑے اتار کر اس نے اسے دوسرے کپڑے پہنائے اور اپنے ایک غلام کی پگڑی اس کے سر پر باندھی اور کہنے لگا کہ دیکھ' میں نے تجھے ڈوبنے سے بچایا ہے اس لیے تجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی چاہیے جس سے میری یا تیری جان جائے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو چھیانوے ویں رات

جب ایک سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ وزیر نے اپنی کاروائی کے بعد مرزبان سے کہا کہ میں نے تجھے ڈوبنے سے بچایا ہے لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری وجہ سے میری یا تیری جان جائے۔ مرزبان نے کہا کہ یہ کیسے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس وقت تو امراء اور وزراء میں سے ہو کر گزرے گا اور وہ سب سلطان کے بیٹے قمرالزمان کی وجہ سے کوئی بات نہ کریں گے بلکہ بالکل خاموش ہوں گے۔ مرزبان نے قمرالزمان کا نام سنتے ہی اسے پہچان لیا کیونکہ اس نے مختلف شہروں میں اس کا ذکر سنا تھا اور اسی کی تلاش میں یہاں آیا تھا لیکن انجان بن کر اس نے وزیر سے پوچھا کہ قمرالزمان کون ہے؟ وزیر نے کہا کہ وہ سلطان شہرمان کا بیٹا ہے اور بیمار ہے اور بچھونے پر پڑا رہتا ہے اور بے چین رہتا ہے۔ دن رات نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ سوتا ہے بلکہ مرنے کے قریب ہے۔ ہم سب اس کی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور اس کے مرنے کا یقین کر چکے ہیں۔ خبردار! اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیو بلکہ وہیں دیکھیو جہاں تیرے قدم پڑیں' ورنہ ہم دونوں کی جان جائے گی۔ اس نے کہا کہ اے وزیر' میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جس جوان کا تو نے ذکر کیا ہے اس کا قصہ بتا کہ وہ کیوں اس مرض میں گرفتار ہے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا باپ تین سال سے یہ اصرار کرتا رہا تھا کہ وہ شادی کرے لیکن وہ ہمیشہ انکار کرتا تھا۔ اس لیے باپ نے ناراض ہو کر اسے قید کر دیا۔ ایک دن صبح کو جب وہ اٹھا تو اس کو یہ خیال ہوا کہ جب وہ سو رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پہلو میں ایک لڑکی ہے جو اتنی حسین ہے کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ اس نے لڑکی کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر خود پہن لی اور اپنی انگوٹھی

اسے پہنا دی۔ اس قصے کا بھید ہماری سمجھ کی مطلق میں نہ آیا۔ بیٹا' میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب تو میرے ساتھ محل میں جائے تو شہزادے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیو بلکہ آگے چلے جائیو' کیونکہ بادشاہ میری طرف سے غصے میں بھرا ہوا ہے۔

مرزبان نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ' اسی کی تو میں تلاش میں ہوں۔ یہ کہہ کر مرزبان وزیر کے پیچھے ہو لیا اور محل میں پہنچا۔ وہاں پہنچ کر قمرالزمان کے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا مگر مرزبان کو سوائے اس کے اور کچھ نہ سوجھی کہ وہ آگے بڑھ کر قمرالزمان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر مارے ڈر کے وزیر کی جان نکل گئی اور وہ مرزبان کی طرف دیکھ دیکھ کر اشارے کرنے لگا کہ چلا جا' مگر مرزبان انجان بن کر قمرالزمان کی طرف دیکھتا رہا اور اسے یقین ہو گیا کہ میری مراد بر آئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ستانوے ویں رات

جب ایک سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
جب مرزبان نے قمرالزمان کو دیکھا اور اسے یقین آ گیا کہ میری مراد بر آئی تو وہ کہنے لگا کہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اس کا قد اس لڑکی کے قد سا بنایا اور اس کا رخسار اس کے رخسار سا اور اس کا رنگ اس کے رنگ سا۔ اب قمرالزمان نے آنکھیں کھول دیں اور کان دھر کر اس کی باتیں سننے لگا۔ جب مرزبان نے دیکھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے تو وہ چند اشعار پڑھنے لگا‘ جن کو سن کر قمرالزمان کے دل کو تسکین ہوئی اور اس نے ایک آہ بھری اور زبان کھول کر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ ابا جان‘ اس جوان کو میرے پاس آ کر بیٹھنے دے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو اٹھانوے ویں رات

جب ایک سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- قمرالزمان نے اپنے باپ سے کہا کہ اس جوان کو میرے پاس آ کر بیٹھنے دے۔ یا تو بادشاہ مرزبان کی وجہ سے پریشان خاطر ہو رہا ہے اور اپنے دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی گردن اڑا دے یا اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر اس کا دل باغ باغ ہو گیا اور اس کا وہ خیال جاتا رہا اور اس نے مرزبان کا ہاتھ پکڑ کر اسے قمرالزمان کے پہلو میں بٹھا دیا اور مرزبان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ تو بچ گیا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا تیرے بیٹے کو سلامت رکھے اور بادشاہ کو دعا دی۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جزائر جوانیہ میں جہاں بادشاہ غیور کی حکومت ہے جو جزیروں اور سات محلوں کا مالک ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ شاید تیرا آنا میرے بیٹے کے لیے مبارک ثابت ہوا اور اس کی بیماری خدا دور کرے۔ اس نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو بھلائی ہی بھلائی ہو گی۔ اس کے بعد جب مرزبان نے دیکھا کہ بادشاہ اور امراء قمرالزمان کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو اس نے اس کے کان میں کہا کہ اے میرے آقا ہمت باندھ اور اپنا دل مضبوط کر اور آنکھیں ٹھنڈی کر کیونکہ جس کی وجہ سے تیری یہ حالت ہو گئی ہے اس کی وہ حالت مت پوچھ جو تیرے سبب سے ہوئی ہے۔ فرق محض اتنا ہے کہ تو نے اپنا راز چھپایا اور بیمار ہو گیا لیکن اس نے اپنی حالت ظاہر کر دی اور لوگوں نے اسے پاگل سمجھا اور اب وہ قید میں ہے اور اس کی گردن میں لوہے کی زنجیر پڑی ہے اور اس کا حال ابتر ہے۔ انشاء اللہ میرے ہاتھوں تم دونوں کا علاج ہو جائے گا۔

یہ سنتے ہی قمرالزمان کی جان میں جان آ گئی اور اس کا دل مضبوط ہو گیا اور چہرے پر بشاشت آ گئی اور اس نے اشارہ کر کے اپنے باپ سے کہا کہ مجھے بٹھا دے۔ یہ

سن کر بادشاہ مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا اور بیٹے کے پاس جا کر اسے بٹھا دیا جب وہ بیٹھ گیا تو اس خوف سے کہ کہیں بیٹے کو پریشانی نہ ہو اس نے اپنا رومال ہلا کر امراء اور وزرا کو رخصت کر دیا اور بیٹے کے لیے دو تکئے رکھ دیئے اور وہ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ محل زعفران سے معطر کیا جائے اور شہر چراغاں کیا جائے اور مرزبان سے کہا کہ بیٹا' واللہ تیرا آنا مبارک ہوا اور اس کے ساتھ بے حد انعام و اکرام کیا اور اس کے آگے کھانا پیش کیا۔ مرزبان نے آگے بڑھ کر قمرالزمان سے کہا کہ آ میرے ساتھ کھانا کھا اور اس نے کھانا کھایا۔ یہ تمام باتیں دیکھ کر بادشاہ مرزبان کو دعائیں دیتا جاتا اور کہتا جاتا کہ بیٹا' تیرا آنا کیسا مبارک ثابت ہوا! بیٹے کو کھانا کھاتے دیکھ کر باپ اور زیادہ خوش ہو گیا اور جا کر فوراً اس کی ماں اور محل والوں کو خبر کی اور قمرالزمان کی سلامتی پر سارے محل میں خوشیاں منائی جانے لگیں اور بادشاہ کے حکم سے شہر آراستہ کیا گیا اور لوگوں نے خوشیاں منائیں اور یہ دن بڑی خوشی کا دن منایا گیا۔ اس رات مرزبان' قمرالزمان کے پاس سویا اور بادشاہ بھی مارے خوشی کے انھیں دونوں کے پاس سویا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• ایک سو ننانوے ویں رات

جب ایک سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------
بادشاہ شہرمان اپنے بیٹے کے اچھے ہونے کی خوشی میں ان دونوں کے پاس سویا۔ جب صبح ہوئی اور بادشاہ چلا گیا اور مرزبان اور قمرالزمان اکیلے رہ گئے تو مرزبان نے شروع سے آخر تک سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ جس کا تیرا ساتھ ہوا ہے' میں اسے جانتا ہوں۔ وہ شہزادی بدور بادشاہ غیور کی بیٹی ہے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی بدور کی ساری روداد شروع سے آخر تک بیان کی اور کہا کہ اسے تجھ سے کس قدر عشق ہے اور بیان کیا کہ جو کچھ تیرے باپ اور تجھ میں پیش آئی' وہی ہو بہو اس کے باپ اور اس میں پیش آئی۔ اب مجھے یقین ہے کہ جس طرح وہ تجھ پر عاشق ہے تو بھی اس پر جان دیتا ہے۔ لہٰذا ہمت کر اور دل مضبوط رکھ' میں تجھے اس تک پہنچا دوں گا اور عنقریب تم دونوں مل جاؤ گے۔ اس طرح مرزبان' قمرالزمان کا دل مضبوط کرتا اور اسے ہمت اور تسلی دیتا اور کھانے پینے کی طرف رغبت دلاتا رہا اور اس نے کھانا کھایا اور شراب پی یہاں تک کہ اس کی جان میں جان آ گئی اور اس کی قوت دوبارہ عود کر آئی اور بیماری دور ہو گئی۔ مرزبان اشعار اور کہانیاں سنا سنا کر اسے تسلی دیتا یہاں تک کہ قمرالزمان چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا اور اس نے حمام جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزبان اس کا ہاتھ پکڑ کر حمام لے گیا' اور دونوں نہائے دھوئے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پوری دو سوویں رات

جب پوری دو سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جب بادشاہ شہرمان کا بیٹا قمرالزمان حمام گیا تو اس نے قیدیوں کو آزاد کیا اور امراء کو عمدہ عمدہ خلعتیں عطا کیں اور فقیروں کو خیرات دی اور شہر کو چراغاں کرنے کا حکم دیا اور سات دن تک چراغاں کیا گیا۔ اس کے بعد مرزبان نے قمرالزمان سے کہا کہ میں شہزادی بدور کے پاس سے محض اسی کام کے لیے آیا ہوں اور میرے سفر کا مقصد یہی تھا کہ میں اس کی دوا تلاش کروں۔ اب ہمیں چاہیے کہ اس تک پہنچنے کی کوئی تدبیر نکالیں کیونکہ تیرے باپ کو تیری جدائی گوارا نہیں۔ اس لیے میری رائے یہ ہوئی ہے کہ کل تو اپنے باپ سے جنگل میں جا کر شکار کھیلنے کی اجازت مانگ اور خرجی میں روپے پیسے بھر کر ساتھ لے لے اور ایک اصیل گھوڑے پر سوار ہو اور دوسرا کوتل گھوڑا ساتھ رکھ' میں بھی اسی طرح تیار ہو کر تیرے ساتھ سوار ہوں گا۔ اپنے باپ سے یہ کہیو کہ میں چاہتا ہوں کہ جنگل میں سیر و تفریح کروں اور شکار کھیلوں اور ہوا کھاؤں اور اس طرح سے وہاں ایک رات گزار دوں۔ جب ہم ایک بار نکل کھڑے ہوں گے تو پھر ہمیں کون روک سکتا ہے مگر کسی نوکر کو اپنے ساتھ نہ لیجیو۔ قمرالزمان نے کہا کہ یہ تیری رائے بہت ٹھیک ہے اور اس پر بہت خوش ہوا اور ہمت کر کے اپنے باپ کے پاس گیا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ بادشاہ نے اسے شکار کے لیے جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ بیٹا' مبارک ہو وہ دن جب کہ تو تندرست ہوا! مجھے تیرا ارادہ ناپسند نہیں ہے لیکن ایک رات سے زیادہ مت ٹھہریو اور دوسرے ہی روز آ کر مجھ سے ملیو کیونکہ تو جانتا ہے کہ بغیر تیرے میری زندگی کا مزہ نہیں اور ابھی تک میرے دل کو یقین نہیں آتا کہ تو اچھا ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے بیٹے قمرالزمان اور اس کے ساتھ مرزبان کے لیے سفر کی تیاری کرا دی اور حکم دیا کہ ان کے لیے چار

گھوڑے مہیا کئے جائیں اور مال لادنے کے لیے ایک گھوڑا اور کھانے پینے کے لیے ایک اونٹ۔ قمرالزمان نے منع کر دیا تھا کہ اس کی خدمت کے لیے کوئی شخص نہ بھیجا جائے۔ اب باپ نے اسے گلے مل کر اور بوسہ دے کر رخصت کیا اور کہنے لگا کہ خدا کے لیے ایک دن سے زیادہ غائب نہ رہیو کیونکہ اس رات بھی نیند مجھ پر حرام ہو گی۔ اس نے کہا کہ ابا جان انشاء اللہ ایک رات سے زیادہ میں باہر نہ رہوں گا۔
یہ کہہ کر وہ رخصت ہوا اور قمرالزمان اور مرزبان دونوں باہر آ کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اس گھوڑے کو ساتھ لیا جس پر وہ مال تھا اور اس اونٹ کو جس پر کھانا اور پینا تھا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو ایک ویں رات

جب دو سو ایک ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان اور مرزبان جنگل کی طرف منہ اٹھا کر چل دیئے اور صبح سے لے کر شام تک چلتے

رہے۔ شام کے وقت وہ اترے اور انہوں نے کھایا پیا اور جانوروں کو چارہ دیا اور تھوڑی دیر ستا کر آگے چل دیئے اور برابر تین دن تک سفر کرتے رہے۔ چوتھے دن انہوں نے ایک کشادہ جگہ دیکھی جہاں جھاڑیاں تھیں اور وہاں اتر پڑے۔ مرزبان نے اونٹ اور ایک گھوڑا لے کر ذبح کیا اور ان کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ہڈیوں پر سے گوشت اتار ڈالا اور قمرالزمان کی قمیص اور دوسرے کپڑے لیے اور انہیں پھاڑ کر گھوڑے کے خون میں لتھیڑ کر اس کی قبا لے کر اسے بھی خوب خون میں رنگا اور انہیں چوراہے پر پھینک دیا۔ اس کے بعد کھا پی کر سوار ہوئے اور چل دیئے۔ قمرالزمان نے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا اور اس کا فائدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم نے تیرے باپ بادشاہ شہرمان سے ایک رات غیر حاضر رہنے کی اجازت لی ہے' جب اس رات کے بعد ہم اس کے پاس نہ پہنچیں گے تو وہ سوار ہو کر ہمارے پیچھے آئے گا' مگر جب وہ ان خون آلود کپڑوں کو دیکھے گا اور تیری قمیص اور تیرے لباس پر اس کی نظر پڑے گی کہ ان کے چیتھڑے ہو گئے ہیں اور ان پر خون پڑا ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں خیال کرے گا کہ تیرے اوپر ڈاکوؤں یا وحشی جانوروں سے کوئی حادثہ گزرا ہے اور وہ تجھ سے ناامید ہو کر اپنے شہر کو لوٹ جائے گا اور اس ترکیب سے ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ قمرالزمان نے کہا کہ واللہ یہ ترکیب بڑی اچھی ترکیب ہے اور تجھے خوب سوجھی! اس کے بعد دو دن رات سفر کرتے رہے مگر اس اثناء میں جب کبھی قمرالزمان اکیلا ہوتا تو وہ روتا اور آہ و فریاد کرتا یہاں تک کہ اسے خوش خبری ملی کہ آخری منزل قریب ہے اور مرزبان نے کہا کہ دیکھ یہی جزیرے جو دکھائی دیتے

ہیں، بادشاہ غیور کے جزیرے ہیں۔ یہ سن کر قمرالزمان خوش ہو گیا اور مرزبان کا شکریہ ادا کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسے سینے سے لگایا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو دوسری رات

جب دو سو دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب مرزبان نے قمرالزمان سے کہا کہ دیکھ یہی بادشاہ غیور کے جزیرے ہیں تو وہ خوش ہو گیا اور

اس کا شکر گزار ہوا اور اسے بوسہ دیا اور سینے سے لگایا۔ جزیروں میں داخل ہو کر دونوں دارالسلطنت پہنچے اور مرزبان نے اسے ایک سرائے میں اتارا اور دونوں سفر کی تکان کی وجہ سے تین روز تک ستاتے رہے۔ اس کے بعد مرزبان' قمرالزمان کو لے کر حمام گیا اور اسے سوداگروں کا سا لباس پہنایا اور اس کے لیے ایک رمل کی تختی بنوائی جو سونے کی تھی اور نجوم کے دوسرے اوزار چاندی کی ایک اسطرلاب جس پر سونے کا پانی بھرا ہوا تھا' اور کہا کہ اے میرے آقا' اٹھ اور جا کر بادشاہ کے محل کے نیچے کھڑا ہو اور آواز لگا کہ میں حساب دان ہوں' میں منتری ہوں' میں طالب اور مطلوب کو ملاتا ہوں' میں ماہر حکیم ہوں' میں زبردست منجم ہوں' جو طالب ہوں' آئیں۔ جب بادشاہ تیری آواز سنے گا تو وہ تجھے بلا کر اپنی بیٹی شہزادی بدور کے پاس لے جائے گا جو تیری محبوبہ ہے۔ جب تو شہزادی کے پاس جائے تو بادشاہ سے کہیو کہ مجھے تین دن کی مہلت دے' اگر وہ اچھی ہو گئی تو میری شادی اس کے ساتھ کر دیجیو اور اگر وہ اچھی نہ ہوئی تو میری بھی وہی گت بنائیو جو تو نے لوگوں کی مجھ سے پہلے بنائی ہے۔ بادشاہ تیری یہ شرط منظور کرے گا۔ جب تو شہزادی کے پاس پہنچے تو اس سے کہیو کہ تو کون ہے؟ تجھے پہچان کر وہ تندرست ہو جائے گی اور اس کا جنون رفو چکر ہو جائے گا اور وہ ایک ہی دن میں اچھی ہو جائے گی۔ اس کے بعد تو اسے کھانے پینے کو دیجیو۔ اسے تندرست دیکھ کر اس کا باپ خوش ہو جائے گا اور تیری شادی اس کے ساتھ کر دے گا اور تجھے اپنے ملک کا ساجھے دار بنا لے گا کیونکہ یہی اس نے شرط کی ہے' والسلام۔

جب قمرالزمان نے یہ سنا تو وہ اس سے کہنے لگا کہ خدا کرے تو ہمیشہ مجھ پر مہربان رہے

اور تمام سامان لے کر وہ سرائے سے چل دیا۔ اس کا لباس وہی سوداگرانہ تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ چلتے چلتے وہ بادشاہ غیور کے محل کے نیچے آ کر ٹھہرا اور آواز لگائی کہ میں منتری حساب دان ہوں' میں طالب و مطلوب کو باہم ملاتا ہوں' میں وہ ہوں جو کتابوں کی تشریح کرتا اور حساب لگاتا اور خوابوں کی تعبیر بتاتا اور مقصدوں کو حل کرتا ہے۔ آئے جو طالب ہو۔ ایک مدت سے شہر والوں نے کسی منتری اور منجم کی شکل نہ دیکھی تھی لہٰذا جب ان کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو وہ آ کر اس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے غور سے دیکھنے لگے اور دیکھا کہ وہ بے حد حسین و جمیل اور خوش رو ہے اور وہ اس کے حسن و جمال اور قد اور اعتدال کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے خوبصورت اور شیریں بیان جوان' میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ بادشاہ غیور کی شہزادی بدور سے شادی کرنے کی خاطر اپنی جان ہلاکت میں مت ڈال اور ان سروں کو دیکھ جو لٹکے ہوئے ہیں کیونکہ یہ سب لوگ اسی کی خاطر مارے گئے ہیں۔ قمرالزمان نے ان کی باتوں کی پروا نہ کی اور خوب زور سے آواز لگائی کہ میں حکیم' منتری ہوں' میں حساب دان' منجم ہوں۔ شہر والے سارے اسے اس فعل سے منع کرتے لیکن وہ کسی کی نہ سنتا اور اپنے دل میں کہتا کہ جو عشق میں مبتلا نہیں ہوتا وہ اسے ہرگز نہیں سمجھتا اور زور زور سے چلاتا کہ میں حکیم ہوں' میں منجم ہوں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تیسری رات

جب دو سو تین ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان نے شہر والوں کی بات کی طرف کچھ التفات نہ کیا بلکہ یہی آواز لگاتا رہا کہ میں منتری ہوں' میں حساب دان ہوں' نجومی ہوں۔ اس پر سارے شہر والے اس سے ناراض ہو گئے اور کہنے لگا کہ تو نہایت کوڑھ مغز بے وقوف اور احمق لڑکا ہے۔ اپنے شباب اور کم سنی اور حسن و جمال پر رحم کر۔ اس پر قمرالزمان نے پھر آواز لگائی کہ میں نجومی اور حساب دان ہوں۔ جو طالب ہو آئے۔ قمرالزمان آواز لگاتا جاتا اور لوگ اسے منع کرتے جاتے تھے کہ اتنے میں بادشاہ غیور کے کانوں میں اس کی آواز پہنچی اور لوگوں کا شور و غل سنائی دیا اور اس نے وزیر سے کہا کہ جا کر نجومی کو میرے پاس لے آ۔ وزیر فوراً اتر کر آیا اور اس بھیڑ میں سے قمرالزمان کو لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا اور قمرالزمان نے بادشاہ کے آگے زمین چومی اور جب بادشاہ نے اسے دیکھا تو اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ بیٹا' اگر تو نجومی نہیں ہے تو خدا کے لیے اپنی جان خطرے میں مت ڈال اور میری شرط پوری کرنے کی کوشش مت کر کیونکہ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ اگر کوئی میری بیٹی کے پاس جائے اور اس کی بیماری دور نہ کر سکے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ اسے اچھا کر دے تو میں اس کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا۔ اپنے حسن و جمال کے دھوکے میں مت آ' واللہ باللہ اگر تو نے اسے اچھا نہ کیا تو میں ضرور تیری گردن اڑا دوں گا۔ قمرالزمان نے کہا کہ تو یہی کیجیو' مجھے منظور ہے۔ یہ تو میں تیرے پاس آنے سے پہلے جانتا تھا۔ بادشاہ غیور نے قاضیوں کو گواہ بنا کر قمرالزمان کو خادم کے ہمراہ کیا اور اس سے کہا کہ اسے شہزادی بدور کے پاس لے جا۔ خادم اس کا ہاتھ پکڑ کر دالان دالان لے چلا۔ مگر قمرالزمان اس سے آگے نکل جاتا اور خادم دوڑ کر اس کے پاس آتا اور کہتا

کہ حیف ہو تجھ پر! اپنی جان دینے میں اتنی جلدی نہ کر۔ میں نے سوائے تیرے کسی نجومی کو نہیں دیکھا جو اپنی ہلاکت میں اتنی جلدی کرتا ہو لیکن تجھے معلوم نہیں کہ تیرے آگے کون سی مصیبت کھڑی ہے۔ یہ سن کر قمرالزمان نے اپنا منہ خادم کی طرف سے پھیر لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دوسو چوتھی رات

جب دو سو چارویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ خادم نے قمرالزمان سے کہا کہ صبر کر' اتنی جلدی مت کر' مگر اس نے اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا۔ اب خادم نے قمرالزمان کو پردے کے پیچھے کھڑا کر دیا جو دروازے پر پڑا تھا۔ قمر الزمان نے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے کہ کہاں بیٹھ کر میں تیری مالکہ کا علاج کروں اور اسے اچھا کروں؟ یہیں بیٹھ کر یا پردے کے اندر جا کر۔ یہ سن کر خادم حیران ہو گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اگر تو یہیں سے اچھا کر دے تو اس میں تیری اور بھی زیادہ خوبی ہے۔ یہ سن کر قمرالزمان پردے کے پیچھے گیا اور دوات اور قلم اور کاغذ نکال کر اس نے یہ الفاظ لکھے: "یہ خط اس کی طرف سے ہے جو تمناؤں کا کشتہ ہے' جسے محبت نے مار ڈالا اور غموں نے تباہ کر دیا ہے' جو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور موت کا یقین کر چکا ہے' جس کے غم زدہ دل کا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار' جس کی بیدار آنکھوں کی مصیبت کا دور کرنے والا ناپید ہے۔ اس کے دن آگ میں گزرتے ہیں اور راتیں سوز میں۔ اس کا جسم گھل گھل کر تنکا ہو گیا ہے اور اب تک اس کے معشوق کے پاس سے کوئی قاصد تک نہیں آیا۔ محض محبوب کا دیدار دل کی دوا ہے۔ جس پر اس کا معشوق جفا کرتا ہے اور اس کا طبیب خدا ہے۔ ہم میں اور تم میں سے جو کوئی بے وفائی کرے' خدا اس کی مراد پوری نہ کرے! اس عاشق سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی نہیں جو اپنی بے وفا محبوبہ سے وفا کرے۔ یہ خط ہے ناامید دل سوختہ اور حیران و پریشان عاشق کی طرف سے جسے عشق و محبت نے پریشان کر رکھا ہے' چاہت کا گرفتار قمرالزمان بن شہرمان۔ اور مکتوب الیہ وہ ہے جس کا جواب دنیا میں نہیں اور جو خوبصورت حوروں میں سے منتخب کی گئی ہے' شہزادی بدور بنت بادشاہ غیور۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں رات بھر جاگتا اور دن بھر پریشان رہتا ہوں۔ کمزوریوں اور بیماریوں

نے زور پکڑا ہے اور عشق و تمنا مارے ڈالتے ہیں۔ آہوں کا ٹھکانا نہیں اور آنسوؤں کا حد و حساب نہیں۔ محبت کا گرفتار' آرزوؤں کا کشتہ' ہجر کا دل آزردہ' عشق کا دل سوختہ' بیماریوں کا ندیم' میں وہ جاگنے والا ہوں جس کی آنکھیں کبھی بند نہیں ہوئیں ور وہ محبت کا مارا جس کے آنسو کبھی رکے نہیں۔ میرے دل کی آگ بجھتی نہیں اور اشتیاق کے شعلے بجھتے نہیں۔" اس خط کے اندر اس نے شہزادی بدور کی انگوٹھی رکھ کر اسے خادم کو دے دیا۔ ملازم اسے لے کر اپنی آقا کے آس پاس گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو پانچویں رات

جب دو سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- قمرالزمان نے خط میں انگوٹھی رکھ کر خادم کے حوالے کیا اور وہ اسے لے کر شہزادی بدور کے پاس گیا۔ شہزادی نے خادم کے ہاتھ سے خط لے کر اسے کھولا اور اس میں بعینہ وہی اپنی انگوٹھی دیکھی اور خط پڑھا تو خوشی کے مارے اس کے ہوش اڑ گئے اور اس کے دل کو تسلی ہوئی اور وہ کھڑی ہو گئی اور اپنے پاؤں دیوار سے ٹیک کر لوہے کی ہنسلی پر اتنا زور لگایا کہ وہ اس کی گردن سے ٹوٹ گئی اور اس نے بیڑیاں بھی توڑ ڈالیں اور وہ پردے سے باہر آ کر قمرالزمان سے لپٹ گئی اور اس کے منہ کو اس طرح چومنے لگی جیسے کبوتر اپنے بچے کو دانا کھلاتا ہے اور عشق و محبت کی زیادتی کی وجہ سے اسے گلے لگا لیا اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا' یہ خواب ہے یا بیداری؟ کیا خدا نے واقعی ہجر کے بعد وصال عطا کیا! شکر ہے خدا کا کہ ناامیدی کے بعد ہم پھر ملے۔

جب خادم نے یہ دیکھا تو وہ بھاگ کر بادشاہ غیور کے پاس پہنچا اور اس کے آگے زمین بوس ہو کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا' یہ نجومی تو تمام نجومیوں کا استاد نکلا اور سب سے زیادہ علم والا ہے کیونکہ اس نے تیری بیٹی کا علاج پردے کے پیچھے سے کر دیا اور اس کے پاس گیا تک نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ ذرا اچھی طرح سے دیکھ کر آ' یہ خبر صحیح ہے۔ خادم نے کہا کہ اے میرے آقا خود چل کر دیکھ لے کہ اس میں اتنا زور آ گیا کہ اس نے لوہے کی زنجیریں توڑ ڈالی اور نجومی کے پاس جا کر اسے چومنے اور گلے لگانے لگی۔

یہ سن کر بادشاہ غیور اٹھ کر اپنی بیٹی کے پاس پہنچا۔ جونہی شہزادی نے اپنے باپ کو دیکھا وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اپنا سر ڈھانپ لیا۔ باپ اسے تندرست دیکھ کر خوش

ہو گیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا کیونکہ وہ اسے بہت چاہتا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ غیور نے قمرالزمان کی طرف متوجہ ہو کر اس کی مزاج پرسی کی اور پوچھا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ قمرالزمان نے اپنا حسب نسب اور حال بیان کیا اور کہا کہ بادشاہ شہرمان میرا باپ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور یہ کہ شہزادی بدور کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا اور اس نے کس طرح اس کی انگلی سے انگوٹھی اتار لی اور اپنی انگوٹھی اسے پہنا دی۔ یہ سن کر بادشاہ غیور کو بڑا اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ تمہارا قصہ اس قابل ہے کہ قلم بند کیا جائے تاکہ آئندہ آنے والے لوگ اسے پڑھیں۔

اس کے بعد بادشاہ غیور نے فوراً قاضیوں اور گواہوں کو بلوا کر شہزادی بدور اور قمرالزمان کا نکاح نامہ لکھوا دیا اور حکم دیا کہ سات دن تک شہر چراغاں کیا جائے۔ اس کے بعد دسترخوان بچھائے گئے اور دعوتیں دی گئیں اور خوشیاں منائی گئیں اور تمام شہر والوں اور لشکر والوں کو بہترین پوشاکیں عطا کی گئیں اور خوش خبریاں پہنچائی گئیں اور ڈھول بجائے گئے اور قمرالزمان شہزادی بدور کے ساتھ ہم بستر ہوا اور بادشاہ اپنی بیٹی کی سلامتی اور اس کی شادی پر بہت خوش ہوا اور اس بات کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کے دل میں ایک حسین و جمیل شہزادے کی محبت ڈالی۔ اس کے بعد اس کی منہ دکھائی کی رسم ادا کی گئی اور لوگوں نے دیکھا کہ حسن و جمال اور خوب روئی اور آن بان میں دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس رات قمرالزمان نے شہزادی کے ساتھ سو کر اپنا ارمان نکالا اور شہزادی کی آرزو اس کے ساتھ پوری ہوئی اور اس کے حسن و جمال کا مزہ لوٹا اور صبح تک دونوں لپٹے پڑے رہے۔ دوسرے دن بادشاہ نے ولیمہ دیا جس میں تمام اندرونی اور بیرونی جزیروں والے شامل تھے۔ جن کو کھانے کھلائے گئے اور عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنائی گئیں اور پورے مہینے تک دعوتیں ہوتی رہیں۔ جب وہ اس حالت میں شہزادی بدور کے ساتھ ایک مدت تک رہا اور اس کا مقصد پورا ہو گیا اور ارمان نکل گیا تو اسے اپنے باپ بادشاہ شہرمان کی یاد آئی اور اس نے اسے خواب میں دیکھا

کہ وہ کہہ رہا ہے کہ بیٹا' کیا تیرا یہ فعل میرے ساتھ جائز ہے؟ جب اس نے خواب میں باپ کا یہ عتاب دیکھا تو صبح کو وہ نہایت غمگین تھا۔ شہزادی بدور نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے اپنا خواب بیان کر دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

- ## دو سو چھٹی رات

جب دو سو چھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب قمرالزمان نے شہزادی بدور سے اپنا خواب بیان کیا تو اسے لے کر اپنے باپ کے پاس گئی اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور سفر کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے قمرالزمان کو سفر کی اجازت دے دی مگر شہزادی بدور نے کہا کہ ابا جان' میں اس کی جدائی گوارا نہیں کر سکتی۔ باپ نے کہا کہ اچھا تو بھی اس کے ساتھ جا' اور اسے اجازت دی کہ وہ پورے ایک سال تک اس کے ساتھ ٹھہرے اور اس کے بعد ہر سال اپنے باپ سے ملنے آئے۔ اس پر اس نے اپنے باپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور علیٰ ہذا القیاس قمرالزمان نے بھی۔ اب بادشاہ غیور اپنی بیٹی اور داماد کے سفر کی تیاری کرنے لگا اور ہر قسم کا جہیز اور سفر کی ضروریات مہیا کیں اور داغ دیئے۔ گھوڑے اور بلند و بالا اونٹنیوں پر لادا اور خدمت کے لیے غلام اور نوکر ساتھ کر دیئے اور انہیں سارا سامان دیا جس کی انہیں سفر میں ضرورت تھی اور رخصتی کے دن اس نے قمرالزمان سے آخری ملاقات کی اور اسے دس نفیس خلعت عطا کئے جو سونے کے تھے اور جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اسے دس گھوڑے اور دس اونٹنیاں اور بے حد مال و دولت عطا کیا اور کہا کہ میری بیٹی شہزادی بدور کو اچھی طرح رکھیو۔ اس کے بعد بادشاہ ان کو رخصت کرنے جزیروں کی سرحد تک گیا اور قمرالزمان سے رخصت ہو کر اپنی بیٹی شہزادی بدور کے پاس محل میں داخل ہوا اور اسے گلے سے لگایا اور بوسہ دیا اور پھر وہاں سے نکل کر اس کے شوہر قمرالزمان کے پاس گیا اور اس سے رخصت ہو کر اسے بوسہ دیا اس کے بعد اس نے انہیں کوچ کی اجازت دی اور خود اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دارالسلطنت واپس آیا۔

اب قمرالزمان اور اس کی بیوی شہزادی بدور اور اس کے ہمراہیوں نے ایک دن سفر کیا

پھر دوسرے دن پھر تیسرے دن اور پھر چوتھے دن اور اسی طرح وہ پورے ایک مہینے تک سفر کرنے کے بعد ایک وسیع سبزہ زار میں اترے اور ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے اور کھا پی کر آرام کرنے لگے اور شہزادی بدور سو گئی۔ جب قمرالزمان اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سو رہی ہے اور ریشم کی ایک کشمشی قمیص پہنے ہوئے ہیں جس سے سارا بدن دکھائی دیتا ہے اور سر پر ایک سنہرا رومال باندھے ہوئے ہیں جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اور ہوا سے اس کی قمیص اڑ کر ناف کے اوپر تک آ گئی ہے اور اس کا پیٹ جو برف سے زیادہ سفید ہے' دکھائی دے رہا ہے اور اس کے گڑھے اتنے بڑے ہیں کہ ان میں آدھ آدھ چھٹانک تیل آ جائے۔ یہ دیکھ کر اس کی محبت اور جوش اور زیادہ بڑھ گیا۔ اب وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے ازاربند میں ایک سرخ نگ ٹنکا ہوا ہے۔ اس نے اسے کھول کر نکالا اور دیکھا کہ اس پر دو سطریں ایسے خط میں لکھی ہوئی ہیں جو پڑھنے میں نہیں آتی۔ اس پر قمرالزمان کو تعجب ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ نگ اس کے لیے بہت اہم نہ ہوتا تو وہ اسے ازاربند میں اس طرح ٹانک کر نہ رکھتی اور اپنی عزیز جگہ میں نہ چھپاتی تاکہ وہ اس سے کبھی جدا نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ وہ اس کا کیا کرتی ہے اور اس میں کیا بھید ہے! اس کے بعد وہ اسے لے کر خیمے سے باہر گیا تاکہ اسے روشنی میں دیکھے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو ساتویں رات

جب دو سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جب وہ نگ کو روشنی میں دیکھنے کے لیے گیا اور ہاتھ میں لے کر اسے غور سے دیکھ رہا تھا کہ ایک پرندہ قمرالزمان پر جھپٹا اور اس کے ہاتھ سے وہ نگ لے کر اڑ گیا اور اس کے بعد زمین پر جا کر بیٹھ گیا۔ قمرالزمان نگ کے چھن جانے سے ڈرا اور پرندے کے پیچھے دوڑا مگر پرندہ بھی اسی رفتار سے بھاگنے لگا۔ قمرالزمان اس کے پیچھے ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ٹیلے سے دوسرے ٹیلے بھاگتا رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا اور پرندہ ایک اونچے درخت پر جا کر سو گیا۔ قمرالزمان اس کے نیچے ٹھہر گیا اور وہ بہت حیران تھا اور بھوک اور تکان سے اس کی جان نکل رہی تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ مر جائے گا۔ اب اس نے لوٹنے کا ارادہ کیا لیکن اندھیرے میں اس کو یہ پتہ نہ چلا کہ کدھر سے آیا ہے اور اس نے کہا لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم اور اسی درخت کے نیچے سو گیا جس پر وہ پرندہ تھا۔ جب دن نکلا اور قمرالزمان کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ پرندہ بھی بیدار ہو کر درخت پر سے اڑا اور وہ اس کے پیچھے ہو لیا اور دیکھا کہ اب وہ آہستہ اڑتا ہے اور اسی رفتار سے جس سے کہ وہ چلتا ہے۔ اس پر قمرالزمان مسکرایا اور کہنے لگا کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ پرندہ کل میرے دوڑنے کی رفتار سے اڑتا تھا اور آج اسے معلوم ہو گیا ہے کہ میں تھکا ہوا ہوں اور میرے چلنے کی رفتار سے اڑتا ہے۔ واللہ' عجیب و غریب بات ہے لیکن میں اس پرندے کا پیچھا کیے چلا جاؤں گا اور وہ مجھے یا تو زندگی کی طرف رہنمائی کرے گا اور یا موت کی طرف۔ وہ جہاں کہیں بھی جائے گا میں اس کے پیچھے لگا رہوں گا کیونکہ وہ کسی نہ کسی آباد جگہ جا کر دم لے گا۔ قمرالزمان اس پرندے کے نیچے نیچے چلتا رہا اور وہ پرندہ رات کو کسی نہ کسی درخت پر بسیرا کر لیتا۔ اس طرح سے اس

نے دس روز تک پیچھا کیا اور سبزی کھاتا اور نہروں کا پانی پیتا۔ دس دن کے بعد اسے آباد شہر دکھائی دیا اور وہ پرندہ تیر کی طرح اڑ کر اس شہر میں چلا گیا اور قمرالزمان کی نظروں سے غائب ہو گیا اور اسے اس کا پتہ نہ چلا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں چل دیا۔ قمرالزمان کو اس پر تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھ کو صحیح و سلامت اس شہر تک پہنچایا۔ یہ کہہ کر وہ ایک نہر پر بیٹھ گیا اور ہاتھ' منہ اور پاؤں دھوئے اور تھوڑی دیر ستایا اور یہ سوچنے لگا کہ وہ کس آرام اور آسائش اور ہم صحبتی میں تھا اور اب کس تکلیف اور رنج اور غربت اور بھوک اور فراق میں گرفتار ہے۔ ستانے کے بعد قمرالزمان اٹھا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اس شہر میں پہنچ گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو آٹھویں رات

جب دو سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ قمرالزمان ستانے کے بعد شہر کے دروازے میں داخل ہوا مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے۔ اس لیے وہ شہر میں ادھر ادھر تک گزر گیا۔ وہ جنگل کے طرف والے دروازے سے داخل ہوا تھا اور چلتے چلتے سمندر کی طرف والے دروازے سے نکلا مگر اہالی میں اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔ یہ شہر سمندر کے کنارے واقع تھا۔ سمندر کی طرف والے دروازے سے نکل کر وہ آگے بڑھا اور شہر کے باغوں اور درختوں میں پہنچا۔ درختوں کے بیچ میں چلتے چلتے وہ ایک باغ کے پاس پہنچا اور اس کے دروازے پر ٹھہر گیا۔ اس میں سے باغبان نکلا اور قمرالزمان نے اسے سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر کے اہالی میں تو صحیح و سالم لوٹا۔ لہٰذا جلد اس باغ کے اندر آ جا تاکہ شہر والوں میں سے کوئی تجھے دیکھ نہ لے۔ قمرالزمان دنگ ہو کر اس باغ میں داخل ہوا اور باغبان سے کہنے لگا کہ اس شہر والوں کا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سن' اس شہر والے سب کے سب مجوس ہیں۔ تجھے خدا کی قسم بتا کہ تو یہاں کس طرح آیا اور تیرے آنے کی وجہ کیا ہے۔ اس پر قمرالزمان نے باغبان سے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ باغبان کو نہایت تعجب ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا' اسلامی ممالک یہاں سے بہت دور ہیں اور یہاں سے وہاں تک سمندر میں ہو کر چار مہینے کا راستہ ہے مگر خشکی سے پورا ایک سال لگ جاتا ہے۔ یہاں ایک جہاز ہے جو سال میں ایک بار سامان لے کر اسلامی ممالک کی سرحد تک جاتا ہے' اس طرح کہ وہ جہاز یہاں سے پہلے جزیرہ آبنوس جاتا ہے اور وہاں سے جزائر خالدان جہاں بادشاہ شہرمان کی حکومت ہے۔ یہ سن کر قمرالزمان تھوڑی دیر تک اپنے دل میں سوچتا رہا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کے لیے اس سے بہتر

کوئی بات نہیں کہ وہ باغبان کے پاس باغ میں ٹھہرے اور اس کا ماتحت بن کر کام کرے۔
یہ سوچ کر اس نے باغبان سے کہا کہ تجھے منظور ہے کہ میں اس باغ میں تیرا ماتحت بن کر کام کروں؟ اس نے کہا کہ بسر و چشم اور اسے سکھایا کہ کس طرح درختوں کی کیاریوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قمرالزمان درختوں کو سینچتا اور ہنسئے سے گھاس کاٹتا۔ باغبان نے اسے ایک نیلا انگا کرتا پہننے کے لیے دیا جو گھٹنوں تک آتا تھا۔ وہ درختوں کو سینچتا اور زار زار روتا اور دن رات اسے کبھی قرار نہ آتا کیونکہ ایک تو وہ پردیس میں تھا اور دوسرے اپنی محبوبہ سے جدا تھا۔

یہ تو قمرالزمان پر گزری جو بادشاہ شہرمان کا بیٹا تھا۔ اب بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا حال سنئے۔ جب اس کی نیند ٹوٹی تو اس نے اپنے شوہر قمرالزمان کو تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا اور اس نے دیکھا کہ اس کی شلوار کھلی ہوئی ہے اور ازاربند ڈھونڈنے لگی جس میں کہ نگ تھا اور دیکھا کہ وہ کھلا پڑا ہے اور نگ غائب ہے۔ اب وہ اپنے جی میں کہنے لگی کہ یااللہ' میرا شوہر کہاں گیا! گویا کہ وہ اس نگ کو لے کر چلتا ہوا مگر اسے تو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس نگ کے اندر کیا بھید ہے۔ نہ معلوم وہ کہاں گیا لیکن کوئی نہ کوئی عجیب و غریب بات ضرور پیش آئی ہو گی کہ وہ چلا گیا ورنہ اسے تو میری جدائی ایک لمحے کے لیے گوارا نہ تھی۔ لعنت ہو اس نگ پر اور اس گھڑی پر جب کہ میں نے اسے باندھا۔ اب شہزادی بدور سوچ میں پڑ گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر میں نکل کر نوکروں کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ میرا شوہر غائب ہو گیا تو ان کو میری طرف لالچ ہو گی اس لیے کوئی ترکیب چلنی چاہیے۔
یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اپنے شوہر کی ایک پوشاک پہنی اور اسی کی طرح پگڑی باندھی اور جوتے پہنے اور نقاب ڈالی اور اپنے محل میں ایک کنیز کو بٹھا کر اپنے خیمے سے باہر نکل آئی اور غلاموں کو آواز دی اور وہ اس کے لیے گھوڑا لائیں۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے حکم دیا کہ سامان باندھا جائے اور جب سامان بندھ چکا تو اس نے کوچ

کا حکم دے دیا اور وہ روانہ ہو گئے۔ مگر اس کا راز کسی پر ظاہر نہ ہوا اور کسی کو یہ شک نہ ہوا کہ وہ قمرالزمان نہیں۔ کیونکہ دونوں کا قد و قامت اور ناک نقشہ ایک سا تھا۔ چلتے چلتے وہ اس کے ہمراہی میں ایک شہر میں پہنچے جو سمندر کے کنارے واقع تھا۔ اس شہر کے باہر اس نے اس شخص کے متعلق دریافت کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ مدینہ الابنوس ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو نوویں رات

جب دو سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شہزادی بدور مدینتہ الابنوس کے باہر آرام کرنے اتری تو بادشاہ ارمانوس نے ایک قاصد روانہ کیا کہ وہ جا کر اس بادشاہ کا حال دریافت کرے جو شہر کے باہر اترا ہے۔ قاصد نے وہاں پہنچ کر لوگوں سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ ایک بادشاہ زادہ ہے' جو بھٹک کر یہاں آن پڑا ہے۔ وہ جزائر خلدان جا رہا تھا جہاں بادشاہ شہرمان کی حکومت ہے۔ قاصد نے بادشاہ ارمانوس کے پاس جا کر جو کچھ سنا تھا کہہ سنایا۔ جب بادشاہ ارمانوس نے یہ باتیں سنیں تو وہ ملک کے خاص خاص لوگوں کو لے کر اس کے خیر مقدم کے لیے گیا اور جونہی وہ خیموں کے پاس پہنچا تو شہزادی بدور گھوڑے پر سے اتر پڑی اور بادشاہ ارمانوس بھی اتر پڑا اور دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور بادشاہ اسے شہر میں لے جا کر اپنے محل میں لے گیا اور حکم دیا کہ دستر خوان بچھائے جائیں اور کھانے چنے جائیں اور شہزادی بدور کا لشکر مہمان خانے میں اتارا جائے۔ تین دن تک وہ وہاں رہے اور اس کے بعد بادشاہ شہزادی بدور کے پاس آیا وہ اسی وقت حمام سے نکلی تھی اور اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح معلوم ہوتی تھی اور لوگ اسے دیکھ کر اپنا دل تھام کر رہ جاتے تھے۔ وہ ایک ریشمی پوشاک پہنے ہوئے تھی جس پر سنہرے کلابتوں کا کشیدہ کڑھا ہوا تھا اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے' بادشاہ ارمانوس اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ بیٹا' میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور سوائے ایک بیٹی کے عمر بھر میرے کوئی بیٹا نہیں ہوا اور وہ بیٹی حسن و جمال میں تیری طرح ہے۔ مجھ سے اب حکومت کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بیٹا' اب تو حکومت کر۔ اگر تجھے میرا یہ ملک پسند ہے اور تو اس میں سکونت اختیار کرنا چاہتا ہے تو میں تیری شادی اپنی بیٹی سے کر کے اپنا ملک تجھے حوالے کر دوں گا اور خود آرام کروں گا۔

یہ سن کر شہزادی بدور نے اپنا سر جھکا لیا اور شرم کے مارے اس کی پیشانی پسینے ہو گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اب کیا کرنا چاہیے کیونکہ میں تو عورت ہوں اور اگر میں نے اس کا کہنا نہ مانا اور یہاں سے چل دی تو میری خیر نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ فوج بھیج کر مجھے قتل کرادے اور اگر میں اس کی بات مانے لیتی ہوں تو رسوائی ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ میرا محبوب قمرالزمان غائب ہے اور مجھے اس کا کچھ حال معلوم نہیں۔ لیکن میری نجات اسی میں ہے کہ میں خاموش رہوں اور راضی ہو جاؤں اور بادشاہ کے پاس رہوں جب تک کہ خدا کوئی تدبیر نہ نکالے یہ کہہ کر شہزادی نے سر اٹھایا اور کہا کہ تیرا حکم میرے سر آنکھوں پر۔ یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور منادی کرا دی کہ جزائر آبنوس آراستہ کئے جائیں اور ان میں خوشیاں منائیں جائیں۔ پھر اس نے حاجبوں اور والیوں اور امیروں اور وزیروں اور رؤسا اور شہر کے قاضیوں کو بلایا اور اس کے سامنے خود حکومت سبکدوش ہوا اور شہزادی بدور کو بادشاہ بنا دیا اور اسے شاہی لباس پہنایا اور تمام امراء شہزادی بدور کے پاس حاضر ہوئے اور ان کو یہ بالکل شبہ نہ ہوا کہ وہ نوجوان مرد نہیں ہے' جو اس کو دیکھتا اس کے حسن و جمال سے دنگ رہ جاتا۔

اب شہزادی بدور بادشاہ ہو گئی اور خوشی کے نقارے بجنے لگے اور وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی تو بادشاہ ارمانوس نے اپنی بیٹی حیات النفوس کی شادی کی تیاری شروع کر دی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد شہزادی بدور' حیات االنفوس کے سامنے پیش کی گئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ہی ساتھ دو چاند نکلے ہیں یا ایک ہی جگہ دو سورج جمع ہیں۔

براتیوں نے ان دونوں کے لیے شمعیں جلا کر فرش بچھا کر دروازے بند کر دیئے اور اوپر پردے گرا دیئے۔ اب شہزادی بدور' شہزادی حیات النفوس کے پاس آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اسے اپنے محبوب قمرالزمان کی یاد آنے لگی اور اس کا رنج و الم بڑھ گیا اور وہ اس کے فراق میں جدائی میں رونے لگی۔ اس کے بعد وہ آ کر شہزادی حیات النفوس کے پاس بیٹھی اور اس کے منہ پر بوسہ دیا اور فوراً اٹھ کر وضو کیا اور اتنی دیر تک نماز

پڑھتی رہی کہ شہزادی حیات النفوس سو گئی۔ اب شہزادی بدور اس کے بچھونے میں آ گئی اور صبح تک اس کی طرف پیٹھ کئے پڑی رہی۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹی کے پاس گیا اور دونوں نے اس کی مزاج پرسی کی اور اس نے جو کچھ دیکھا' انہیں کہہ سنایا۔

یہ تو حیات النفوس اور اس کے والدین کا ماجرا ہوا۔ ادھر شہزادی بدور باہر آ کر حکومت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئی اور امیروں اور رئیسوں نے آ کر اسے بادشاہ بننے پر مبارک باد دی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کے لیے دعا مانگی اور وہ مسکرا کر ان سے مخاطب ہوئی اور انہیں خلعت عطا کئے اور امیروں اور رئیسوں کے ساتھ انعام و اکرام کیا اور ان کے ہمراہیوں اور لشکریوں کو بخششیں دیں۔ اس وجہ سے وہ سب اس سے محبت کرنے لگے اور سب نے یہ دعا کی کہ اس کی حکومت ہمیشہ قائم رہے۔ سب لوگوں کا یہی خیال تھا کہ وہ مرد ہے۔ اس نے احکام اور نواہی صادر کرنے شروع کر دیئے اور قیدیوں کو آزاد کیا اور چنگی معاف کر دی' اور وہ اسی طرح رات تک دربار میں بیٹھی رہی........ اس کے بعد وہ اس مکان میں گئی جو اس کے لیے سجایا گیا تھا اور دیکھا کہ حیات النفوس وہاں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کی پیٹھ ٹھوکی اور میٹھی میٹھی باتیں کیں اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد شہزادی بدور اٹھی اور اپنے آنسو پونچھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے لگی اور اتنی دیر تک پڑھی کہ حیات النفوس پر نیند غالب آئی اور وہ سو گئی۔ اب شہزادی بدور آ کر اس کے پہلو میں لیٹ گئی۔ جب سویرا ہوا تو اٹھی اور فجر کی نماز پڑھ کر حکومت کی کرسی پر بیٹھی اور احکام و نواہی جاری کئے اور تدبیریں کیں اور فیصلے کئے۔ ایک طرف تو یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف بادشاہ ارمانوس اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اس کا مزاج پوچھا۔ بیٹی نے سارا ماجرا ہو بہو بیان کر دیا اور کہنے لگی کہ ابا جان' اپنے شوہر سے زیادہ عقل مند اور شرمیلا میں نے کسی کو نہیں دیکھا مگر ہمیشہ روتا اور آہیں بھرتا رہتا ہے۔ باپ نے کہا کہ بیٹی ذرا اور صبر کر' آج تیسری رات ہے اگر آج بھی ہم بستر نہ ہوا تو اس

کی تدبیر میں نے سوچ رکھی ہے میں اسے بادشاہت سے معزول کر کے اپنے ملک سے نکال دوں گا۔ اس پر وہ دونوں راضی ہو گئے اور بادشاہ نے یہ بھید کسی اور سے نہ کہا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو دسویں رات

جب دو سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- بادشاہ ارمانوس نے اپنی بیٹی سے اس رائے پر اتفاق کر کے اسے اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ جب رات ہوئی تو شہزادی بدور حکومت کے تخت پر سے اٹھ کر محل میں داخل ہوئی اور اس مکان میں پہنچی' جو اس کے لیے سجایا گیا تھا اور دیکھا کہ شمع جل رہی ہے اور شہزادی حیات النفوس بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر اسے اپنے شوہر کی یاد آ گئی اور اس جدائی کی جو اتنی تھوڑی مدت کے اندر پیش آئی تھی اور وہ رونے اور آہیں بھرنے اور سسکیاں لینے لگی۔ اب وہ نماز کے لیے اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ حیات النفوس نے اس کا دامن پکڑ لیا اور اس سے لپٹ گئی اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا' کیا تجھے میرے باپ کے آگے شرم نہیں آتی کیونکہ اس نے تیرے اوپر احسانات کئے ہیں اور تو اس وقت تک مجھ سے الگ تھلگ رہا ہے۔ یہ سن کر وہ پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی کہ پیاری' تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہی جو میں کہہ رہی ہوں' یعنی میں نے کسی کو اپنے اوپر اتنا نازاں نہیں دیکھا جتنا کہ تو ہے۔ کیا تمام حسین اپنے اوپر اسی طرح نازاں ہوتے ہیں؟ یہ باتیں اس لیے نہیں کہتی کہ تو میری طرف مائل ہو بلکہ اس لیے کہ کہیں بادشاہ ارمانوس سے تجھے تکلیف نہ پہنچے۔ وہ اپنے دل میں یہ سوچ رہا ہے کہ اگر آج رات بھی تو میرے ساتھ ہم بستر نہ ہوا تو وہ کل صبح تجھے بادشاہت سے معزول کر کے اپنے ملک سے نکال دے گا اور اگر کہیں اسے اور زیادہ غصہ آیا تو تعجب نہیں کہ وہ تجھے مار بھی ڈالے۔ اے میرے آقا' مجھے تجھ پر ترس آتا ہے اس لیے میں تجھے یہ نصیحت کرتی ہوں۔ اب جو تیری مرضی ہو کر۔ شہزادی بدور نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اس نے سر نیچا کر لیا اور حیران تھی کہ کیا کرے اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ اگر میں بادشاہ کی مخالفت کرتی ہوں تو ماری جاؤں گی

اور اگر اس کا کہنا کرتی ہوں تو رسوائی ہو گی۔ اس وقت میں سارے جزائر آبنوس کی ملکہ ہوں اور وہ تمام میرے حکم کے ماتحت ہیں' اور قمرالزمان سے ملنے کی جگہ بھی یہی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے ملک کو جانے کی راہ فقط یہی ہے۔ میں پریشان ہوں کہ اپنے بارے میں کیا کروں لہٰذا میں اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرتی ہوں' وہی بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ میں مرد تو نہیں ہوں کہ اس لڑکی کا کنوارا پن توڑوں۔ اس کے بعد وہ حیات النفوس سے کہنے لگی کہ پیاری' میں باوجود اپنی خواہش کے تجھ سے الگ رہنے پر مجبور ہوں' پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک اپنی سرگزشت بیان کر دی اور اپنا بدن کھول کر اسے دکھا دیا اور اس سے کہنے لگی کہ خدا کے لیے میری پردہ پوشی کر اور میرا راز فاش نہ کر یہاں تک کہ میرا محبوب قمرالزمان میرے پاس پہنچ جائے۔ اس کے بعد جو کچھ ہونا ہو گا وہ ہو گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو گیارہویں رات

جب دو سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب شہزادی بدور نے اپنا سارا قصہ حیات النفوس سے بیان کر دیا اور اسے راز پوشیدہ رکھنے کی اس سے درخواست کی تو حیات النفوس کو سخت تعجب ہوا اور اسے اس پر ترس آ گیا اور اس نے دعا کی کہ خدا اس کے محبوب قمرالزمان کو اس سے ملائے اور اس سے کہا کہ بہن' ڈر مت اور نہ پریشان ہو بلکہ صبر کر یہاں تک کہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو وہ کرنے والا ہے۔ اے بہن' شریفوں کے سینے بھیدوں کی قبر ہوتے ہیں' میں راز ہرگز فاش نہ کروں گی۔ اب دونوں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق اور بوس و کنار کرنے لگیں اور اذان کے وقت تک سوتی رہیں۔ اس کے بعد حیات النفوس اٹھی اور ایک کبوتر کا بچہ ذبح کیا اور اپنی قمیص کو اس کے خون میں تر کیا۔ ماں نے آ کر اس کا حال دریافت کیا اور اس کی خدمت کرنے لگی اور شام تک اس کے ساتھ رہی لیکن شہزادی بدور سویرا ہوتے ہی اٹھ کر حمام گئی اور نہائی اور فجر کی نماز پڑھ کر دربار گئی اور حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر فیصلے کئے۔ بادشاہ ارمانوس بھی مارے خوشی کے باغ باغ ہو گیا اور لوگوں کو ایک عالی شان ولیمہ دیا' اور یہ حالت ایک مدت تک رہی۔

یہ تو ان دونوں کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ شہرمان کا حال سنئے۔ جب اس کا بیٹا اور مرزبان سیر و شکار کے لیے روانہ ہو گئے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو اس نے رات تک انتظار کیا اور جب اس کا بیٹا نہ آیا تو اسے رات بھر نیند نہ آئی اور رات کٹنے نہ آتی تھی اور وہ سخت پریشان تھا اور اس کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ جب سویرا ہوا تو اسے یقین نہ آتا تھا کہ سویرا ہو گیا ہے اور اس نے دوپہر تک انتظار کیا مگر پھر بھی وہ نہ آیا اور اسے جدائی کی تکلیف ہونے لگی اور وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے بے

چین ہونے لگا اور اس نے کہا کہ ہائے بیٹا! اور اتنا رویا کہ اس کے کپڑے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے آنسو پونچھے اور لشکر کو لمبے سفر کے لیے کوچ کا حکم دیا۔ سارا لشکر سوار ہو گیا اور بادشاہ انہیں لے کر چل کھڑا ہوا اور اس کا دل بے چین اور اندوہ گیں تھا۔ بادشاہ نے اپنے لشکر کو چھ حصوں میں تقسیم کر کے انہیں داہنے بائیں اور آگے پیچھے روانہ کیا اور کہا کہ ہم سب کل چوراہے پر ملیں گے۔ ان پر لشکر علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں ہو کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوا اور دن بھر کوچ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھا گیا مگر وہ برابر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ رات ختم ہو گئی اور دوسرے دن کی دوپہر ہو گئی اور وہ چوراہے پر پہنچ گئے اور یہ سوچنے لگے کہ وہ کس راستے سے گیا ہو گا کہ اتنے میں ان کی نظر قمیص کے چیتھڑوں اور گوشت کے ٹکڑے بوٹیوں پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ خون کے نشان اب تک باقی ہیں اور کپڑوں کی دھجیاں اور گوشت ادھر ادھر پڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ شہرمان بڑے زور سے چیخ اٹھا کہ ہائے بیٹا' اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگا اور داڑھی نوچ ڈالی اور کپڑے پھاڑ ڈالے اور اسے بیٹے کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ اور زیادہ رونے پیٹنے لگا اور اس کے رونے کی وجہ سے سارا لشکر رونے لگا اور سب کو یقین آ گیا کہ قمرالزمان ہلاک ہو گیا ہے اور وہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے اور رات ہونے تک وہ اتنا روتے رہے کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے اور گرم آہوں کی وجہ سے بادشاہ کے دل میں آگ لگ گئی اور وہ فوج کو لے کر اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو بارہویں رات

جب دو سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب بادشاہ شہرمان کو اپنے بیٹے کے مرنے کا یقین ہو گیا تو وہ اپنی فوج کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا اور اسے یہ گمان ہوا کہ یا تو اس کے بیٹے کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہے یا ڈاکوؤں نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد اس نے یہ منادی کرا دی کہ اس کے بیٹے قمرالزمان کے سوگ میں سارے جزائر خالدان والے کالے کپڑے پہنیں اور اس نے بیٹے کے لیے ایک مقبرہ بنوایا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا۔ ہر جمعرات اور پیر کو بادشاہ اپنی رعیت اور لشکر کے کاروبار دیکھتا اور ہفتے کے باقی دنوں میں وہ بیت الاحزان جا کر بیٹے کی موت پر روتا پیٹتا اور اس کے مرثیے میں اشعار پڑھتا۔

یہ تو بادشاہ شہرمان کا ماجرا ہوا۔ اب بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا حال سنئے۔ اس وقت وہ جزائر آبنوس کی ملکہ تھی اور لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کر کے کہتے کہ یہ بادشاہ ارمانوس کا داماد ہے اور وہ ہر رات شہزادی حیات النفوس کے ساتھ سوتی اور اس سے اپنے شوہر قمرالزمان کی جدائی کی شکایت کرتی اور روتی اور حیات النفوس کے حسن و جمال کی تعریف کرتی اور کہتی کہ کاش کہ خواب ہی میں اس سے وصال ہو جائے!

یہ شہزادی بدور کا حال تھا۔ اب قمرالزمان کا قصہ سنئے۔ وہ ایک مدت تک اس باغبان کے ساتھ رہا مگر دن رات روتا اور اشعار پڑھتا رہتا اور خوشی کے دن اور مرادوں کی راتیں یاد کر کر کے افسوس کرتا۔ باغبان اس سے کہتا رہتا کہ سال کے آخر میں وہ جہاز مسلمانوں کے ملک کی طرف جائے گا۔ قمرالزمان کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ اس نے دیکھا کہ ایک دن بہت سے لوگ جمع ہیں اور اسے اس پر بہت تعجب ہوا۔ اتنے میں باغبان نے اس کے پاس آ کر کہا کہ بیٹا! آج کام بند رکھو اور درختوں کو مت سینچ کیونکہ آج عید کا دن ہے اور لوگ ایک دوسرے سے عید ملنے جاتے ہیں لہٰذا تو

بھی آرام کر لیکن باغ کا خیال رکھیو کیونکہ میں تیرے لیے جہاز کی تلاش میں جاتا ہوں اور کچھ ہی دنوں کے بعد تجھے مسلمانوں کے ملک روانہ کر دوں گا۔ یہ کہہ کر باغبان باغ سے چلا گیا اور قمرالزمان اکیلا رہ گیا اور اپنے حال پر غور کرنے لگا اور اس کا دل ٹوٹ گیا اور آنسو بہنے لگے اور وہ اتنا رویا کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ باغ میں ٹہلنے لگا اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ زمانے نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور دوری اور جدائی سے اس پر کیا گزری' اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا اور اس کا دل و دماغ پریشان تھا کہ اتنے میں اسے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑا اور اس کا ماتھا درخت کی کھونٹ پر آ کر لگا اور وہ زخمی ہو گیا اور اس میں سے خون بہہ بہہ کر آنسوؤں میں مل گیا۔ اب اس نے خون اور آنسو پونچھے اور چیتھڑے سے اپنا ماتھا باندھ لیا اور پھر چلنے لگا' مگر تفکرات میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کی عقل کام نہ کرتی تھی کہ اس کی نظر ایک درخت پر پڑی جہاں دو چڑیاں لڑ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر دوسری کی گردن پر اس زور سے چونچ ماری کہ وہ بدن سے الگ ہو گئی اور وہ اس کا سر لے کر اڑ گئی اور وہ مردہ چڑیا قمرالزمان کے سامنے زمین پر گر پڑی۔ اتنے میں دو بڑی چڑیاں اڑتی ہوئی اس کے پاس آئیں' ایک اس کے سر کے پاس اور دوسری دم کے پاس بیٹھ گئی اور دونوں نے اپنے بازو اور چونچیں اس کے اوپر پھیلا دیں اور اپنی گردنوں کو اس کی طرف بڑھا کر رونے لگیں۔ جب قمرالزمان نے دونوں چڑیوں کو اپنی دوست کے اوپر روتے دیکھا تو وہ اپنی بیوی کے فراق اور اپنے باپ کی یاد میں رونے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## دو سو تیرہویں رات

جب دو سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ دونوں چڑیوں کو اپنی دوست چڑیا پر روتا دیکھ کر قمرالزمان اپنی بیوی اور باپ کے فراق میں رونے لگا۔ اب اس نے دیکھا کہ دونوں چڑیوں نے ایک گڑھا کھود کر مقتول چڑیا کو اس میں دفن کر دیا اور ہوا میں اڑ کر غائب ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ قاتل چڑیا کو لے کر پھر وہیں پہنچیں اور مقتول چڑیا کی قبر پر اسے بٹھا کر قتل کر دیا اور پیٹ پھاڑ کر اس کی آنتیں نکال ڈالیں اور مقتول کی قبر پر اس کا لہو بہایا اس کے بعد انھوں نے اس کا گوشت نوچ ڈالا اور اس کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اس کے پیٹ سے ساری چیزیں نکال کر ادھر ادھر پھینک دیں۔ قمرالزمان یہ تمام باتیں دیکھ رہا تھا اور تعجب کر رہا تھا کہ اتنے میں اس کی نظر اس جگہ جا پڑی جہاں انھوں نے اس چڑیا کو قتل کیا تھا اور دیکھا کہ وہاں کوئی چیز چمک رہی ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ چڑیا کا پوٹا ہے اور اسے اٹھا کر کھولا تو اس کے اندر وہی نگ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے جدا ہوا تھا جب اس نے اسے غور سے دیکھا اور پہچانا تو وہ مارے خوشی کے غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا یہ بھلائی کی علامت ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں اپنی محبوبہ سے پھر ملوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اس پر دوبارہ غور کرنا شروع کیا اور اسے اپنی آنکھوں پر پھیر کر اپنے بازو میں باندھ لیا اور اس خوش بختی پر خوش ہو گیا اور پھر ٹہلنے لگا اور رات بھر باغبان کا انتظار کیا لیکن وہ نہ آیا اور قمرالزمان اپنی جگہ پر جا کر سو گیا۔ صبح کو وہ اپنے کام پر چل کھڑا ہوا اور اپنی کمر سے کھجور کے ریشوں کی ایک رسی باندھی اور کلہاڑی اور ٹوکا لے کر باغ میں چل دیا اور چلتے چلتے وہ ایک خرنوب (عناب کی قسم کا ایک عمدہ میوہ) کے درخت کے پاس پہنچا اور کلہاڑی

سے اس کی جڑ کاٹنے لگا۔ لیکن ہر کلہاڑی کی مار پر اسے جھنکار کی آواز آتی تھی۔ اس لیے اس نے وہاں سے مٹی ہٹائی اور اسے ایک کڑاہی سے دکھائی دی اور اس نے اسے اٹھایا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چودھویں رات

جب دو سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب قمرالزمان نے کڑاہی اٹھائی تو اسے ایک دروازہ اور ایک سیڑھی دکھائی دی اور وہ نیچے اترا تو اسے عاد اور ثمود کے وقت کی ایک کوٹھڑی نظر آئی۔ کوٹھڑی پتھر میں کھدی ہوئی تھی اور اس میں اونچے اونچے کونڈے رکھے ہوئے تھے جو سرخ چمکدار سونے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میری تکالیف کا خاتمہ ہو گیا اور خوشی و مسرت کے دن آ گئے۔ یہ کہہ کر وہ اس جگہ سے نکلا اور باہر باغ میں آ گیا اور کڑاہی کو اسی جگہ رکھ دیا' جہاں وہ تھی اور باغ میں درختوں کو پانی دینے لگا۔ جب دن ڈھل گیا تو باغبان آیا اور وہ اس سے کہنے لگا کہ بیٹا خوش ہو' اب تو اپنے وطن جانے والا ہے' سوداگر سفر کی تیاری کر رہے ہیں اور جہاز تین دن کے بعد مدینتہ الابنوس روانہ ہو جائے گا جو مسلمانوں کے شہروں میں سے پہلا شہر ہے۔ وہاں سے تو چھ مہینے خشکی کا سفر کرنے کے بعد جزائر خالدان پہنچے گا جہاں بادشاہ شہرمان ہے۔ قمرالزمان نے باغبان کے ہاتھ چومے اور اس سے کہا کہ اے میرے باپ' جس طرح تو نے مجھے خوش خبری دی ہے' میں بھی تجھے ایک بڑی خوش خبری دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے باغبان سے اس کوٹھڑی کا سارا قصہ بیان کیا۔ باغبان نے خوش ہو کر کہا کہ بیٹا' میں اس باغ میں اسی سال سے ہوں اور مجھے کوئی چیز نہ ملی اور تجھے ابھی میرے پاس ایک سال بھی نہیں ہوا اور تجھے یہ چیز مل گئی۔ یہ تیری روزی ہے اور اس سے تیری بدبختی دور ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے تو اپنے اہل و عیال تک پہنچ جائے گا اور اپنے پیاروں سے پھر مل سکے گا۔ قمرالزمان نے کہا کہ یہ ضرور بانٹا جائے گا۔ آدھا تیرا اور آدھا میرا۔ یہ کہہ کر وہ باغبان کو اس جگہ لے گیا اور اسے وہ سونا دکھایا جو بیس کونڈوں میں بھرا ہوا تھا۔ ان میں سے دس کونڈے اس نے لے لیے اور دس باغبان نے اور

اس نے کہا کہ بیٹا' عصافیری زیتون جو اس باغ میں ہیں انہیں مشکوں سے بھر لے کیونکہ وہ دوسرے کسی ملک میں نہیں ہوتے اور سوداگر انہیں یہاں سے تمام ملکوں میں لے

جاتے ہیں اور سونے اور زیتون کو خلط ملط کر دے۔ اس طرح سے کہ پہلے سونے کو مشکوں میں بھر اور پھر اوپر سے زیتون ڈال دے اور انہیں بند کر کے اپنے ساتھ جہاز میں لے جا۔ یہ سن کر قمرالزمان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور پچاس مشکیں لے کر ان میں سونا بھر دیا اور سونے کے اوپر زیتون بھر کر خلط ملط کر دیا اور ایک مشک میں وہ نگ رکھ کر سب کا منہ بند کر دیا اور وہ اور باغبان دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ عنقریب اپنے اہل و عیال سے جا ملے گا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جزیرہ آبنوس پہنچ کر وہاں سے میں اپنے وطن کو جاؤں گا اور اپنی محبوبہ بدور کی خبر دریافت کروں گا۔ معلوم نہیں کہ وہ اپنے ملک کو گئی ہو گی یا میرے وطن کو یا راستے میں اس پر کوئی حادثہ گزرا ہو گا۔ اب قمرالزمان روانگی کے دن گننے لگا اور باغبان سے ان چڑیوں کا قصہ بیان کیا جو کچھ ان کے درمیان پیش آیا تھا۔ باغبان کو اس پر سخت تعجب ہوا اور وہ دونوں صبح تک سوتے رہے۔ جب باغبان صبح کے وقت جاگا تو اس کی طبعیت اتنی خراب ہوئی کہ اس کے جینے کی امید نہ رہی۔ اس پر قمرالزمان نہایت غمگین تھا کہ اتنے میں ناخدا اور ملاح پہنچے اور باغبان کو دریافت کیا۔ قمرالزمان نے کہا کہ وہ بیمار ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ جوان کہاں ہے جو ہمارے ساتھ جزائر آبنوس جانا چاہتا ہے؟ قمرالزمان نے کہا کہ وہ یہی غلام ہے جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے ان سے کہا مشکیں جہاز میں لے چلو اور وہ لے گئے اور قمرالزمان سے کہا کہ جلدی کر کیونکہ ہوا موافق ہے۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم۔ اس کے بعد وہ کھانے پینے کا سامان جہاز میں لے گیا اور باغبان سے رخصت ہونے کے لیے واپس آیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہ نزع کی حالت میں ہے اور وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کی آنکھیں بند کر دیں کیونکہ اس کی روح بدن سے نکل چکی تھی۔ اس کی تجہیز و تکفین کر کے اس نے اسے دفن کیا' رحم ہو خدا کا اس پر! اس کے بعد وہ جہاز

کی طرف روانہ ہوا۔ مگر وہ لنگر اٹھا چکا تھا اور چل دیا تھا' اور چلتے چلتے اس کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر قمرالزمان حیران پریشان ہو گیا نہ کسی سے کچھ پوچھ سکتا تھا اور نہ کسی کی بات کا جواب دے سکتا تھا۔ بالاخر وہ باغ کو واپس گیا اور غمزدگی کی حالت میں اپنے سر پر خاک ڈالنے اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو پندرہویں رات

جب دو سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ جب جہاز روانہ ہو چکا تو قمرالزمان باغ کو واپس گیا اور غمگین ہو کر بیٹھ گیا اور باغ کو اس کے مالک سے کرائے پر لے لیا اور پیڑوں میں پانی دینے کے لیے ایک شخص اپنے نیچے کام کرنے کے لیے نوکر رکھا اور کڑاہی کے پاس جا کر اس کوٹھڑی میں اترا اور باقی سونے کو پچاس مشکوں میں بند کر کے ان کے اوپر زیتون ڈال دیئے۔ اب اس نے جہاز کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے کہا کہ وہ سال میں ایک ہی بار روانہ ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ اور ابھی پریشان ہوا اور افسوس کرنے لگا۔ خاص کر شہزادی بدور کے نگ کے کھو جانے سے بے چین تھا اور دن رات رویا کرتا اور اشعار پڑھا کرتا تھا۔

یہ تو قمرالزمان کا قصہ ہوا۔ اب جہاز کا ماجرا سنئے۔ ہوا موافق تھی اور وہ جزیرہ آبنوس پہنچ گیا۔ اتفاق سے شہزادی بدور سمندر والے جھروکے میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس نے جہاز کو سمندر کے کنارے لنگر ڈالتے دیکھا اور اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ سوار ہو گئی اور امیروں اور حاجبوں ار ارکین کو لے کر ساحل پر آئی اور جہاز کے پاس ٹھہر گئی اور دیکھا کہ سامان مخزنوں میں منتقل ہو رہا ہے اس نے ناخدا کو بلا کر پوچھا کہ وہ کیا سامان لایا ہے؟ اس نے کہا کہ اے بادشاہ' میرے ساتھ اس جہاز میں جڑی بوٹیاں اور دوسرے سفوف اور روغن اور مرہم اور دیگر قیمتی چیزیں اور عمدہ سوداگری کا مال اور زرق برق کپڑے اور یمنی شالیں اس قدر ہیں کہ اونٹ اور خچر اٹھا نہیں سکتے اور طرح طرح کے عطر اور مسالے اور قاقلی' عود اور املیاں اور عطا فیری زیتون جو ان ممالک میں بالکل ناپید ہیں۔ جب ملکہ بدور نے عطا فیری زیتونوں کا نام سنا تو اس کا جی للچانے لگا اور اس نے ناخدا سے پوچھا کہ تیرے ساتھ کس قدر زیتون ہیں؟ اس نے کہا کہ پچاس مشکیں بھری ہوئی ہیں لیکن ان کا مالک یہاں موجود نہیں۔ بادشاہ کو جتنے چاہیں

لے لے۔ اس نے کہا کہ انہیں اتار دے تاکہ میں دیکھوں۔ ناخدا نے ملاحوں کو آواز دی اور انہوں نے کل پچاس مشکیں اتاریں۔ اس نے ایک مشک کھول کر زیتونوں کو دیکھا اور کہا کہ میں ان پچاس مشکوں کو خریدتا ہوں اور جو کچھ ان کی قیمت ہے تم کو دوں گا۔ ناخدا نے کہا کہ یہ چیزیں ہمارے ملک میں بڑی قیمتی ہیں۔ علاوہ بریں ان کا مالک پیچھے چھوٹ گیا ہے اور وہ ایک غریب آدمی ہے۔ ملکہ نے کہا کہ یہاں ان کے کیا دام ہیں؟ اس نے کہا کہ ایک ہزار درہم۔ اس نے کہا کہ میں انہی ایک ہزار درہم میں خریدتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ انہیں محل میں منتقل کر دیا جائے۔ جب رات ہوئی تو اس نے ان میں سے ایک مشک منگوا کر کھولی۔ اس وقت وہاں سوائے اس کے اور حیات النفوس کے اور کوئی نہ تھا۔ اس نے اپنے آگے ایک سینی رکھ کر اس میں مشک انڈیل دی تو اس میں سے ایک ڈھیر خالص سونے کا نکل پڑا اور اس نے حیات النفوس سے کہا کہ ارے یہ تو سونا ہے۔ اب اس نے باقی مشکیں بھی منگوائیں اور انہیں غور سے دیکھا تو سب میں سونا تھا اور کل زیتون محض اس قدر تھا کہ اس میں سے ایک مشک بھی نہ بھرتی۔ جب وہ سونے کو الٹنے پلٹنے لگی تو اسے وہ نگ ملا۔ اسے لے کر وہ غور سے دیکھنے لگی تو وہ وہی نگ تھا جو اس کے ازار بند میں بندھا ہوا تھا اور جسے قمرالزمان لے گیا تھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ وہی نگ ہے تو وہ مارے خوشی کے چیخ اٹھی اور غش کھا کر گر پڑی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو سولھویں رات

جب دو سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ ملکہ بدور اس نگ کو دیکھ کر مارے خوشی کے چیخ اٹھی اور غش کھا کر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ یہ وہی نگ ہے جس کی وجہ سے مجھ میں اور میرے محبوب قمرالزمان میں جدائی ہوئی ہے لیکن اب یہ خوش خبری لایا ہے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی حیات النفوس سے کہا کہ اس نگ کے آنے کے یہ معنی ہیں کہ اب وصال کے دن قریب ہیں۔ جب دوسرا دن نکلا تو وہ حکومت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئی اور ناخدا کو بلوایا۔ اس نے آ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور وہ کہنے لگی کہ تو نے ان زیتونوں کے مالک کو کہاں چھوڑا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ' مجوسیوں کے ملک میں' اور وہ ایک باغ کا باغبان ہے۔ ملکہ نے کہا کہ اگر تو اسے نہ لایا تو جان لے کہ تیری اور تیرے جہاز کی خیر نہیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ سوداگروں کے مخزنوں کو بند کر کے ان پر مہر لگا دی جائے اور ان سے کہا کہ ان زیتونوں کا مالک میرا قرض دار ہے اور میرا اس پر قرضہ ہے۔ اگر تم نے اسے لا کر یہاں حاضر نہ کیا تو میں تم سب کو قتل کر دوں گا اور تمہارا سوداگری کا مال ضبط کر لوں گا۔ اب انہوں نے ناخدا سے کہا کہ ہم جہاز کا کرایہ دیں گے اور تو پھر اس جہاز کو لے چل۔ خدا کے لیے' اس ظالم جابر سے ہمیں نجات دلا۔ ناخدا جہاز پر سوار ہو گیا اور بادبان کھول دیئے۔ خدا نے ان کی قسمت میں سلامتی لکھی تھی اور وہ جزیرے پر پہنچ گئے۔ یہ رات کا وقت تھا اور ناخدا اسی وقت باغ میں گیا۔ قمرالزمان پر رات کٹنے نہ آتی تھی اور وہ اپنی محبوبہ کو یاد کر کے گزشتہ واقعات پر رو رہا تھا۔ ناخدا نے دروازہ کھٹکھٹایا اور قمرالزمان اسے کھول کر باہر آیا اور ملاح اسے پکڑ کر جہاز میں لے گئے اور بادبان کھول دیئے اور چل پڑے اور دن رات چلتے رہے مگر قمرالزمان کو اس

کی وجہ کچھ نہ معلوم ہوئی۔ جب اس نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اے منحوس' تو بادشاہ ارمانوس کے داماد و جزائر آبنوس کے بادشاہ کا قرض دار ہے۔ اس نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے کہ میں عمر بھر بھی اس کے ملک میں نہیں گیا اور نہ میں اسے جانتا ہوں۔ چلتے چلتے وہ لوگ جزیرہ آبنوس پہنچے اور قمرالزمان کو شہزادی بدور کے پاس لے گئے۔

جب شہزادی کی نظر اس پر پڑی تو اس نے فوراً اسے پہچان لیا اور کہنے لگی کہ اسے نوکروں کے حوالے کر دو تاکہ وہ اسے حمام میں لے جائیں' اور اس نے سوداگروں کا مال چھوڑ دیا اور ناخدا کو ایک خلعت دیا جس کی قیمت دس ہزار دینار تھی۔ اسی رات اس نے محل میں جا کر حیات النفوس کو خبر کی اور کہنے لگی کہ اس خبر کو ابھی پوشیدہ رکھیو جب تک کہ میری مراد پوری نہ ہو جائے اور میں ایسا کام نہ کر لوں جو کتابوں میں لکھا جائے اور جسے ہمارے بعد بھی بادشاہوں اور عوام الناس کو پڑھ کر سنایا جائے۔ اس کے حکم کے بموجب لوگ قمرالزمان کو حمام میں لے گئے اور اسے شاہانہ لباس پہنایا۔

جب وہ حمام سے نکلا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بید کی چھڑی ہے یا ایسا ستارہ جس کے آگے چاند اور سورج ماند ہیں اور اس کی جان میں جان آ گئی۔ اس کے بعد وہ شہزادی کے پاس محل میں گیا۔ جب اس نے قمرالزمان کو دیکھا تو اس نے اپنے دل پر صبر کیا تاکہ پہلے اس کا مقصد پورا ہو جائے اور اسے بہت سے غلام اور نوکر چاکر اور اونٹ اور خچر دیئے اور پورا خزانے کا خزانہ مال و دولت کا دیا اور اسے آئے دن ترقی دیتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے خزانچی بنا دیا اور سارے خزانے اس کے سپرد کر دیئے اور اس پر عنایت کی نظر رکھی اور اس پر اعتماد کیا اور امراء کو مطلع کیا کہ اس کا کیا درجہ ہے اور سب لوگوں کو اس سے محبت ہو گئی۔ الغرض ملکہ بدور ہر روز اس کا درجہ بڑھاتی اور قمرالزمان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ وہ اس کی اس قدر تعظیم کیوں کر رہی ہے۔ چونکہ اسے مالا مال کر دیا گیا تھا اس لیے وہ لوگوں پر بخششیں کرتا اور ان کے مرتبے بڑھاتا اور بادشاہ ارمانوس کی خدمت میں حاضر ہوتا یہاں تک کہ بادشاہ

بھی اسے بہت عزیز رکھنے لگا۔ اسی طرح امراء اور تمام خاص و عام لوگ اس سے محبت کرتے اور اس کی جان کی قسم کھاتے۔ ادھر یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر قمرالزمان

حیران تھا کہ ملکہ بدور اس کی اتنی تعظیم کیوں کر رہی ہے اور وہ اپنے دل میں کہتا کہ ہو نہ ہو اس محبت میں کوئی بھید ضرور ہے اور غالباً وہ کسی برے ارادے سے میری اس قدر تعظیم کرتا ہے' بہتر یہ ہے کہ میں اس سے اجازت لے کر اس کے ملک سے چلا جاؤں۔ اب اس نے ایک روز ملکہ بدور سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے بادشاہ' تو نے میرے ساتھ بہت احسان کئے ہیں' اب ان کو تکمیل تک پہنچا دے اور مجھے سفر کی اجازت دے دے اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے مجھ سے لے لے۔

یہ سن کر ملکہ بدور نے مسکرا کر کہا کہ آخر تو نے سفر کرنے اور مصیبتیں مول لینے کا ارادہ کیوں کیا؟ حالانکہ تجھ پر اتنا انعام و اکرام ہو رہا ہے۔ قمرالزمان نے کہا کہ اے بادشاہ اگر اس انعام و اکرام کا کوئی سبب نہیں تو یہ ایک اعجوبہ بات ہے خصوصاً اس لیے کہ تو نے مجھے وہ مرتبے دیئے ہیں جو بوڑھوں کے قابل ہیں حالانکہ میں ابھی بچہ ہوں۔ ملکہ بدور نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ تیرے حسن و جمال کی وجہ سے تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ اگر تو میری خواہش پوری کر دے تو میں تجھ پر اس سے زیادہ انعام و اکرام اور بخششیں کروں گا اور باوجود تیری کم سنی کے تجھے وزیر بنا دوں گا جس طرح لوگوں نے میرے اس سن میں مجھے اپنا بادشاہ بنا دیا ہے اور آج کل بچوں کو سردار بنانے میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ سن کر قمرالزمان شرما گیا اور اس کا چہرہ شعلے کی طرح سرخ ہو گیا اور وہ کہنے لگا کہ مجھے ایسے انعام و اکرام کی ضرورت نہیں۔ میں اسے ترجیح دیتا ہوں کہ غریب رہوں اور انسانیت اور کمال میں امیر بنوں۔ ملکہ بدور نے کہا کہ میں تیری اس پارسائی کے دھوکے میں نہیں آ سکتا جو تیرے ناز اور نخرے کی وجہ سے ہے۔ جب قمرالزمان نے یہ باتیں سنیں تو وہ کہنے لگا کہ اے بادشاہ' مجھ میں ایسے بوجھ کے اٹھانے کی طاقت نہیں جس سے لوگ عاجز ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ لہٰذا میں اس کم سنی میں کس طرح برداشت کر

سکتا ہوں! یہ باتیں سن کر ملکہ بدور مسکرائی اور کہنے لگی کہ یہ تو عجیب و غریب بات ہے! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ٹھیک بات کے اندر سے غلط بات نکلے! اگر تو کم سن ہے تو گناہ سے کیوں ڈرتا ہے؟ تو ابھی بالغ نہیں اور نابالغ پر گناہ کا نہ مواخذہ ہے اور نہ لعنت ملامت۔ تو نے جھگڑا کرنے کے لیے ایک حجت نکالی تھی مگر اسی نے وصال کو ثابت کر دیا۔ اب اس کے بعد انکار اور نفرت کا اظہار نہ کر اور خدا نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ مجھے اس بات کا زیادہ حق ہے کہ گمراہی میں پڑنے سے ڈروں۔

جب قمرالزمان نے یہ باتیں سنیں تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ کہنے لگا کہ اے بادشاہ' تیرے پاس ایسی حسین عورتیں اور کنیزیں ہیں جن کی نظیر دنیا میں نہیں۔ کیا ان کی وجہ سے تو مجھ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ جو تیرا جی چاہیے کر مگر مجھے رہنے دے۔ اس نے جواب دیا کہ تیری باتیں سچ ہیں لیکن جسے تجھ سے محبت ہو گئی ہو اس کے دل کا ارمان اور درد ان سے دور نہیں ہو سکتا۔ جب طبیعت اور مزاج فاسد ہو جاتا ہے تو نہ نصیحت کو سنتا اور نہ اس پر عمل کرتا ہے' لہٰذا یہ بحث مباحثہ چھوڑ دے۔ یہ سن کر قمرالزمان کو یقین ہو گیا کہ اب اس کے ارادے سے کوئی مفر نہیں اور وہ کہنے لگا کہ جہاں پناہ' اگر یہ ہو کر ہی رہے گا تو کم از کم مجھ سے وعدہ کر کہ یہ فعل ایک بار سے زیادہ نہ ہو۔ اگرچہ اس سے فاسد طبیعت کی اصلاح ممکن نہیں' اور اس کے بعد تو مجھ سے پھر کبھی اس کا سوال نہ کرے' شاید خدا میری برائی کی اصلاح کر دے۔ ملکہ نے کہا کہ اچھا میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں اور خدا سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ہم پر پھر مہربان ہو جائے اور اپنے کرم سے ہمارے بڑے گناہ معاف کر دے کیونکہ مغفرت کے آسمانوں کا دائرہ اتنا تنگ نہیں کہ وہ ہمیں گھیر نہ سکے اور ہمارے بڑے سے بڑے گناہ کو دور نہ کر سکے اور ہمیں گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں نہ لے جا سکے۔ اس کے بعد اس نے قمرالزمان کے ساتھ عہد و پیمان کیئے اور واجب الوجود کی قسم کھائی کہ میرے اور تیرے

درمیان یہ فعل ایک بار سے زیادہ نہ ہو گا۔ خواہ تیرے اشتیاق میں مجھے موت اور ذلت کا سامنا ہی کیوں نہ ہو۔ اس شرط پر وہ اٹھ کر اس کے خلوت خانے میں گیا اور وہ کہتا جاتا تھا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم' خدا نے یہی میری قسمت میں لکھا ہے۔ یہ کہہ کر وہ بے حد شرمندہ ہوا اور ڈر کے مارے اس کے آنسو جاری تھے۔

اس پر وہ مسکرائی اور اسے لے کر تخت پر گئی اور کہنے لگی کہ آج رات کے بعد یہ فعل تیرے ساتھ کبھی نہ ہو گا اور اسے بوسے دینے اور گلے سے لگانے لگی اور پنڈلیوں میں پنڈلیاں ڈال دیں۔ اس پر وہ رونے لگا اور اس نے کہا کہ مجھے اس طرح کی باتیں پسند نہیں ملکہ نے کہا کہ تجھے میری جان کی قسم کہ میرا کہنا مان لے' اور اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا مگر دل میں رو رہا تھا اور اس نے دیکھا کہ اس کی ران مکھن سے زیادہ ملائم اور ریشم سے زیادہ نرم ہے۔ اب اسے چھونے میں مزہ آنے لگا اور اس نے اپنا ہاتھ ادھر ادھر دوڑایا تاکہ بڑی برکتوں اور حرکتوں والے گنبد تک پہنچ جائے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ مخنث ہے' نہ مرد ہے اور نہ عورت' اور اس نے کہا کہ اے بادشاہ' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو اس فعل پر کیوں آمادہ ہوا؟

اس پر ملکہ بدور ہنستے ہنستے لوٹ گئی اور کہنے لگی کہ پیارے' تو کتنی جلدی راتوں کو بھول گیا جو ہم نے ایک ساتھ گزاری تھیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور قمرالزمان کو معلوم ہو گیا کہ وہ جزیروں اور سمندروں کے مالک بادشاہ غیور کی بیٹی اس کی بیوی ملکہ بدور ہے اور اس نے اسے گلے لگایا اور اس نے اسے' اور اس نے اسے بوسے دیئے اور اس نے اسے' اور پھر وصال کے بچھونے پر لیٹ گئے۔ اس کے بعد شہزادی بدور نے قمرالزمان سے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا اور اسی طرح اس نے بھی بیان کیا۔ پھر وہ شہزادی پر ناراض ہونے لگا کہ تو نے آج رات یہ حرکت میرے ساتھ کیوں کی؟ اس نے کہا کہ خفا مت ہو کیونکہ اس سے میرا مقصد محض یہ تھا کہ ذرا مذاق رہے اور خوشی میں اضافہ ہو۔ جب دن نکلا

روشنی پھیلی تو ملکہ بدور نے شہزادی حیات النفوس کے باپ بادشاہ ارمانوس کو بلوا کر اپنا سارا قصہ بیان کیا اور یہ کہا کہ وہ قمرالزمان کی بیوی ہے اور دونوں کی سرگزشت بیان کی اور یہ کہ دونوں کس طرح جدا ہوئے۔ پھر یہ بھی کہا کہ تیری بیٹی حیات النفوس ابھی تک باکرہ ہے۔ جب جزائر آبنوس کے مالک بادشاہ ارمانوس نے بادشاہ غیور کی بیٹی شہزادی بدور کا قصہ سنا تو اسے بے حد تعجب ہوا اور اسے حکم دیا کہ اسے سونے کے پانی سے لکھ لیا جائے۔ اب بادشاہ نے قمرالزمان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے بادشاہ زادے، کیا تو میری بیٹی حیات النفوس کے ساتھ شادی کر کے میرا داماد بننا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے میں ملکہ بدور سے مشورہ کر لوں کیونکہ اس کے میرے اوپر بڑے احسانات ہیں۔ جب اس نے ملکہ سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ رائے بہت اچھی ہے۔ تو ضرور اس کے ساتھ نکاح کر لے اور میں اس کی لونڈی بن کر رہوں گی کیونکہ اس نے میرے ساتھ نیکی اور بھلائی اور عنایت کی ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ ہم اس کے ملک میں ہیں اور اس کے باپ نے ہمارے ساتھ احسان پر احسان کئے ہیں۔ جب قمرالزمان نے دیکھا کہ ملکہ بدور راضی ہے اور اسے حیات النفوس سے کوئی رشک نہیں تو وہ اس بات پر اس سے متفق ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سترھویں رات

جب دو سو سترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- قمرالزمان اس بات پر اپنی بیوی ملکہ بدور سے متفق ہو گیا اور جو کچھ ملکہ نے کہا تھا' اس نے بادشاہ ارمانوس سے کہہ دیا کہ وہ اس بات پر راضی ہے اور حیات النفوس کی لونڈی بن کر رہنا چاہتی ہے۔ جب بادشاہ ارمانوس نے قمرالزمان کو یہ کہتے سنا تو وہ مارے خوشی کے باغ باغ ہو گیا اور وہاں سے نکل کر حکومت کی کرسی پر بیٹھا اور تمام وزیروں اور امیروں اور حاجبوں اور سرداروں کو بلا کر قمرالزمان اور اس کی بیوی ملکہ بدور کا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا اور یہ کہ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنی بیٹی حیات النفوس کا نکاح قمرالزمان سے کر دے اور اس کی بیوی شہزادی بدور کی جگہ اسے ان کا بادشاہ بنا دے۔ سب نے جواب دیا کہ چونکہ قمرالزمان ملکہ بدور کا شوہر ہے اور وہ اس سے پہلے ہماری سلطان رہ چکی ہے ہم اس گمان میں تھے کہ وہ ہمارے بادشاہ ارمانوس کی داماد ہے۔ اس لیے ہم سب اس بات پر راضی ہیں کہ وہ ہمارا سلطان بنے۔ ہم اس کے نوکر ہو کر رہیں گے اور اس کے حکم سے باہر نہ جائیں گے۔

یہ سن کر بادشاہ ارمانوس بہت خوش ہوا اور قاضیوں اور گواہوں اور سرداروں کو بلا کر قمرالزمان کا نکاح اپنی بیٹی شہزادی حیات النفوس کے ساتھ پڑھا دیا۔ اس کے بعد اس نے جشن کیے اور بڑی بڑی ولیمے کی دعوتیں دیں اور تمام امراء اور لشکر کے سرداروں کو خلعت عطا کیے اور فقیروں اور مسکینوں کو خیرات دی اور سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ تمام رعایا کو بادشاہ قمرالزمان کے سلطان ہونے پر خوشی ہوئی اور انھوں نے اسے دعا دی کہ اس کی عزت اور اقبال اور سعادت اور جلال ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے۔ جب قمرالزمان وہاں کا بادشاہ ہو گیا تو اس نے وہاں چنگی معاف کر دی اور جو قیدی رہ گئے تھے ان کو بھی آزاد کر دیا اور لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا اور اپنی دونوں بیویوں

کے ساتھ خوشی' خرمی' خوشی وقتی وفاداری اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ ایک ایک رات دونوں کے ساتھ سوتا یہاں تک کہ ایک مدت گزر گئی۔ اور سارے غم غلط

ہو گئے اور اپنے باپ بادشاہ شہرمان کی یاد دل سے بھلا دی اور جس عزت اور بڑائی کے ساتھ وہاں رہتا تھا وہ بھی بھول گیا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں بیویوں سے دو لڑکے پیدا ہوئے جو چمکتے چاندوں کی طرح تھے۔ بڑا لڑکا ملکہ بدور سے تھا اور اس کا نام ملک امجد تھا اور چھوٹا حیات النفوس سے اور اس کا نام ملک اسعد تھا۔ اسعد اپنے بھائی امجد سے زیادہ خوبصورت تھا۔ دونوں کی تربیت شرافت اور ناز و نعم اور ادب اور کمال کے ساتھ ہوئی اور دونوں نے خوش نویسی اور علوم اور سیاست اور شہ سواری میں تعلیم پائی یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گئے اور وہ اتنے حسین و جمیل تھے کہ مرد اور عورت سب ان پر نثار تھے۔

ہوتے ہوتے اب وہ سترہ سال کے ہوئے اور وہ ہمیشہ ساتھ رہتے' ساتھ کھاتے پیتے اور کسی وقت اور کسی گھڑی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے اور لوگوں کو ان پر رشک آتا۔ جب وہ بالغ ہوئے اور انہیں ہر چیز میں کمال ہو گیا تو جب کبھی ان کا باپ باہر جاتا تو انہیں باری باری سے حکومت کرنے کے لیے بٹھا جاتا' یعنی ایک دن ایک حکومت کرتا اور ایک دن دوسرا۔ اب یہ اتفاق پیش آیا کہ اسعد کی محبت جو حیات النفوس کا بیٹا تھا اس کی سوتیلی ماں ملکہ بدور کے دل میں بیٹھ گئی اور حیات النفوس اپنے سوتیلے بیٹے امجد کو چاہنے لگی۔ دونوں اپنے سوتیلے بیٹوں سے ہنسی مذاق اور بوس و کنار کرتیں اور جب کبھی ایک لڑکی کی سگی ماں یہ دیکھتی تو خیال کرتی کہ یہ مادرانہ شفقت اور محبت کی وجہ سے ہے مگر واقعہ یہ تھا کہ دونوں عورتوں کو عشق ہو گیا تھا اور وہ دونوں' دونوں لڑکوں کو چاہنے لگی تھیں۔ جب کبھی ان میں سے کسی کے پاس اس کا سوتیلا بیٹا آتا وہ اسے گلے سے لگا لیتی اور چاہتی تھی کہ وہ نہ جائے۔ جب اس طرح سے ایک مدت گزر گئی اور وصال کی کوئی صورت نہ نکلی تو دونوں عورتوں نے کھانا

پینا چھوڑ دیا اور سونا ترک کر دیا۔ ایک روز بادشاہ سیر و شکار کے لیے گیا اور اپنے بیٹوں کو حکم دے گیا کہ دستور کے موافق اس کی جگہ باری باری سے حکومت کریں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو اٹھارہویں رات

جب دو سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- جب بادشاہ سیر و شکار کے لیے گیا تو اپنے بیٹوں کو حکم دے گیا کہ وہ دونوں اس کی جگہ دستور کے موافق باری باری سے حکومت کریں' لٰہذا پہلے روز ملکہ بدور کا بیٹا امجد حکومت کے لیے بیٹھا اور اس نے احکام و نواہی جاری کئے اور عہدے دیئے اور معزول کیا اور بخششیں کیں۔ اسعد کی ماں حیات النفوس نے اسے ایک خط لکھا اور اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور اپنے عشق و محبت کا اظہار کیا اور دل کا سارا بھید کہہ ڈالا اور اس سے وصال کی خواہش ظاہر کی' اور اس خط میں ذیل کی عبارت لکھی:

"یہ خط ایک مسکین عاشق اور غم زدہ فراق رسیدہ کی طرف سے ہے جس نے تیرے پیچھے اپنی جوانی تباہ کر دی اور تیرے درد میں مبتلا ہو گئی۔ اگر میں تشریح کے ساتھ بیان کروں کہ میں کب سے اس حسرت میں مبتلا ہوں اور کیا کیا رنج و الم اٹھائے ہیں اور میرے دل میں کس قدر آگ لگی ہوئی ہے اور میں کس درجہ آہ و بکاہ میں مشغول رہتی ہوں اور میرا مجروح دل کتنا ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے اور رنج و الم اور جدائی کی تکلیف اور درد اور دل سوزی لگاتار آ رہی ہیں تو اس کے لیے ایک کتاب درکار ہے اور اس کا شمار ناممکن ہے۔ میں زمین و آسمان کے اندر تنگ آ گئی ہوں اور میرے دل میں سوائے تیرے اور کوئی نہیں۔ میں مرنے کے قریب ہو گئی ہوں اور جان کنی کے درد میں مبتلا ہوں۔ میرے دل کی سوزش اور ہجر و جدائی کی تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اگر میں اپنی محبت کی کہانی سنانے پر آؤں تو اس کے لیے اوراق کافی نہ ہوں گے۔"

یہ خط لکھ کر ملکہ حیات النفوس نے اسے ایک قیمتی ریشمی کپڑے کے اندر لپیٹا جو مشک اور عبیر میں بسا ہوا تھا اور اس کے اندر اپنے بال بند رکھ دیئے جن کی قیمت میں خزانے کے خزانے غرق ہو جائیں۔ ان سب کو اس نے ایک رومال میں لپیٹا اور نوکر کے حوالے

کر کے اس سے کہا کہ یہ ملک امجد کو دے آ۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو انیسویں رات

جب دو سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- اس نے وہ خط خادم کو دے کر کہا کہ اسے ملک امجد کے پاس پہنچا دے۔ خادم اسے لے کر چل دیا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے لیے غیب میں کیا پوشیدہ ہے۔ خدا جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ جب خادم ملک امجد کے پاس پہنچا تو اس نے زمین کو بوسہ دے کر اسے وہ رومال دے دیا' جس میں خط تھا۔ ملک امجد نے خادم کے ہاتھ سے رومال لے کر کھولا اور دیکھا کہ اس کے اندر خط ہے اور اسے کھول کر پڑھنے لگا جب اس کا مطلب اس کی سمجھ میں آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی سوتیلی ماں کے دل میں کھوٹ ہے اور اس کے باپ بادشاہ قمرالزمان کی خیانت کر رہی ہے۔ اس پر اسے سخت طیش آیا اور عورتوں کو ان کی بدکرداری پر برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ لعنت ہو خدا کی خاین عورتوں پر جن کی عقل اور دین دونوں ناقص ہیں! یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کھینچی اور خادم سے کہنے لگا کہ اے بدذات غلام' لعنت ہو تجھ پر' تو اپنے آقا کی بیوی کے خیانتی خط کو لاتا ہے۔ اے سیاہ رنگ اور سیاہ دل والے اور اے بدشکل اور بدطینت' واللہ تجھ میں ایک خوبی بھی نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے خادم کی گردن پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے رومال کو لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور اپنی ماں کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور اسے برا بھلا کہا اور کہنے لگا کہ تم سب ایک سے بڑھ کر ایک منحوس ہو۔ واللہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ ایسا کرنا اپنے باپ قمرالزمان اور بھائی ملک اسعد کے حق میں بدتہذیبی ہے تو میں ابھی اس کے پاس جا کر اس کی گردن اسی طرح اڑا دیتا جس طرح اس کے خادم کی گردن اڑائی ہے۔ یہ کہہ کر وہ غصے میں بھرا ہوا اپنی ماں ملکہ بدور کے پاس سے چلتا ہوا۔ جب اس کی سوتیلی ماں حیات النفوس کو خبر ہوئی کہ اس نے خادم کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو وہ اسے برا بھلا کہنے اور کوسنے لگی اور یہ سوچنے لگی

کہ وہ اس کے ساتھ کیا مکر و فریب کرے۔ ادھر ملک امجد رات بھر مارے غصے اور فکر کے بیمار پڑا رہا' نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا' نہ سویا۔

جب سویرا ہوا تو اس کا بھائی ملک اسعد باہر آیا اور اپنے باپ قمرالزمان کی جگہ بیٹھ کر حکومت کرنے لگا' اور جو کچھ اس کی ماں حیات النفوس نے ملک امجد کے بارے میں سنا تھا کہ اس نے خادم کو قتل کر دیا ہے اس کی وجہ سے وہ بھی بیمار ہو گئی تھی۔

جب ملک اسعد اس روز حکومت کے لیے بیٹھا تو اس نے احکام جاری کئے اور انصاف کیا اور تقرری اور معزولی کی اور احکام و نواہی جاری کئے اور بخششیں اور عنایتیں کیں اور عصر کے وقت تک دربار کرتا رہا۔ اب ملک امجد کی ماں ملکہ بدور نے ایک شطارہ بڑھیا کو بلا کر اس سے اپنے دل کا راز کہا اور کاغذ لے کر اپنی سوت کے بیٹے ملک اسعد کو ایک خط لکھا جس میں اس نے اپنی محبت کا دکھڑا رویا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں: "یہ خط اس کی طرف سے ہے جو ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہے جو خلق اور خلق میں بہترین ہے' جسے اپنے حسن پر گھمنڈ ہے' جو اپنی آن بان پر نازاں ہے۔ جو وصال کی خواہش مند سے دور بھاگتا ہے' اس سے دور بھاگ کر میں نے اپنے آپ کو حقیر اور ذلیل کر دیا ہے۔ ایسے کے پاس جاتا ہے جو بے وفائی اور تکلیف پہنچاتا ہے' مایوس عاشق کی طرف سے ملک اسعد کے نام جس کا حسن و جمال لاجواب ہے' جس کا چہرہ چاند کی طرح ہے' جس کی پیشانی چمک دار ہے اور خوبصورت آب و تاب والی۔ یہ خط میں اس شخص کو لکھ رہی ہوں جس کی محبت میں' میں گھلی جا رہی ہوں اور میری ہڈیاں اور کھال جدا ہو رہی ہیں۔ سن' اب میرا صبر ختم ہو چکا ہے اور میں اپنے اوپر سخت حیران و پریشان ہوں۔ عشق اور بے چینی مجھے مارے ڈالتی ہے' صبر و آرام مجھ سے کوسوں دور بھاگتے ہیں' غم اور پریشانی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں' عشق و تمنا اور کمزوری اور بیماری مجھے گھلائے ڈالتی ہیں۔ میں اپنی جان تجھ پر قربان کرتی ہوں۔ اگرچہ عاشق کا قتل تری خواہش ہے مگر خدا تجھے سلامت رکھے اور ہر برائی سے بچائے!"

اس کے بعد ملکہ بدور نے خط کو خالص مشک میں بسایا اور اسے اپنے بال بندوں میں لپیٹا

جو عراقی ریشم کے تھے اور جن پر سبز زمرد کے گھنگرو لگے ہوئے اور موتی اور جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ یہ خط اس نے بڑھیا کو دے کر کہا کہ اسے میرے سوتیلے بیٹے ملک اسعد کے پاس پہنچا دے۔ بڑھیا اس کی خاطر چل دی اور فوراً ملک اسعد کے پاس پہنچی جو اس وقت اکیلا تھا اور اسے وہ خط اور جو کچھ اس کے ساتھ تھا دے دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔ ملک اسعد نے خط پڑھا اور اس کا مضمون سمجھا اور پھر اسے انہیں بال بندوں میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور اتنا غضبناک ہوا کہ جس کی کوئی حد نہیں اور خاین عورتوں پر لعنت ملامت کرنے لگا اور اٹھا اور تلوار میان سے نکال کر ایسا ہاتھ مارا کہ بڑھیا کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی ماں حیات النفوس کے پاس گیا اور اسے فرش پر پڑا دیکھا کیونکہ بسبب اس ماجرے کے جو ملک امجد کے ساتھ پیش آیا تھا وہ بیمار ہو گئی تھی۔ ملک اسعد نے اسے برا بھلا کہا اور لعنت ملامت کی اور وہاں سے باہر آ کر اپنے بھائی ملک امجد سے ملا اور وہ سارا ماجرا بیان کیا جو اسے اس کی ماں ملکہ بدور کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس سے یہ بھی کہا کہ اس نے اس بڑھیا کو قتل کر دیا ہے جو خط لے کر آئی تھی۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ بھائی' اگر مجھے تیری لاج نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں ابھی اس کے پاس جا کر اس کا سر گردن سے جدا کر دیتا۔ اس کے بھائی ملک امجد نے جواب دیا کہ اے بھائی' جو آج تیرے ساتھ پیش آیا' وہی کل میرے ساتھ گزر چکی ہے جبکہ میں حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کیونکہ تیری ماں نے بھی اسی مضمون کا خط مجھ کو لکھا تھا اس کے بعد اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور اس کی ماں حیات النفوس کے درمیان پیش آیا تھا اور کہنے لگا کہ بھائی' اگر مجھے تیرا خیال نہ ہوتا تو میں ابھی اس کے پاس جا کر اس کی وہی گت بناتا جو خادم کی بنائی ہے۔ اس کے بعد دونوں ساری رات باتیں کرتے رہے اور خاین عورتوں پر لعنت ملامت بھیجتے رہے' پھر دونوں کا یہ مشورہ ہوا کہ اس بات کو پوشیدہ رکھنا چاہیے کیونکہ اگر ان کے باپ قمرالزمان کو خبر ہو گئی تو وہ دونوں عورتوں کو قتل کر دے گا۔ اسی غم و غصے میں انہوں نے صبح کر دی۔

جب سویرا ہوا تو بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ شکار سے لوٹا اور تھوڑی دیر حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر امیروں کو رخصت کیا اور محل کے اندر گیا اور دیکھا کہ اس کی دونوں بیویاں فرش پر پڑی ہوئی ہیں۔ دونوں سخت بیمار ہو گئی تھیں اور اپنے بیٹوں کے لیے مکر و فریب سوچ رہی تھی اور ان کی جان لینے پر متفق ہو گئی تھیں کیونکہ دونوں عورتوں نے اپنے آپ کو ان کے ساتھ رسوا کر دیا تھا اور اب انہیں ڈر تھا کہ کہیں اب انہیں ان کا محکوم بن کر نہ رہنا پڑے۔ جب بادشاہ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے اس کی وجہ پوچھی۔ ان دونوں نے اٹھ کر بادشاہ کے ہاتھ چومے اور قصے کو الٹا کر بیان کیا اور کہنے لگیں کہ اے بادشاہ' جن بیٹوں کو تو نے اس ناز و نعمت سے پالا ہے انھوں نے تیری بیویوں کے بارے میں تیرے ساتھ خیانت کی ہے اور تجھے رسوا کیا ہے۔ اپنی بیویوں سے یہ سنتے یہ قمرالزمان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور مارے غصے کے اس کے ہوش جاتے رہے اور اپنی بیویوں سے کہنے لگا کہ تفصیل کے ساتھ بیان کرو۔ ملکہ بدور نے کہا کہ جہاں پناہ' تیرا بیٹا اسعد جو حیات النفوس سے ہے ایک زمانے سے میرے ساتھ خط و کتابت کر رہا ہے اور مجھے زنا پر آمادہ کر رہا تھا۔ میں نے اسے بہت منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ جب تو باہر گیا ہوا تھا اس نے شراب پی اور ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر مجھ پر حملہ کر دیا اور میرے خادم کو قتل کر کے شمشیر بکف میرے سینے پر سوار ہو گیا۔ میں ڈری کہ اگر میں نے اسے روکا تو جس طرح اس نے میرے خادم کو قتل کر دیا ہے' مجھے بھی قتل کر دے گا' اور اس نے زبردستی اپنی شہوت پوری کی۔ اے بادشاہ' اگر تو نے اس سے میرا بدلا نہ لیا تو میں اپنی جان کھو دوں گی کیونکہ اس برے فعل کے بعد دنیا میں زندہ رہنا بے کار ہے۔ حیات النفوس نے بھی رو رو کر ایسا ہی قصہ بیان کیا جیسا کہ اس کی سوت نے بیان کیا تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو بیسویں رات

دو سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جو کچھ ملکہ بدور نے اپنے شوہر سے کہا تھا' ویسا ہی ملکہ حیات النفوس نے بھی کہا یعنی میرے ساتھ بھی تیرے بیٹے امجد نے وہی حرکت کی اور یہ کہہ کر خوب فیل مچائے۔ بولی' اگر تو میرے ساتھ انصاف نہ کرے گا تو میں اپنے باپ ارمانوس سے شکایت کروں گی۔ غرض کہ دونوں سوکنیں اپنے شوہر بادشاہ قمرالزماں کے آگے بلک بلک کر خوب روئیں۔ جب بادشاہ نے اپنی دونوں بیویوں کا قصہ سنا' ان کو روتے دیکھا تو اسے یقین آ گیا کہ وہ سچ کہتی ہیں۔ اس پر اسے حد سے زیادہ طیش آیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو قتل کر ڈالے۔ اتنے میں اس کا خسر بادشاہ ارمانوس آ گیا کیونکہ اسے معلوم ہوا تھا کہ داماد شکار سے لوٹ آیا ہے۔ اس نے دیکھا کہ قمرالزماں تلوار کھینچے ہوئے ہے اور مارے غصے کے اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ جب اس نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کی بدنظریوں کا ماجرا سنایا اور کہا کہ میں ابھی جا کر انہیں قتل کرتا ہوں' اپنے ہاتھ سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ بادشاہ ارمانوس کو بھی ان دونوں پر بہت غصہ آیا اور کہنے لگا کہ بیٹا تیرا یہ غصہ ناواجب نہیں۔ خدا ان پر لعنت بھیجے' اولاد ہو کر اپنے باپ کے حق میں برائی کرتے ہیں! لیکن بیٹا تو نے سنا ہو گا کہ جو انجام پر غور نہیں کرتا' زمانہ اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ بہرحال وہ تیرے بیٹے ہیں اس لیے یہ مناسب نہیں کہ تو خود انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ ایسا نہ کر بعد ازاں تجھے افسوس ہو' اور تو انہیں قتل کر کے پچھتائے اور پھر پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ بہتر ہے کہ تو' انہیں کسی غلام کے ہمراہ جنگل میں بھیج دے تا کہ وہ انہیں وہاں قتل کر آئے اور ان کا خون تیری آنکھوں کے سامنے نہ بہے۔ مثل ہے کہ دشمن سے دوری بہتر

ہے' نہ آنکھ دیکھے نہ دل کڑھے۔

قمرالزماں کو اپنے خسر بادشاہ ارمانوس کی یہ رائے درست معلوم ہوئی' اس نے اپنی تلوار میان میں کر لی اور حکومت کے تخت پر بیٹھ کر خزانچی کو بلایا۔ یہ خزانچی بہت بوڑھا اور سیاست اور زمانے کے اتار چڑھاؤ سے خوب واقف۔ اس سے کہا کہ میرے دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کے پاس جا کر ان کی مشکیں باندھ کر انہیں دو صندوقوں میں بند کر کے خچر پر لاد اور سوار ہو کر انہیں کسی اجاڑ جنگل میں لے جا کر ذبح کر ڈال اور دو بوتلوں میں ان کا خون بھر کر جلد میرے پاس لا۔

خزانچی حکم پاتے ہی فوراً امجد اور اسعد کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ محل سے نکل کر آ رہے ہیں۔ بہترین پوشاکیں پہنے خوش خوش اپنے باپ قمرالزماں کے پاس جانے کا ارادہ ہے تاکہ اسے سلام کریں اور سلامتی کے ساتھ شکار سے واپس آنے کی مبارک باد دیں۔ جب خزانچی کی نظر ان پر پڑی تو انہیں روک لیا اور کہنے لگا برخوردارو سنو' میں فرمانبردار غلام ہوں اور تمہارے باپ نے مجھے ایک حکم دیا ہے کیا تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر خزانچی ان کی طرف بڑھا اور ان کی مشکیں باندھ کر انہیں دو صندوقوں میں بند کر دیا۔ پھر انہیں ایک خچر پر لاد کر شہر سے باہر روانہ ہو گیا اور ظہر تک جنگل میں چلتا رہا۔ جب ایک سنسان ڈراؤنی جگہ آ گئی تو خود گھوڑے سے اتر پڑا اور دونوں صندوقوں کو خچر پر سے اتار کر کھولا۔ ان میں سے امجد اور اسعد کو نکالا۔ جب اس کی نظر ان پر پڑی تو وہ ان کا حسن و جمال دیکھ کر رونے لگا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو' تمہارے ساتھ برائی کرنا مجھ پر گراں گزرتا ہے لیکن مجبور ہوں۔ ایک غلام کو فرمانبرداری کے سوا چارہ نہیں۔ تمہارے باپ بادشاہ قمرالزماں نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہاری گردن اڑا دوں۔ وہ بولے کہ اے امیر' بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر۔ تقدیر پر ہم صابر ہیں۔ تجھ پر ہمارے خون کا کوئی بدلہ نہیں۔

اس کے بعد دونوں شہزادے ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ اسعد نے خزانچی سے کہا کہ چچا' مجھ کو میرے بھائی سے پہلے قتل کیجیو تاکہ مجھے اس کے مرنے کا افسوس نہ ہو اور میں اس کی لاش کو تڑپتے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں' یہ میرے لیے آسان تر ہے۔ امجد نے بھی خزانچی سے یہی الفاظ دہرائے اور اسے اس بات پر مائل کرنا چاہا کہ وہ اسے اس کے بھائی سے پہلے قتل کرے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا بھائی مجھ سے چھوٹا ہے' اس کا رنج مجھے نہ دیجیو۔ یہ کہہ کر دونوں اتنا روئے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ان کو روتا دیکھ کر خزانچی بھی رونے لگا۔

اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو اکیسویں رات

جب دو سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ خزانچی ان کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال لپٹ گئے۔ ایک بھائی نے دوسرے سے کہا کہ یہ ساری مصیبت ہم پر دونوں خائن عورتوں میری ماں اور تیری ماں کی وجہ سے آئی ہے اور یہ ان بھلے سلوکوں کا نتیجہ ہے جو میں نے تیری ماں کے ساتھ اور تو نے میری ماں کے ساتھ کیے ہیں۔" لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم' اناللہ وانا الیہ راجعون" امجد نے جو اسعد کو یہ کہتے سنا تو اس کی ہچکی بندھ ہو گئی' وہ بھی پچھاڑیں کھانے لگا اور خزانچی سے بولا کہ میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو تنہا ہے اور زبردست مالک اور پردہ پوش ہے کہ تو' مجھے میرے بھائی اسعد سے پہلے قتل کیجیو تاکہ میرے دل کی آگ بھڑکنے نہ پائے بلکہ بجھ جائے۔

یہ سن کر اسعد نے کہا کہ نہیں بکہ میں پہلے قتل ہوں گا۔ امجد نے کہا کہ اچھا یوں کریں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ جائیں اور تلوار ہم دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دے۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے سینے سے سینہ اور منہ سے منہ ملا کر باہم آغوش ہو گئے اور ایک نے دوسرے کو چمٹا لیا تو خزانچی نے دونوں کو رسی سے کس کر باندھا مگر وہ روتا جاتا تھا اور اپنی تلوار کھینچ کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو مجھ پر تمہارا قتل کرنا بہت شاق گزر رہا ہے' اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو میں اسے پورا کروں گا' اگر کوئی وصیت ہو تو اس کی تعمیل کروں گا اور اگر کوئی پیغام ہے تو پہنچا دوں گا۔

امجد نے کہا کہ ہماری کوئی حاجت نہیں میری صرف ایک خواہش ہے وہ یہ کہ میرے بھائی اسعد کو نیچے لٹائیو اور مجھے اوپر اس لیے کہ پہلے تلوار میرے اوپر پڑے اور یہ ایک

وصیت کہ ہمیں قتل کر چکنے کے بعد جب تو بادشاہ کے پاس جائے تو اور وہ تجھ سے پوچھے کہ تو نے مرنے کے پہلے ہمیں کیا کہتے سنا تو اس سے کہیو کہ تیرے بیٹوں نے تجھے سلام عرض کیا ہے کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہم دونوں مجرم ہیں یا نہیں' بغیر اس کے کہ تو ہمارے جرم کی تحقیق کرتا اور اصل حال سے خبر ہوتی تو نے ہمیں قتل کروا دیا ہے اور اس نے یہ دوشعر پڑھے: "عورتیں شیطان ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ شیطانوں کے مکرو فریب سے خدا کی پناہ! جتنی بلائیں لوگوں میں دنیا اور دین کے متعلق پیدا ہوئی ہیں ان کی جڑ یہی عورتیں ہیں۔" اس کے بعد اس نے کہا کہ اس کے سوا ہماری اور کوئی تمنا تجھ سے نہیں ہے کہ یہ دونوں شعر جو تو نے سنے ہیں' بادشاہ کو پہنچا دے۔

اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اس نے اجازت لی تھی۔

○○○

• دو سو بائیسویں رات

جب دو سو بائیسویں رات آئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ امجد نے خزانچی سے کہا کہ سوائے اس کے ہماری کوئی خواہش نہیں ہے کہ تو' ان دونوں شعروں کو جو تو نے سنے ہیں' بادشاہ کو پہنچا دے اور خدا کے لیے اتنا اور ٹھہر جا کہ میں دو شعر اور اپنے بھائی کو سنا دوں۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور یہ دو شعر پڑھے: "گزشتہ بادشاہ ہمارے لیے بہت سی عبرتیں چھوڑ گئے ہیں۔ اس راہ میں کتنے کچھ چھوٹے بڑے مر مٹے ہیں۔" امجد کا یہ کلام سن کر خزانچی اتنا رویا کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی اور اسعد کی آنکھیں تو دریا بن گئیں۔ آنسوؤں کی لڑیاں اس کے رخسار پر بہنے لگیں۔ بعد ازاں اسعد اپنے بھائی امجد کے گلے سے لپٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ایک قالب ہیں۔ اب خزانچی نے تلوار کھینچ کر چاہا کہ ان پر وار کرے کہ اتنے میں اس کا گھوڑا بدکا اور جنگل کی طرف نکل بھاگا۔ اس گھوڑے کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور اس کا زین بے حد قیمتی تھا۔ خزانچی تلوار ہاتھ سے پھینک کر گھوڑے کے پیچھے دوڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو تئیس ویں رات

جب دو سو تئیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خزانچی اپنے گھوڑے کے پیچھے دوڑا کیونکہ گھوڑے کے بھاگنے سے وہ بہت غمگین تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ آگے پیچھے جھاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ اب گھوڑا جھاڑیوں کو چیرتا پھاڑتا اندر گھس کر زمین پر پانی ٹاپیں مارنے لگا یہاں تک کہ گرد اٹھ اٹھ کہ پھیلنے لگی۔ گھوڑے کے خرخر کرنے اور ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان جھاڑیوں میں ایک شیر رہتا تھا جو بڑا جگاوری اور ڈراؤنی شکل کا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں اڑتی تھیں۔ اس کی صورت نہایت ہیبت ناک تھی' اسے دیکھ کر لوگ ڈر جاتے تھے۔ جب خزانچی کی نظر.... اس پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ اسی طرف آ رہا ہے' جھاڑیاں گنجان' نہ کسی طرف بھاگنے کا راستہ' نہ اس کے ہاتھ میں تلوار' وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ امجد اور اسعد کا صبر مجھ پر پڑا ہے۔ یہ سفر شروع ہی سے منحوس ثابت ہوا۔ ادھر امجد اور اسعد کو گرمی سے اتنی پیاس لگنے لگی کہ ان کی زبانیں نکل پڑیں۔ اور وہ مارے پیاس کے چلانے لگے لیکن وہاں کون ان کی چیخ و پکار سنتا۔ کہنے لگے کہ کاش ہم قتل ہو گئے ہوتے۔ اس تشنگی سے تو نجات ملتی! معلوم نہیں کہ گھوڑا بدک کر کہاں چلا گیا کہ خزانچی بھی ہمیں بندھا چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیا کہیں وہ آکر ہمیں قتل کر دے اور ہم اس عذاب سے چھٹکارا پائیں! اسعد بولا بھائی ذرا ٹھہر' خدا کی طرف سے عنقریب ہمارے لیے خوشی آنے والی ہے کیونکہ گھوڑے کا بدکنا خالی از حکمت نہیں۔ سمجھ لے کہ اللہ کی مہربانی کی یہ علامت ہے اور اب پیاس کے سوا ہمیں اور کسی چیز سے ضرر نہیں پہنچے گا۔ یہ کہہ کر اس نے داہنے بائیں بل کر زور لگایا' یہاں تک کہ رسیاں ڈھیلی پڑ گئیں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اپنے بھائی کے

بندھن بھی کھول دیئے اور خزانچی کی تلوار اٹھا کر کہنے لگا واللہ جب تک ہمیں اس کی خبر نہ مل جائے اور ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا گزری' ہم یہاں سے نہ چلیں گے۔ یہ کہہ کر وہ خزانچی کے پاؤں کے نشان پر چلنے لگے اور چلتے چلتے جھاڑی کے پاس پہنچ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ گھوڑا اور خزانچی اس جھاڑی سے آگے نہ گئے ہوں گے۔ اسعد نے امجد سے کہا کہ تو یہیں ٹھہر میں جھاڑی میں جا کر ادھر ادھر دیکھتا ہوں۔ امجد نے جواب دیا کہ میں تجھے اکیلا نہیں جانے دوں گا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ رہیں گے تاکہ اگر سلامتی ہو تو دونوں کے لیے اور اگر مارے جائیں تو دونوں ساتھ ساتھ۔

قصہ مختصر وہ دونوں جھاڑی کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ شیر نے خزانچی کو دبوچ رکھا ہے اور وہ شیر کے نیچے پڑا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے خدا سے مدد مانگ رہا ہے۔ امجد یہ دیکھتے ہی لپکا اور شیر پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار شیر کی پیشانی پر پڑی اور وہ مر کر زمین پر گر پڑا۔ خزانچی کو اس پر سخت تعجب ہوا' حواس درست ہوئے' نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اس کے آقا کے دونوں بیٹے امجد اور اسعد وہاں کھڑے ہیں۔ وہ ان کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو' اب یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں قتل کروں اور اگر کسی نے تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو میں اپنی جان لڑا دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چوبیسویں رات

دو سو چوبیسویں رات آئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- خزانچی نے امجد اور اسعد کو گلے لگایا اور ان سے پوچھا کہ تم کس طرح رسیاں کھول کر یہاں آ گئے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں پیاس لگی تھی۔ اتفاق سے ایک کی بندش ڈھیلی پڑ گئی اس نے نکل کر دوسرے کو بھی کھول دیا اور یہ محض خدا کی مہربانی اور نیت کا پھل تھا۔ پھر ہم نے نشان قدم پر چلنا شروع کیا اور تیرے پاس پہنچ گئے۔ یہ سن کر اس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں ساتھ لے کر جھاڑی کے باہر آیا۔ جب وہ جھاڑی سے نکلے تو ان دنوں نے کہا کہ چچا ہمارے باپ کے حکم کی تعمیل کر۔ اس نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں تمہیں نقصان پہنچاؤں۔ لیکن میں تمہارے کپڑے اتار کر تمہیں دوسرے کپڑے پہنا دوں گا اور دو بوتلوں میں شیر کا خون بھر کر تمہارے باپ کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ میں نے انہیں قتل کر دیا ہے اور تم یہاں سے جدھر تمہارے سینگ سمائیں' چلے جاؤ۔ خدا کی زمین وسیع ہے حالانکہ تمہاری جدائی مجھ پر شاق گزرے گی۔ یہ کہہ کر خزانچی رونے لگا اور اس کے ساتھ دونوں لڑکے بھی رونے لگے۔ خزانچی نے ان کے کپڑے اتار کر انہیں دوسرے کپڑے پہنا دیئے اور کپڑوں کو گٹھڑیوں میں باندھ کر دو بوتلوں میں شیر کا خون بھر کر گٹھڑیوں کو گھوڑے پر اپنے آگے رکھا اور ان دونوں سے رخصت ہو کر شہر کی طرف بادشاہ کے پاس روانہ ہو گیا۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس نے تخت کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی حالت دگرگوں ہے جو شیر کی وجہ سے تھی۔ خیال کیا کہ یہ میرے بیٹوں کے قتل کرنے کی وجہ سے ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگا کہ کیا تو اپنا کام پورا کر آیا۔ خزانچی نے عرض کیا کہ اے میرے آقا ہاں۔ اور وہ دونوں گٹھڑیاں جن میں کپڑے تھے اور دونوں بوتلیں

جن میں خون تھا' پیش کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کس حالت میں تھے اور آیا انہوں نے کوئی وصیت کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ اپنی مصیبت پر صابر و شاکر تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارا باپ معذور ہے۔ اسے ہمارا سلام دینا اور کہنا کہ تجھ پر ہم نے اپنا خون معاف کر دیا مگر یہ دو شعر ضرور سنانا: "عورتیں شیطان ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں' شیطان کے مکرو فریب سے خدا بچائے! جتنی بلائیں لوگوں پر دین و دنیا کے متعلق آتی ہیں' ان کی جڑ یہی عورتیں ہیں۔" خزانچی کی یہ باتیں سن کر بادشاہ اپنا سر دیر تک جھکائے رہا اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بیٹے ناحق مارے گئے۔ وہ دیر تک عورتوں کے مکرو فریب اور دغابازی کا تصور کرتا رہا۔ بعد ازاں دونوں گٹھڑیاں لے کر کھولیں' کپڑوں کو الٹنے پلٹنے اور رونے لگا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو پچیسویں رات

دو سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ قمرالزماں بادشاہ دونوں گٹھڑیوں کو کھول کر کپڑوں کو الٹنے پلٹنے اور رونے لگا۔ جب اس نے اپنے بیٹے اسعد کے کپڑے کھولے تو اس کی جیب میں سے اپنی بیوی بدور کے قلم کا لکھا ہوا ایک رقعہ ملا۔ جس میں اس کے بالوں کی ایک لٹ بھی تھی۔ خط کھول کر اس نے پڑھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا بیٹا مظلوم تھا۔ پھر اس نے امجد کا بقچہ کھولا اور اس کی جیب میں اپنی دوسری بیوی حیات النفوس کے ہاتھ کی تحریر پائی اسی طرح بالوں میں لپٹے ہوئے خط کو کھول کر پڑھا تو سر پیٹ لیا۔ اسے یقین آ گیا۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ دونوں بیٹے ناحق مارے گئے۔ اب تو وہ ہاتھ مل مل کر روتا اور کہتا۔ ہائے میرے بیٹو' تم پر ایک باپ نے ظلم کیا! ہائے ہائے یہ قیامت ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ دو قبریں ایک ہی جگہ بنائی جائیں۔ قبریں بنوا کر ایک مقبرہ بنوایا اور بیت الاحزان اس کا نام رکھا' ان پر اپنے دونوں بیٹوں کا نام لکھا اور کبھی امجد کی قبر پر گر کر روتا' فریاد کرتا۔ کبھی اسعد کی قبر پر لوٹتا اور پچھاڑیں کھاتا۔ بادشاہ کی آہ و فریاد روزانہ بڑھتی جاتی۔ یہاں تک کہ اس نے امیروں' وزیروں' دوستوں اور آشناؤں سے ملنا ترک کر دیا۔ دربار و محلات سب سے ہاتھ اٹھا لیا۔ بیویوں سے بھی کنارہ کشی کر لی۔ بیت الاحزان میں اکیلا بیٹھا اپنے بیٹوں پر رویا کرتا' بادشاہ کو تو یہاں------ چھوڑیے اور اب امجد اور اسعد کا قصہ سنئے۔ ایک مہینے تک وہ پھل کھاتے اور گڑھوں میں سے بارش کا پانی پیتے ہوئے صحرا بہ صحرا چلتے رہے۔ چلتے چلتے آخر ایک پہاڑ کے پاس پہنچے جو کالے چقماق کا تھا۔ پہاڑ کی اونچائی اور لمبائی اللہ ہی کو معلوم تھی۔ یہاں سے دو راستے نکلتے تھے۔ ایک تو پہاڑ کو کاٹ کر بیچ میں سے گیا تھا اور دوسرا پہاڑ

کے اوپر کی طرف۔ وہ پہاڑ کے اوپر والے راستے پر ہو لیے۔ پانچ دن تک برابر چلتے رہے لیکن اس کی انتہا نظر نہ آئی۔ نہ وہ کبھی اتنا چلے تھے' نہ انہیں پیدل چلنے کی عادت تھی۔ پھر پہاڑ کی چڑھائی اور منزل لا پتہ۔ جب انہیں اس راستے کے آخر تک پہنچنے سے ناامیدی ہو گئی تو وہ لوٹ پڑے اور اس راستے پر روانہ ہوئے جو پہاڑ کے بیچ میں سے ہو کر جاتا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو چھبیسویں رات

جب دو سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ قمرالزمان کے دونوں بیٹے امجد اور اسعد پہاڑ پر جانے والے راستے سے اتر کر بیچ کے راستے پر ہو لیے اور دن بھر چلتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اسعد چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ بھائی' اب مجھ میں چلنے کی سکت نہیں رہی' میں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ امجد بولا' بھائی ذرا اور ہمت کر ممکن ہے کہ خدا ہماری مصیبت دور کر دے۔ اس کے بعد وہ ایک پہر رات اور چلتے رہے۔ آخر اندھیرے نے چاروں طرف سے آگھیرا اور اسعد کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ وہ کہنے لگا کہ بھائی میری حالت بہت خراب ہے' میں ایک قدم نہیں چل سکتا اور یہ کہتے کہتے وہ زمین پر گر پڑا اور رونے لگا۔ امجد نے اسے تسلی دی' اٹھا کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور آگے بڑھا۔ چلتا اور تھوڑی دیر تک بیٹھ کر ستاتا حتیٰ کہ سویرا ہونے لگا۔ سامنے دیکھا کہ پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے اور اس کے پاس ایک انار کا درخت اور ایک محراب ہے۔ انہیں اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ یہ چیزیں واقعی وہاں ہیں۔ بہرحال انہوں نے چشمے کے پاس بیٹھ کر پانی پیا اور درخت سے انار توڑ کر کھائے اور وہیں سو لیے جب سورج اچھی طرح نکل آیا تو وہ اٹھ بیٹھے اور چشمے میں غسل کیا' دماغ کو فرحت ہوئی۔ کھانے کو اور کیا تھا' وہی انار کھا کر پھر سو گئے اور عصر کے وقت تک سوتے رہے۔ آنکھ کھلی اور انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو اسعد چلنے سے معذور نکلا کیونکہ اس کے پاؤں سوج گئے تھے۔ اس لیے وہ وہاں تین دن تک آرام کے لیے ٹھہرے رہے۔ پھر وہ کئی دن برابر چڑھائی پر چلتے رہے۔ یہ پہاڑ بالکل چٹیل تھے نہ کوئی درخت' نہ کہیں آبشار' مارے پیاس کے ان کی بری حالت تھی۔ آخرکار انہیں دامن کوہ میں دور سے ایک شہر دکھائی دیا اور وہ خوش ہو کر اس کی طرف اترنے لگے۔ قریب پہنچے تو خدا کا شکر ادا کیا اور امجد' اسعد سے

کہنے لگا بھائی' تو یہیں ٹھہر جا' میں اس شہر میں جا کر دیکھتا ہوں کہ آباد ہے یا اجاڑ ------- اور کیسے لوگ اس میں رہتے ہیں۔ کون یہاں کا بادشاہ ہے اور ہم اس وقت خدا کی وسیع زمین پر کس جگہ ہیں اور اس پہاڑ کی لمبائی چوڑائی میں ہم نے کتنی مسافت طے کی۔ اگر ہم اس پہاڑ کے دامن دامن چلتے تو ایک سال میں بھی اس شہر تک نہ پہنچتے شکر ہے خدا کا کہ ہم صحیح و سلامت انسانوں کی بستی تک تو آ پہنچے۔

اسعد بولا' کہ اچھا اب تو یہاں ٹھہر' میں جا کر دیکھوں۔ دونوں میں بحث ہونے لگی وہ کہتا میں جاؤں' وہ کہتا میں۔ انجام کار امجد نے کہا کہ اچھا تو جا مگر دیر نہ لگائیو۔ اسعد اپنے ساتھ کچھ دینار لے کر چلا اور اس کا بھائی اکیلا بیٹھ کر اس کی راہ دیکھنے لگا۔

اسعد شہر میں پہنچ گیا اور اس کی گلیوں میں پھرنے لگا۔ راہ میں اسے ایک شخص ملا جو بہت بوڑھا تھا اس کی داڑھی اس کے سینے تک لمبی تھی اور دو حصوں میں تقسیم کی ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ اس کے کپڑے نہایت قیمتی تھے اور سر پر لال رنگ کا پھینٹا بندھا ہوا' اس کا لباس اور انداز دیکھ کر اسعد کو تعجب ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور پوچھا اے میرے آقا' بازار کا راستہ کون سا ہے؟ یہ سن کر بوڑھا مسکرایا اور کہنے لگا کہ بیٹا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس شہر میں پردیسی ہے؟

اسعد نے کہا' ہاں میں پردیسی ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # دو ستائیسویں رات

دو سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ بوڑھا اسعد کو دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا کہ بیٹا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو پردیسی ہے۔ بولا ہاں میں پردیسی ہوں۔ بوڑھے نے کہا کہ تو نے اپنے وطن کو اجاڑ کر ہمارے وطن کو آباد کیا ہے' تجھے بازار کی کیوں تلاش ہے؟ اسعد نے کہا کہ چچا' میرا ایک بھائی ہے جس کو میں پہاڑ پر چھوڑ کر آیا ہوں' ہم دونوں بہت دور سے تین مہینے کا سفر کر کے اس شہر تک پہنچے ہیں۔ میں اپنے بڑے بھائی کو وہاں چھوڑ کر اس لیے یہاں آیا ہوں کہ کچھ کھانا وغیرہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور ہم دونوں کھائیں۔ بوڑھے نے کہا کہ بیٹا' خوش ہو کہ تیرے آگے بھلائی ہے بھلائی ہی بھلائی ہے کیونکہ میرے ہاں آج دعوت ہے اور بہت سے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایسے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے ہیں' جن کے کھانے کو جی للچائے۔ اگر تو' میرے ساتھ چلے تو جو تو چاہے گا' میں دوں گا اور تجھ سے اس شہر کا قصہ بھی بیان کروں گا۔ بیٹا شکر ہے خدا کا کہ تو میرے ہاتھ پڑا کسی اور کے نہیں۔

اسعد نے کہا کہ جو تیری مرضی ہو کر' مگر دیر نہ کر کیونکہ میرا بھائی میری راہ دیکھ رہا ہو گا اور اس کا جی مجھ ہی میں لگا ہو گا۔ بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک تنگ گلی کی طرف مڑا اور کہتا جاتا تھا کہ "پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے اس شہر والوں سے نجات دی۔" چلتے چلتے وہ ایک وسیع مکان میں پہنچا جس کے اندر چالیس بوڑھے بیٹھے دیکھے جو ایک جلتی ہوئی آگ کے گرد حلقہ باندھے اس کی عبادت اور اس کے آگے سجدہ کر رہے تھے۔ اس نظارے سے مارے ڈر کے اسعد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ بوڑھے نے ان لوگوں کو پکار کر کہا کہ اے آگ کے پرانے پرستارو آج کا دن بڑا مبارک ہے! پھر اس نے اے غضبان!

کہہ کر زور سے آواز دی۔ آواز سن کر ایک کالا بھجنگ لمبا تڑنگا غلام آیا۔ اس کی شکل ڈراؤنی تھی، تیور چڑھے ہوئے اور ناک پچکی ہوئی۔ بوڑھے نے غلام کو اشارہ کیا اور اس نے اسعد کو پشت پھیر کر اس کی مشکیں باندھ دیں۔ اس کے بعد بوڑھے نے کہا کہ اسے تہہ خانے میں لے جا کر چھوڑ آ اور فلاں لونڈی سے کہہ کہ اسے دن رات سزا دے۔ غلام اسے تہہ خانے میں لے جا کر لونڈی کے سپرد کر آیا۔ وہ لونڈی اسے مارتی اور ایک روٹی صبح اور ایک شام کھانے کو دیتی اور ایک ایک کوزہ دونوں وقت کھاری پانی کا۔ اب وہ بوڑھے آپس میں کہنے لگے کہ جب آگ کی عید ہو گی تو ہم اسے پہاڑ پر ذبح کر کے آگ کی بھینٹ چڑھائیں گے۔ لونڈی اتر کر اس کے پاس گئی اور اسے اتنا مارا کہ اس کے پہلوؤں سے خون بہنے لگا۔ وہ بے ہوش ہو گیا اور پھر اس کے پاس ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا رکھ کر چلتی ہوئی۔ آدھی رات کے وقت جب اسعد کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور اتنی مار پڑی ہے کہ بدن کی ساری ہڈیاں دکھ رہی ہیں۔ وہ زار زار رونے لگا اور اسے اپنی پہلی عزت اور راحت حکومت اور شان و شوکت اور باپ کی جدائی کی یاد آ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو اٹھائیسویں رات

جب دو سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک دل بادشاہ' جب اسعد نے دیکھا کہ وہ بیڑیوں سے جکڑا ہوا ہے اور اس پر مار پڑی ہے جس سے اس کے بدن میں درد ہے تو وہ اپنے گزشتہ عیش و راحت' حکومت اور شان و شوکت کو یاد کر کے رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ روتے روتے سر کی طرف جو اس کا ہاتھ بڑھا تو اسے وہاں ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا ملا۔ اس نے دو چار نوالے کھائے تاکہ سانس چلتا رہے اور تھوڑا سا پانی پیا مگر کھٹملوں اور جوؤں کی وجہ سے اسے رات بھر نیند نہ آئی۔ سویرا ہوا تو وہ لونڈی اس کے پاس آئی اور اس نے اس کے کپڑے بدلے جو خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس کے بدن سے چپک گئے تھے۔ قمیص کے ساتھ اس کی کھال بھی اتر آئی۔ بلبلا اٹھا اور کہنے لگا کہ خداوند اگر تو اس میں خوش ہے تو مجھے اور زیادہ سزا دے۔ پروردگار تو' اس بات سے بے خبر نہیں ہے کہ کس نے مجھ پر ظلم کیا۔ لہٰذا اس سے میرا بدلہ لے۔ یہ کہہ کر وہ پھر چلانے لگا اور لونڈی نے پھر مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ اسے غش آ گیا اور ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا رکھ کر اس کے پاس سے چلی گئی۔ اس کے بدن سے خون بہ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں زنجیروں سے کسے ہوئے تھے۔ وطن سے دور' احباب سے الگ اور یہ مصیبت' نہ روتا اور کیا کرتا۔ بھائی کی یاد نے اس کو اور بھی زیادہ بے چین کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو انتیسو یں راتے

جب دو سو انتیسو یں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ اسعد کو

اپنے بھائی کی یاد آئی تو زیادہ تڑپنے' آہیں بھرنے اور آہ و بکا کرنے لگا۔ اس کے آنسو جاری تھے اور وہ اپنی موجودہ حالت پر غور کر کے بھائی کی جدائی میں بے قرار تھا۔ ادھر یہ مصیبت میں مبتلا' ادھر اس کے بھائی امجد کی آنکھیں راہ تکتے تکتے دکھی جاتی تھیں۔ جب دوپہر ہو گئی اور وہ نہ لوٹا تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ جدائی کی تکلیف اور زیادہ بڑھ گئی' بے تحاشہ آنسو بہنے لگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تیسویں رات

دو سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ! امجد اپنے بھائی اسعد کی راہ دوپہر تک دیکھتا رہا۔ جب وہ نہ لوٹا تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور جدائی کا صدمہ دوبالا ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے چلا کر کہا کہ ہائے میرا بھائی' ہائے میرا ساتھی واویلا! یہ جدائی کس قدر مصیبت ناک ہے! اب وہ روتا ہوا پہاڑ پر سے اترا اور شہر میں داخل ہوا اور پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا ہے اور اس کے رہنے والے کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا نام مدینہ المجوس ہے اور بادشاہ کے سوا تمام باشندے آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ پھر اس نے مدینتہ الابنوس کے متعلق دریافت کیا وہ بولے کہ مدینتہ الابنوس یہاں سے خشکی کے راستے ایک سال کی راہ ہے اور پانی سے چھ مہینے کی۔ وہاں کے بادشاہ کا نام ارمانوس ہے۔ اس نے ایک شہزادے کو اپنا داماد بنا کر اپنے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ اس بادشاہ کا نام قمرالزماں ہے وہ بڑا منصف مزاج ہے اور لوگوں کے ساتھ احسان اور بخشش کرتا ہے اور انہیں امن و امان سے رکھتا ہے۔ جب امجد نے اپنے باپ کا نام سنا تو رونے اور آہیں بھرنے اور فریاد کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے؟ بالاخر اس نے کھانا پینا خریدا اور ایک کنارے جا کر بیٹھ گیا۔ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنے بھائی کی یاد آ گئی۔ ہچکیاں لے کر رونے لگا اور زبردستی ایک دو لقمے حلق سے اتارے تا کہ جان نہ نکل جائے اور اپنے بھائی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنا شروع کیا۔ اتنے میں اسے ایک مسلمان درزی دکھائی دیا۔ اس کی دوکان پر بیٹھ کر اس نے اپنا قصہ بیان کیا۔ درزی نے کہا کہ اگر تیرا بھائی کسی آتش پرست کے ہاتھ پڑ گیا ہے تو اس کا ملنا مشکل ہے۔ خدا تم دونوں کو ملا دے! پھر اس نے کہا کہ بھائی اگر تیرا جی چاہے تو تو میرے گھر میں رہ۔ امجد رضا مند ہو گیا۔ درزی کو بہت ہی خوشی ہوئی۔ اب

شہزادہ درزی کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ اس کی تسلی تشفی کرتا۔ صبر دلاتا اور سینے پرونے کی تعلیم بھی دیتا۔

ایک روز امجد نے دریا کے کنارے جا کر اپنے کپڑے دھوئے اور حمام میں غسل کر کے صاف ستھرا ہو کر شہر کی سیر کرنے لگا۔ راستے میں اسے ایک نہایت حسین و جمیل عورت ملی جس کا قد اور ناک نقشہ لاجواب تھا۔ جب عورت کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اپنی نقاب اٹھا دی۔ بھوؤں اور ہونٹوں سے اشارے کرنے اور آنکھیں مارنے لگی! اس کی اشارہ بازیوں پر اس کا دل بھی آ گیا اور طبیعت ادھر کھینچنے لگی۔ اس نے محبت سے اس کی طرف نظر کی۔ عورت نے ٹھنڈا سانس لیا۔ امجد کہنے لگا کہ تو' میرے ساتھ چلے گی یا میں تیرے ساتھ چلوں؟ عورت نے مارے شرم کے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض۔ امجد اس کا مطلب سمجھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اکتیس ویں رات

دو سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ امجد اس عورت کا مقصد سمجھ گیا وہ اس کے ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ اب وہ مجبور ہوا کہ اس کے لیے کوئی مکان تلاش کرے کیونکہ وہ اسے اپنے استاد درزی کے پاس لے جانے سے شرماتا تھا۔ وہ آگے آگے اور عورت پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ایک گلی سے نکلتا دوسری گلی میں جاتا۔ کبھی ادھر سے ادھر اس کوچہ بہ کوچہ پھرنے میں وہ لڑکی تھک گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی آتا ہے' ذرا صبر کر۔ یہ کہتا ہوا وہ ایک خوبصورت گلی میں مڑا اور چلنے لگا کہ لڑکی پیچھے پیچھے ہولی یہاں تک کہ وہ گلی بھی ختم ہو گئی اور اس کے آگے کوئی راستہ نہ تھا۔ امجد اپنے دل میں لاحول پڑھنے لگا اور اس نے دیکھا کہ گلی کے آخر میں ایک دروازہ ہے جس کے آگے پتھر کی دو چوکیاں بن ہوئی ہیں لیکن دروازہ بند ہے۔ ایک چوکی پر امجد بیٹھ گیا' دوسری پر لڑکی۔ لڑکی بولی' اے میرے آقا کس بات کا انتظار ہے؟ امجد نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ میں اپنے غلام کی راہ دیکھ رہا ہوں کیونکہ کنجی اس کے پاس ہے۔ میں اس سے کہہ گیا تھا کہ جب تک میں حمام سے نکلوں ہمارے لیے کھانے پینے اور مَے نوشی کا سامان مہیا کیجیو۔ اس کے بعد وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب وہ بیٹھی بیٹھی تھک جائے گی تو اپنے آپ چلی جائے گی اور پھر میں بھی اپنی راہ لوں گا۔ بہت دیر ہو گئی تو لڑکی پوچھنے لگی اے میرے آقا' غلام نے بہت دیر لگائی اور ہم یہاں سڑک پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ تو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اتنے میں وہ اٹھی اور ایک پتھر لے کر قفل کے پاس پہنچی۔ امجد نے کہا کہ جلدی مت کر' غلام کو آ جانے دے لیکن اس نے ایک نہ سنی بلکہ قفل پر اس

زور سے پتھر مارا کہ قفل کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دروازہ کھل گیا۔ امجد نے کہا کہ تو نے کیا سوچ کر ایسا کیا۔ وہ بولی کہ چل ہٹ آخر ہوا کیا! کیا یہ تیرا گھر اور تیری ملکیت نہیں ہے؟ امجد نے کہا کہ ہے لیکن قفل کے توڑنے کی کیا ضرورت تھی! لڑکی نے کچھ پروا نہ کی اور بے تکلفی سے اندر چلی گئی۔ امجد حیران پریشان اور گھر والوں کا خوف کہ اگر آ گئے تو کیا ہو گا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے؟ لڑکی نے کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور اندر کیوں نہیں آتا؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی حاضر ہوا لیکن غلام کم بخت نہ جانے کہاں مر گیا اور معلوم نہیں کہ جن باتوں کا حکم دیا تھا وہ اس نے کیں یا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی لڑکی کے ساتھ ڈرتے ڈرتے پہنچا۔

جب وہ مکان کے اندر پہنچا تو اسے وہاں ایک نفیس کمرہ نظر آیا جس کے آمنے سامنے چار چوکیاں پڑی ہوئی تھیں اور صندوق رکھے ہوئے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ ریشم اور اطلس کا فرش تھا۔ بیچ میں ایک قیمتی فوارہ تھا جس کے اردگرد جواہرات سے جڑی ہوئی سینیاں۔ ان سینیوں میں میوے اور خوشبوئیں بھری ہوئی تھیں اور ان کے قریب مے نوشی کا سامان' پاس ہی ایک شمع دان تھا جس میں ایک شمع لگی ہوئی تھی۔ سارا کمرہ نفیس کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ عمدہ عمدہ صندوق اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہر کرسی پر ایک بقچہ تھا اور اس کے اوپر درہموں اور دیناروں سے بھری ہوئی ایک ایک تھیلی۔ مکان کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی خوش حال شخص کا دولت کدہ ہے کیونکہ اس کا فرش بھی مرمر کا تھا۔ امجد نے یہ ساری چیزیں دیکھیں تو وہ اپنے اوپر ملامت کرنے اور دل میں کہنے لگا کہ اب میری جان گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن لڑکی اس جگہ کو دیکھ کر بے حد خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' غلام نے بالکل کوتاہی نہیں کی۔ اس نے مکان کو جھاڑ پونچھ کرکھانے لگانے اور میوے سجانے میں پورا سلیقہ کیا اور میں یہاں بڑے اچھے وقت پر پہنچی ہوں۔ امجد نے اس کی طرف

بالکل توجہ نہ کی کیونکہ اسے مکان والوں کا ڈر لگا ہوا تھا۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا' اے میرے دل کے مالک واہ وا! تو اس طرح کیوں کھڑا ہے؟ یہ کہہ کر وہ خوب قہقہہ مار کر ہنسی اور اس نے امجد کا اس زور سے بوسہ لیا جیسے اخروٹ ٹوٹتا ہے اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا' اگر تو نے کسی دوسرے سے وعدہ کیا ہے تو میں کمر باندھ کر اس کی خدمت کروں گی۔ اس فقرے پر امجد بھی ہنس پڑا۔ لیکن اس کا دل غصے میں بھرا ہوا تھا اور خاموش کچھ سوچنے لگا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر مکان کا مالک آ گیا تو میری جان کی خیر نہیں۔

لڑکی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی۔ امجد کے چہرے سے رنج کے آثار نمودار تھے اور دل میں ہزاروں وسوسے۔ اس کو یہ سوچ تھی کہ مکان مالک ضرور آتا ہو گا۔ میں اس سے کیا کہوں گا! وہ بلا شک مجھے مار ڈالے گا اور میری جان مفت میں جائے گی۔

اتنے میں لڑکی نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور ایک خوان لے کر دسترخوان بچھایا اور کھانا کھانے لگی۔ امجد سے بھی کہا کہ اے میرے آقا کھا۔ امجد کھانے کے لیے آگے بڑھا لیکن کھانے کو اس کا جی نہ چاہا۔ اس کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی رہیں۔ یہاں تک کہ لڑکی سیر ہو گئی اور دسترخوان بڑھا کر پھلوں کی سینی لے آئی اور پھل کھانے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد وہ شراب لائی اور صراحی کھول کر ایک جام بھرا اور امجد کو دیا۔ اس نے جام لے تو لیا لیکن اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کہیں مکان کا مالک نہ آ جائے اور مجھے نہ دیکھ لے۔ ہاتھ میں جام تھا اور آنکھیں آہٹ پر لگی ہوئی۔ اسی حالت میں مکان کا مالک آ پہنچا۔ وہ ایک غلام تھا۔ شہر کا بڑا آدمی بادشاہ کے اصطبل کا داروغہ اور یہ گھر اس نے عیش اڑانے کے لیے رکھا تھا تاکہ جب چاہے' وہاں آ کر دل بہلائے اور جس کے ساتھ چاہے تنہائی میں بیٹھے۔ آج اس نے اپنے ایک معشوق کو بلایا تھا اور اسی کے لیے مکان کی آراستگی کی تھی۔ اس غلام کا نام بہادر

تھا۔ اس کی سخاوت مشہور تھی۔ لوگوں کے ساتھ بے حد فیاضی اور نیکی کے ساتھ پیش آتا' غریبوں کو خیرات دیتا اور احسان کرتا۔ جب وہ قریب آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

• دو سو بتیس ویں رات

دو سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب گھر کا مالک اصطبل کا داروغہ بہادر دروازے کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ وہ کھلا ہوا ہے تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا' اندر جھانکا تو کیا دیکھتا ہے کہ امجد اور لڑکی دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے آگے میووں کی سینی اور صراحی رکھی ہوئی ہے۔ امجد نے ابھی پیالہ منہ کو لگایا تھا اس کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اس کی نظر داروغہ بہادر پر پڑی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی امجد کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ ادھر بہادر بھی حیرت زدہ کچھ غصہ کچھ ہنسی۔ اس نے اپنے کو ضبط کر کے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور اشارے سے کہا کہ چپ رہ اور میرے پاس آ۔ امجد نے پیالہ اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور اس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ لڑکی نے پوچھا کہ کہاں؟ اس نے سر کے اشارے سے کہا کہ پیشاپ کرنے' اور دروازے کی طرف ننگے پاؤں روانہ ہوا۔ جب اس نے بہادر کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی گھر کا مالک ہے اور جلدی سے اس کے پاس پہنچ کر اس نے بہادر کے ہاتھ چومے اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا خدا کے لیے قبل اس کے کہ تو مجھے سزا دے میری بات سن لے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا کہ اس نے اپنا ملک و وطن کیونکر چھوڑا' نیز یہ کہ وہ اپنی مرضی سے مکان میں داخل نہیں ہوا بلکہ لڑکی نے قفل توڑ کر دروازہ کھول دیا اور یہ ساری کارروائی کی۔ امجد کی باتیں اور اس کی تمام روداد سننے کے بعد بہادر سمجھ گیا کہ وہ شاہ زادہ ہے۔ اسے اس پر ترس آیا اور رحم کھا کر اس نے اس سے کہا کہ امجد' میری بات سن' میں تجھے امن و امان میں رکھوں گا۔ ہاں اگر تو' نے میری بات نہ مانی تو پھر مجھ سے برا کوئی بھی نہیں۔

امجد نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے حکم دے' میں اس کی تعمیل کروں گا کیونکہ میں تیری

مروت کا آزاد بندہ ہوں۔ بہادر بولا کہ اچھا جا اسی کمرے میں بیٹھ' جہاں تو بیٹھا تھا اور بے فکر رہ میں بھی تیرے پاس آؤں گا' میرا نام بہادر ہے' جب میں تیرے پاس پہنچوں تو' تو مجھے برا بھلا کہیو اور ڈانٹیو ڈپٹیو اور کہیو کہ تو' اب تک کہاں غائب رہا اور میرا کوئی عذر نہ سنیو بلکہ اٹھ کر مجھے ماریو۔ اگر تو نے ذرا بھی لحاظ کیا تو میں تجھے بے مارے نہ چھوڑں گا۔ اب اندر جا اور مزے اڑا بلکہ تجھے اور جس چیز کی خواہش ہو گی وہ میں تیرے لیے فوراً حاضر کر دوں گا۔ آج رات جس طرح تیرا جی چاہے گزار اور کل صبح اپنی راہ لیجیو۔ یہ اس وجہ سے کہ تو پردیسی ہے اور میں پردیسیوں سے محبت کرتا اور ان کی عزت کرتا ہوں۔

یہ سن کر امجد نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اندر گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے لڑکی سے کہا کہ اے حسینہ تو اس جگہ خوشی لے کر آئی ہے اور آج کی رات مبارک ہے۔ لڑکی بولی کہ یہ عجیب بات ہے کہ اب تو' میرا خیر مقدم کر رہا ہے۔ امجد نے کہا کہ میرا گمان تھا کہ غلام میرے ہیرے لے کر کہیں چمپت ہو گیا ہو جن میں سے ہر ایک کی قیمت دس دس ہزار دینار ہے۔ اسی لیے میرے حواس درست نہ تھے اور اسی کی تلاش میں ابھی میں باہر گیا تھا لیکن جستجو کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ سب موجود ہیں۔ نہ معلوم غلام نے اتنی دیر کیوں لگائی۔ خیر آ جائے تو میں اسے ضرور سزا دوں گا۔

امجد کی باتیں سن کر لڑکی کو اطمینان ہوا اور دونوں ہنسی مذاق کرنے اور شراب پینے اور گل چھرے اڑنے لگے۔ مغرب کا وقت ہوا تو بہادر کپڑے بدل کر کمرے سے پٹکا باندھ کر اور وہ جوتے پہن کر جو غلام پہنا کرتے ہیں ان کے پاس آیا اور سلام کر کے زمین چومی اور ہاتھ پیچھے باندھ کر سر جھکا لیا گویا وہ اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔ امجد نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے منحوس ترین غلام' تو نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ اس نے جواب دیا کہ میرے آقا میں اپنے کپڑے دھو رہا تھا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ تو یہاں ہے کیونکہ تو نے مجھے عشاء کا وقت دیا تھا۔ امجد اسے ڈانٹ کر بولا' اے

منحوس ترین غلام تو جھوٹا ہے' میں ابھی تیرے ڈنڈے لگاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اس نے بہادر کو زمین پر لٹا دیا اور ڈنڈا لے کر اسے آہستہ آہستہ مارنے لگا۔ یہ دیکھ کر لڑکی اٹھی اور امجد کے ہاتھ سے ڈنڈا لے کر بہادر کو اتنے زور سے مارنے لگی کہ مارے تکلیف کے اس کے آنسو نکل پڑے۔ اور دہائی مانگنے اور دانت پیسنے لگا۔ امجد لڑکی کو ڈانٹتا تھا کہ بس کر اور وہ کہتی تھی کہ مجھے اپنا غصہ اتار لینے دے۔ بالاخر امجد نے ڈنڈا اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔ بہادر نے اٹھ کر اپنے آنسو پونچھے اور تھوڑی دیر تک ان دونوں کی خدمت میں کھڑے رہنے کے بعد کمرے کو جھاڑا پونچھا اور قندیلیں جلائیں۔ جب بہادر اندر آتا یا باہر جاتا تو لڑکی اسے لعنت ملامت کرتی مگر امجد اس پر ناراض ہوتا اور کہتا کہ خدا کے لیے میرے غلام کو مت چھیڑ کیونکہ اسے اس کی عادت نہیں۔ اس کے بعد وہ دونوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے اور بہادر ان کی خدمت میں کھڑا رہا۔ جب آدھی رات ہو گئی اور وہ خدمت کرتے کرتے تھک گیا اس کے بدن کی چوٹیں بھی کسکنے لگی تھیں تو وہ بیچ کمرے میں سو گیا اور خراٹے لینے لگا۔ اتنے میں لڑکی کو نشہ چڑھ چکا تھا اس نے امجد سے کہا کہ اٹھ اور اس تلوار کو لے کر جو لٹکی ہوئی ہے اس غلام کی گردن اڑا دے۔ اگر تو ایسا نہ کرے گا تو میں تجھے جان سے مار ڈالوں گی۔ امجد نے کہا کہ تو آخر میرے غلام کی جان کے پیچھے کیوں پڑی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغیر اسے قتل کیے ہمیں پورا پورا مزہ نہ آئے گا' تو نہیں اٹھتا تو میں اٹھ کر اسے قتل کیے دیتی ہوں۔

امجد نے کہا کہ خدا کے لیے ایسا مت کر۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں کر کے چھوڑوں گی۔ روکتے روکتے اس نے تلوار اتار لی اور سونت کر غلام کو قتل کرنے چلی۔ امجد نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص نے ہم پر احسان کیے ہیں' ہماری پردہ پوشی کی ہے اور اپنے آپ کو میرا غلام ظاہر کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نیکی کے بدلے بدی کروں اور اس کا خون اپنی گردن پر لوں۔ یہ سوچتے ہوئے وہ لڑکی سے بولا اگر غلام کو قتل کرنا ہی ہے تو تجھ سے زیادہ میں اس کا مستحق ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے

لڑکی کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور لڑکی کی گردن پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو کر مالک مکان کے قریب جا گرا۔ دھماکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ بیٹھا اور دیکھا کہ امجد کھڑا ہے اور خون میں رنگی ہوئی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ جب اس کی نظر لڑکی پر پڑی تو اسے مردہ پایا۔ گھبرا کر پوچھا کہ ظالم یہ تو نے کیا حرکت کی۔ امجد نے لڑکی کا سارا قصہ دہرایا اور کہا کہ وہ تیرے قتل سے باز نہ آتی تھی۔ ایسی ناسزا کی یہی سزا ہے۔

بہادر نے امجد کے سر کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا کاش تو نے اسے معاف کر دیا ہوتا! اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ صبح سے پہلے اس کی لاش کہیں پھینک دی جائے۔ یہ کہہ کر بہادر نے کمر کسی لڑکی کی لاش عبا میں لپیٹی پھر اسے ایک تھیلے میں رکھ کر اپنی پیٹھ پر لادا اور امجد سے بولا کہ تو' تو پردیسی ہے اور کسی سے واقف نہیں لہٰذا یہاں بیٹھ کر صبح تک میرا انتظار کر۔ اگر میں واپس آ گیا تو تجھے ضرور مالا مال کر دوں گا اور تیرے بھائی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا اور اگر سورج نکلنے تک میں نہ لوٹا تو جان لیجیو میرا کام تمام ہو گیا۔ خدا تجھے سلامت رکھے! اور یہ سب مال و دولت تیری ملکیت ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور گلیوں میں سے گزرتا سمندر کی طرف چلا تاکہ اسے پانی میں ڈبو دے۔ سمندر کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ والی اور اس کے سپاہیوں نے چاروں طرف سے آ گھیرا! وہ بہادر کو پہچان کر حیران رہ گئے لیکن تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک عورت کی لاش پائی۔ اب کیا تھا' انہوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور رات بھر قید میں رکھا۔ صبح ہوئی تو اسے اور تھیلے کو بجنسہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ طیش میں آ گیا اور اس سے کہنے لگا کہ مردود کیا تو' ہمیشہ یہی کام کرتا ہے کہ لوگوں کو قتل کر کے سمندر میں ڈال آتا ہے اور ان کا مال و دولت لے لیتا ہے؟ نہ جانے اس طرح تو نے کتنوں کو قتل کیا ہو گا؟ بہادر نے اپنا سر نیچا کر لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو تینتیس ویں رات

جب دو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ بہادر نے بادشاہ کے سامنے سر جھکا لیا اور بادشاہ نے کہا کہ مردود' اس لڑکی کو کس نے قتل کیا؟ اس نے جواب دیا' اے مرے مالک میں نے قتل کیا ہے۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر تو بادشاہ کے غصے کی انتہا نہ رہی اور اس نے فوراً اسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ بادشاہ کا حکم صادر ہوتے ہی جلاد اسے قتل گاہ کی طرف لے چلا اور والی شاہی اصطبل کے داروغہ بہادر کے مارے جانے کی خوشی میں شہر کی سڑکوں پر ڈھنڈورا پٹوانے اور اس کی تشہیر کے درپے ہوا۔

یہ تو بہادر کا ماجرا ہوا اب امجد کا حال سنو۔ جب سویرا ہو گیا' سورج نکل آیا اور بہادر نہیں لوٹا تو وہ کہنے لگا لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ خدا جانے اس پر کیا گزری اور وہ کس حالت میں ہے! وہ اسی سوچ میں تھا کہ اس نے بہادر کے متعلق ڈھنڈورا سنا کہ وہ آج دوپہر کو پھانسی چڑھے گا۔ یہ سنتے ہی امجد کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا کہ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ وہ ناحق میری وجہ سے ہلاک ہو رہا ہے۔ اس لڑکی کو تو میں نے قتل کیا ہے۔ واللہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور دل میں بہادر کے بچانے کا پکا ارادہ کر کے وہ کمرے سے نکلا اور گھر میں قفل ڈال کر شہر میں ہوتا ہوا بہادر کے پاس پہنچا اور والی کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے آقا! بہادر کو قتل مت کر کیونکہ وہ بے جرم ہے' لڑکی کا قاتل میں ہوں۔ یہ سن کر والی اسے اور بہادر کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو کچھ امجد سے سنا تھا' کہہ سنایا۔ بادشاہ نے امجد کی طرف دیکھا کہ کیا تو نے اس لڑکی کا قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ لڑکی کو قتل کرنے کا سبب بتا مگر سچ سچ کہیو۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ میرا ماجرا اتنا عجیب و غریب ہے کہ اگر اسے سوئیوں سے آنکھوں کے

پردوں پر لکھا جائے تو لوگ اس سے سبق حاصل کریں گے۔ یہ کہہ کر اس نے بادشاہ سے اپنا سارا قصہ اور جو کچھ اس پر اور اس کے بھائی پر گزری تھی اول سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ بادشاہ سخت متعجب ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ تو بے جرم ہے لیکن اے جوان کیا تو میرا وزیر بننا چاہتا ہے۔

امجد نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ اب بادشاہ نے اسے اور بہادر کو عمدہ عمدہ خلعت دیئے اور رہائش کے لیے اسے ایک خوبصورت مکان اور نوکر چاکر عنایت کیے۔ اس کی ضرورت کے سارے سامان کیے۔ اس کی تنخواہ اور روزینہ مقرر کر دیا۔ اور اس سے کہا کہ اپنے بھائی اسعد کا پتہ چلا۔ امجد وزیر کی کرسی پر بیٹھا' نئے نئے احکام جاری اور عدل کے ساتھ فیصلے کرنے لگا کسی کو رتبہ دیا اور کسی کو معزول کیا۔ کسی کا مال ضبط کیا اور کسی کو عطا کیا اور اپنے بھائی اسعد کے متعلق شہر کے گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ ڈھنڈورا ایک مدت تک پٹتا رہا مگر اس کا نہ کہیں پتا چلا اور نہ کوئی سراغ لگا۔

یہ تو امجد کی سرگزشت ہوئی' اب اسعد کی داستان سنئے۔ آتش پرست اسے دن رات مارتے پیٹتے یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا اور مجوسیوں کا عید کا زمانہ آ گیا۔ آتش پرست بہرام نے سفر کی تیاری کی اور ایک کشتی کا انتظام کیا۔

اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چونتیس ویں رات

دو سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ آتش پرست بہرام نے سفر کے لیے کشتی تیار کر لی تو اسعد کو ایک صندوق میں بند کیا اور اس میں قفل ڈال کر اسے کشتی کے اندر لے گیا۔ جس وقت بہرام اسعد کو صندوق میں بند کر کے کشتی میں لے جا رہا تھا اتفاقاً امجد اپنے جھروکوں سے سمندر کی سیر کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ کشتی میں سامان لیے جا رہے ہیں۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کا گھوڑا لائیں۔ وہ سوار ہوا اور اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر سمندر کی جانب چل کھڑا ہوا اور آتش پرست کی کشتی کے پاس کھڑے ہو کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کشتی کے سامان کی تلاشی لیں لیکن تلاشی میں کوئی چیز قابل اعتراض نہ ملی اور امجد واپس لوٹ آیا۔ راستے میں پھر کچھ خیال آیا اور آتش پرست کے مکان پر گیا۔ وہاں پہنچ کر پھر اس کے دل میں ایک قسم کی بے چینی محسوس ہوئی اور ایک جگہ مکان کی دیوار پر دو شعر لکھے ہوئے دیکھے: "دوستو اگرچہ تم میری آنکھوں کے آگے نہیں لیکن تم میرے دل سے غائب نہیں ہو۔ تم نے مجھے بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیا اور میرا سونا سوگند ہو گیا ہے اور خود تم سو رہے ہو۔" یہ پڑھ کر امجد کو اپنے بھائی کی یاد آ گئی اور وہ رونے لگا۔

اس کو یہاں چھوڑ کر اب آتش پرست بہرام کا ماجرا سنئے۔ اس نے کشتی پر سوار ہو کر ملاحوں سے کہا کہ جلدی سے بادبان کھولو۔ بادبان کھول دیئے گئے اور کشتی روانہ ہوئی۔ کئی دن اور رات چلتے رہے۔ آتش پرست ہر دوسرے دن اسعد کو نکالتا اور اسے تھوڑا سا کھانا کھلا کر تھوڑا سا پانی پلا دیتا۔ آخر وہ آتش فشاں پہاڑ کے پاس پہنچ گئے۔ کنارا ابھی دور تھا کہ طوفان آ گیا اور کشتی راہ سے بے راہ ہو گئی اور جہاں وہ جانا چاہتے

تھے' اس سے ہٹ گئے۔ کشتی موجوں کے تھپیڑے کھاتی ہوئی دوسرے سمندر میں جا نکلی اور لب ساحل ایک شہر پر جا لگی جس کے قلعے کی کھڑکیاں سمندر کی طرف تھیں۔

اس شہر پر ایک عورت حکمران تھی' جس کا نام ملکہ مرجانہ تھا۔ ناخدا نے بہرام سے کہا کہ اے میرے آقا' ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس شہر میں جا کر آرام کریں۔ اس کے بعد جو خدا کو منظور ہے' ہو گا۔ بہرام نے کہا کہ جو کچھ تو نے کیا۔ ٹھیک کیا اور جو تیری رائے ہے' درست ہے اور میں تیری ہی رائے کے موافق کام کروں گا۔ ناخدا نے کہا کہ اگر ہمیں ملکہ نے بلا کر پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ بہرام نے کہا کہ ہم اس مسلمان کو جو ہمارے ساتھ ہے غلاموں کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ لے لیں گے جب ملکہ دیکھے گی تو اس کا خیال ہو گا کہ یہ غلام ہے اور ہمیں پوچھا تو میں کہہ دوں گا کہ میں غلاموں کی تجارت کرتا ہوں' میرے پاس بہت سے غلام تھے جن کو میں نے بیچ ڈالا ہے۔ اب اس غلام کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا۔ ناخدا نے کہا کہ یہ تو نے خوب بات کہی۔ اس کے بعد انھوں نے لنگر ڈال دیا۔ بادبان لپیٹ دیئے اور کشتی سے اتر پڑے

اتنے میں ملکہ مرجانہ اپنے خدم و حشم کے ساتھ وہاں پہنچی اور کشتی کے پاس کھڑے ہو کر ناخدا کو آواز دی۔ اس نے ملکہ کے پاس آ کر زمین کو بوسہ دیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ تیری اس کشتی میں کیا کیا سامان ہے؟ اور تیرے ساتھ کون کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا کہ جہاں پناہ' میرے ساتھ ایک تاجر ہے جو غلاموں کی خرید و فروخت کرتا ہے' ملکہ نے کہا کہ اسے بلا۔ اتنے میں بہرام نکلا۔ اسعد غلاموں کے انداز میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب بہرام ملکہ کے پاس پہنچا تو زمین چوم کر مودب کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے کہا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں غلاموں کا تاجر ہوں۔ اب ملکہ کی نظر اسعد پر پڑی۔ وہ سمجھی کہ یہ غلام ہے اور اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ رونے کی وجہ سے اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی اور اس نے بڑی مشکل سے کہا کہ میرا نام اسعد ہے۔ ملکہ کو اس پر ترس آ گیا اور اس نے پوچھا کہ تجھے لکھنا

پڑھنا آتا ہے؟ اسعد نے عرض کیا' ہاں۔ ملکہ نے اسے دوات اور قلم اور کاغذ دے کر کہا کہ کچھ لکھ تا کہ میں دیکھوں۔ اس نے لکھا: جس شخص کے اوپر قسمت کی چکی چل رہی ہو اور اس کے لیے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اس کی مشکیں باندھ کر پانی میں ڈال دیا گیا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ خبردار بھیگیو مت۔" یہ پڑھ کر جذبہ رحم سے ملکہ کا دل کانپ اٹھا اور وہ بہرام سے کہنے لگی کہ اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے کہا کہ اے میری آقا اس کا بیچنا ممکن نہیں۔ میں اپنے سارے غلام بیچ چکا ہوں اور اب اس کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا۔ ملکہ مرجانہ بولی' میں اسے تجھ سے لے کر رہوں گی خواہ تو بیچے یا ہدیہ دے۔ بہرام نے کہا کہ نہ میں بیچوں گا اور نہ ہدیہ دوں گا۔ یہ سن کر ملکہ نے اسعد کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر قلعے میں چلی گئی اور بہرام کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تو آج ہی رات کو ہمارے شہر سے نہ چلا گیا تو میں تیرا مال ضبط کروں گی اور تیری کشتی توڑ ڈالوں گی۔ جب بہرام کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اسے بڑا رنج ہوا اور اس نے کہا کہ یہ سفر منحوس ہے اور اٹھ کر سفر کی تیاری کرنے لگا۔ تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لیں اور انتظار کرنے لگا کہ رات ہو تو روانہ ہو جاؤں۔ اس نے ملاحوں سے کہا کہ چلنے کی تیاری کرو' مشکوں میں پانی بھر لوں اور پچھلی رات کو بادبان کھول دو۔ ملاح اپنے کام میں لگ گئے اور رات کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

یہ تو ان کا حال ہوا۔ اب ملکہ مرجانہ کی سنو! وہ اسعد کو لے کر قلعے میں گئی۔ سمندر کی طرف والی کھڑکیاں کھول دیں اور لونڈیوں سے کہا کہ کھانا لائیں۔ جب وہ ان دونوں کے لیے کھانا لائیں تو انہوں نے کھایا۔ اس کے بعد ملکہ نے شراب لانے کا حکم دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- # دو سو پینتیس ویں رات

جب دو سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلکہ مرجانہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ شراب پیش کریں۔ انھوں نے شراب پیش کی اور اس نے اسعد کے ساتھ شراب پی۔ خدا نے اس کے دل میں اسعد کی محبت ڈال دی۔ وہ اسے جام پر جام پلائے جاتی حتیٰ کہ اس کے ہاتھ پاؤں قابو میں نہ رہے۔ اتنے میں اسے رفع حاجت کی ضرورت ہوئی۔ لڑکھڑاتا ہوا مدہوش تھا نکلا چلا گیا۔ چلتے چلتے ایک بہت بڑے باغ میں جا پہنچا جس میں ہر طرح کے میوے اور پھول تھے۔ وہیں اس نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی حاجت رفع کی اور وہاں سے اٹھ کر ایک حوض کے پاس گیا جو باغ میں تھا اور پاجامہ باندھتے نشہ کے جھونکے سے چت گر پڑا۔ ٹھنڈی ہوا تھی پڑتے ہی سو گیا اور رات ہو گئی۔

ادھر اسعد پڑا سو رہا تھا۔ ادھر جب رات ہوئی تو بہرام نے چلا کر ملاحوں سے کہا کہ بادبان کھول دو اور چلو۔ انھوں نے کہا کہ ابھی چلتے ہیں۔ اتنا ٹھہر جا کہ ہم اپنی مشکیں بھر لیں اور سوار ہو جائیں یہ کہہ کر ملاح مشکوں کو لے کر پانی بھرنے نکلے۔ قلعے کے چاروں طرف گھومتے رہے لیکن باغ کی دیوار کے سوا انہیں اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس لیے وہ دیوار پر چڑھ کر باغ میں اتر گئے اور پانی کی تلاش میں اس روش پر ہو لیے جو حوض میں جاتی تھی۔ جب وہ حوض کے پاس پہنچے تو انھوں نے ایک نوجوان کو چت پڑا دیکھا اور اسعد کو پہچان کر خوش ہو گئے' اپنی مشکیں بھرنے کے بعد اسے بھی اٹھا لیا' دیوار پھاند کر جلد جلد بہرام کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ خوش ہو کہ تیری مراد بر آئی' تیرا دل ٹھنڈا ہوا اور تیرا بول بالا رہا کیونکہ جس تیرے قیدی کو ملکہ مرجانہ زبردستی لے گئی تھی' وہ ہمیں مل گیا اور ہم اسے تیرے پاس لے آئے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اسعد کو اس کے آگے ڈال دیا۔ بہرام کی نظر اس پر پڑی تو مارے خوشی

کے اس کا دل اچھلنے لگا۔ اسے اطمینان ہوا اور اس نے ملاحوں کو انعام دیئے اور ان سے کہا کہ اب جلدی سے بادبان کھول دو۔ وہ بادبان کھول کر آتش فشاں پہاڑ کی طرف

روانہ ہو گئے اور صبح تک چلتے رہے۔

وہاں کشتی چلی جا رہی تھی اور یہاں اسعد کے باہر جانے کے بعد ملکہ مرجانہ نے تھوڑی دیر تو انتظار کیا اور جب وہ نہ آیا تو وہ خود اٹھ کر اسے ڈھونڈنے نکلی مگر اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ اس نے موم بتیاں جلائیں اور کنیزوں سے کہا کہ اسے تلاش کریں۔ اس کے بعد وہ خود باہر آئی اور اس نے دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے' اس کا خیال ہوا کہ وہ باغ میں گیا ہو گا۔ وہ باغ میں گئی اور دیکھا کہ حوض کے پاس اس کا جوتا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے سارے باغ کا چکر لگایا کہ شاید مل جائے غرض کہ صبح تک باغ کے کونے کونے میں ڈھونڈتی رہی۔ وہ ہوتا تو ملتا۔ پھر اس نے کشتی کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ تہائی رات گزرے اس نے لنگر اٹھا دیا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہی لوگ اسے لے گئے۔ اسے افسوس ہوا اور وہ غضب ناک ہو گئی۔ حکم دیا کہ ابھی دس بڑے جہاز تیار کیے جائیں۔ اس نے جنگ کی ٹھان لی اور ان دس جہازوں میں سے ایک پر خود سوار ہو کر اپنے ساتھ غلام اور لونڈیاں اور اپنا لشکر لے لیا جن کے پاس بہترین جنگ کا سامان اور ہتھیار تھے اور بادبان کھول دیئے اور سرداروں سے کہنے لگی کہ اگر تم نے اس آتش پرست کی کشتی کو پکڑ لیا تو میں تمہیں خلعتیں اور مال و دولت دوں گی اور اگر نہ پکڑا تو ایک ایک کو قتل کر دوں گی۔ یہ سن کر ملاحوں کو ڈر بھی لگا اور امید بھی ہوئی اور انہوں نے جہازوں کو کھینا شروع کیا۔ دن بھر اور رات بھر اور پھر دوسرے دن اور تیسرے دن برابر چلتے رہے۔ چوتھے دن انہیں اس آتش پرست بہرام کی کشتی دکھائی دی اس وقت اس نے اسعد کو باہر نکالا تھا اور اس غریب پر کوڑے پڑ رہے تھے اور اسعد مدد مانگ رہا تھا اور دہائیاں دے رہا تھا لیکن انسانوں میں سے نہ کوئی بھی اس کی مدد کو آتا اور نہ پناہ دیتا تھا۔ کوڑوں کی وجہ سے اس

کی بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ ابھی وہ اسے مار ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ جہازوں نے اس کی کشتی کو گھیر لیا ہے وہ اس کے گرد اس طرح چکر لگا رہے ہیں جیسے آنکھ

کی سفیدی سیاہی کے گرد۔

اسے یقین ہو گیا کہ اب میں ضرور مارا جاؤں گا۔ بہرام نے ایک آہ بھری اور کہنے لگا کہ لعنت ہو تجھ پر اے اسعد' یہ ساری مصیبت تیری وجہ سے آئی ہے اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے سمندر میں پھینک دو اور اس سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں اپنے مرنے سے پہلے تجھے مار کر چھوڑوں گا۔ لوگوں نے اس کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر اسے سمندر میں ڈال دیا۔ چونکہ خدا کو منظور تھا کہ وہ بچ جائے اور ابھی کچھ دن زندہ رہے' اس لیے وہ ڈوب کر ابھرا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا' اور خدا نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ لہروں نے اسے اٹھا کر آتش پرست کی کشتی سے دور پھینک دیا اور وہ دور خشکی پر جا پہنچا مگر اسے اپنی نجات کا یقین نہ آتا تھا۔

خشکی پر پہنچ کر اس نے اپنے کپڑے اتارے' انہیں نچوڑ کر پھیلایا اور ننگا بیٹھ کر اپنے حال اور مصائب' اپنی بے کسی' قید اور غربت پر رونے لگا۔ اس کے بعد اس نے اٹھ کر پھر اپنے کپڑے پہن لیے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ وہ گھاس پات اور درختوں کے پھل کھاتا' چشموں کا پانی پیتا دن رات چلتا رہا۔ آخر ایک شہر کے قریب پہنچا اور خوش ہو کر تیز تیز چلنے لگا۔ جب وہ شہر کے پاس پہنچا تو شام ہو گئی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چھتیس ویں رات

دو سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ جب اسعد شہر کے پاس پہنچا تو شام ہو گئی تھی اور شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ خدا کا کرنا

ایسا ہوتا ہے کہ یہ وہی شہر تھا جہاں وہ قید تھا اور بھائی کی وزارت تھی۔ اسعد نے شہر کو بند پایا تو وہ مقبرے کی جانب چل دیا۔ قبرستان پہنچ کر دیکھا کہ ایک مقبرہ بغیر دروازے کے ہے' وہ اس میں داخل ہوا اور اپنی آستین میں منہ ڈال کر سو گیا۔
ادھر جب ملکہ مرجانہ جہاز لے کر بہرام آتش پرست کے پاس پہنچی تو وہ اسے چکمہ دے کر نکل گیا۔ اور فوراً خوش خوش چل کر صحیح و سالم اپنے شہر میں جا اترا۔ سمندر سے اس کے گھر کا راستہ بھی قبرستان سے ہو کر تھا۔ مقبروں کے درمیان گزرتے گزرتے اتفاق کی بات کہ اس کی اس کھلے ہوئے مقبرے پر نظر پڑی جس میں اسعد سو رہا تھا۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ یہ مقبرہ کیوں کھلا ہوا ہے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ چلو اندر چل کر دیکھیں۔ اندر گیا تو دیکھا کہ اسعد قبر کے پہلو میں پڑا سو رہا ہے اور اس کا سر آستین کے اندر ہے۔ اس نے جلدی سے اس کا چہرہ دیکھا اور اسے پہچان کر کہنے لگا کہ تو ابھی تک زندہ ہے اور وہ اسے پکڑ کر اپنے گھر لے گیا جہاں مسلمانوں کو مارنے پیٹنے کے لیے تہہ خانہ تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام بستان تھا۔ آتش پرست نے اسعد کے پاؤں میں بھاری بھاری بیڑیاں ڈال کر اسے تہہ خانے میں بند کر دیا اور اپنی بیٹی کو اس پر مقرر کر دیا کہ وہ اسے دن رات مارے' یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اس کے بعد اس نے اسے خوب مارا اور تہہ خانے میں قفل ڈال کر اس کی کنجی اپنی بیٹی کو دے دی۔ اب اس کی بیٹی بستان نے تہہ خانہ کھولا اور اسے مارنے کے لیے نیچے اتری لیکن اس نے دیکھا کہ وہ خوبصورت جوان ہے۔ اس کی بھویں کمان

کی طرح ہیں اور آنکھیں کالی کالی' اس کے دل میں اس کی محبت سما گئی۔ اس نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام اسعد ہے۔ لڑکی نے کہا کہ مبارک ہو تو' اور مبارک ہو تیری زندگی! تو مارے جانے اور تکلیف دیئے جانے کا مستحق نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو مظلوم ہے۔ پھر لڑکی نے اسے تسلی دی۔ اس کی بیڑیاں کھول دیں اور اسلام کے متعلق اس سے سوال کیے۔ شہزادے نے کہا کہ وہی سچا اور مضبوط دین ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم صاف معجزے اور کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے ہیں اور آگ نقصان پہنچاتی ہے' فائدہ نہیں دیتی۔ وہ اسلام اور اس کے ارکان کے متعلق اسے بتاتا رہا۔ یہاں تک کہ لڑکی کے دل میں ایمان نے گھر کر لیا اور ساتھ ہی خدا نے اسعد کی محبت بھی اس کے اندر پیدا کر دی اور شہادت کے دونوں کلمے پڑھ کر سعادت مندو میں سے ہو گئی۔ وہ اسے کھلاتی پلاتی اور اس کے ساتھ باتیں کرتی اور نماز پڑھتی۔ وہ اس کے لیے مرغی کی یخنیاں پکاتی اس طرح خدا نے اس کی رکھوالی کی اس میں قوت آ گئی۔ اور اس کی ساری بیماریاں دور ہو گئیں اور وہ پہلے کی طرح تندرست ہو گیا۔

یونہی شب و روز گزر رہے تھے کہ ایک دن بہرام کی بیٹی کوئی نئی آواز سن کر اسعد کے پاس سے اٹھی اور جا کر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک شخص کو ڈھنڈورا پیٹتے سنا کہ جس کے پاس ایک حسین جوان ہو جس کا حلیہ اس اس طرح کا ہے اور وہ اسے پیش کر دے تو وہ جس قدر مال و دولت مانگے گا' اسے ملے گا۔ اور اگر اسے پیش نہ کیا تو اسے اس کے دروازے پر پھانسی دی جائے گی اور اس کا مال لوٹ لیا جائے گا اور اس کا خون بدر کر دیا جائے گا۔ اسعد بہرام کی بیٹی بستان سے اپنا سارا ماجرا بیان کر ہی چکا تھا اس لیے جب اس نے یہ ڈھنڈورا سنا تو سمجھ گئی کہ یہ اسی کے لیے ہے اور اندر جا کر اس نے اسے خبر کی اور وہ نکل کر وزیر کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اسعد کی نظر وزیر پر پڑی تو وہ کہنے لگا کہ واللہ یہ تو میرا بھائی امجد ہے۔

اسعد اپنے بھائی کو دیکھ کر اس سے لپٹ گیا۔ امجد نے بھی اسے پہچان کر اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور اسے گلے لگایا اور سارے غلام ان کے گرد جمع ہو گئے۔

تھوڑی دیر تک اسعد اور امجد دونوں غشی کی حالت میں رہے اور جب انہیں ہوش آیا تو امجد اپنے بھائی کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور سارا ماجرا سنایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بہرام کا گھر لوٹ لیا جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو سینتیس ویں رات

جب دو سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ سلطان نے امجد کو حکم دیا کہ بہرام کا گھر لوٹ لیا جائے اور اسے پھانسی پر چڑھا دیا

جائے۔ وزیر نے اس کام کے لیے جماعت روانہ کی اور انہوں نے جا کر بہرام کے گھر کو لوٹ لیا اور اس کی بیٹی کو وزیر کے پاس لائے۔ اس نے اس کی آؤ بھگت کی اور اسعد نے اپنے بھائی سے اپنی ساری تکالیف اور ان احسانات کا ذکر کیا جو بہرام کی بیٹی نے اس کے ساتھ کیے تھے۔ اس پر امجد نے اس کی اور بھی زیادہ تعظیم کی۔ بعد ازاں امجد نے اسعد سے وہ ماجرا بیان کیا جو اسے لڑکی کے ساتھ پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ کس طرح پھانسی پر چڑھتے چڑھتے رہ گیا اور وزیر ہو گیا اور پھر دونوں ایک دوسرے سے جدائی کا دکھڑا رونے لگے۔ اس اثناء میں سلطان نے بہرام کو بلا کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ بہرام نے کہا کہ اے زبردست بادشاہ کیا تو نے میرے قتل کی ٹھان لی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ بہرام بولا کہ اے بادشاہ ذرا صبر کر۔ یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر شہادت کا کلمہ پڑھا اور سلطان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ سب اس کے مسلمان ہونے پر خوش تھے اور امجد اور اسعد نے اس سے اپنے سارے قصے بیان کیے جسے سن کر اسے سخت اچنبھا ہوا اور وہ ان سے کہنے لگا کہ اے میرے آقاؤ سفر کی تیاری کرو' میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اس کے اسلام لانے اور اس کی گفتگو پر دونوں بھائی فرط خوشی سے زار زار رونے لگے۔ بہرام نے کہا کہ اے میرے آقا' یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو اس سفر کی وجہ سے تم سب آپس میں مل جاؤ گے جس طرح نعمت اور نعم ملے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ نعمت اور نعم کی کیا کہانی ہے؟

○ نعمت بن الربیع اور اس کی کنیز نعم کی کہانی

بہرام نے کہا کہ خدا بہتر جانتا ہے مگر لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ کوفے میں ایک شریف آدمی رہتا تھا جس کا نام ربیع بن حاتم تھا۔ نہایت مال دار اور خوش حال' خدا نے اسے ایک بیٹا دیا جس کا نام اس نے نعمت اللہ رکھا۔ ایک دن جبکہ وہ غلاموں کے بازار میں گشت کر رہا تھا اس کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو بکنے کے لیے آئی تھی اور جس کے ساتھ ایک خوبصورت سی لڑکی تھی۔ ربیع نے دلال کو اشارہ کر کے کہا کہ اس عورت اور اس کی بیٹی کے کیا دام ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پچاس دینار۔ ربیع نے کہا کہ بیع نامہ لکھ دے اور دام لے کر اس کے مالک کو دے دے۔ یہ کہہ کر اس نے دلال کو کنیز کی قیمت اور اس کی دلالی دے دی اور کنیز اور اس کی بیٹی کو لے کر گھر چلا گیا۔ جب اس کی چچیری بہن نے کنیز کو دیکھا تو اس سے کہنے لگی کہ اے چچیرے بھائی یہ کنیز کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے اس بچی کی خاطر خریدا ہے جو اس کے ساتھ ہے کیونکہ جب یہ بڑی ہو گی تو عرب و عجم میں اس کا جواب نہ ہو گا۔ اس کی چچیری بہن نے کہا کہ تیرا خیال بجا ہے۔

یہ کہہ کر اس نے کنیز سے کہا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میری آقا میرا نام توفیق ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ تیری بیٹی کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ سعد؟ اس نے کہا کہ تو سچ کہتی ہے' مبارک ہو تو' اور وہ جس نے تجھے خریدا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی' تو اس کا نام کیا رکھے گا؟ ربیع نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے۔ اس نے کہا کہ نعم۔ ربیع نے کہا کہ بہت مناسب۔

اب نعم کی پرورش نعمت بن الربیع کے ساتھ ایک ہی گھوارے میں ہونے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں دس دس سال کے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے زیادہ خوبصورت تھے۔ لڑکا اسے بہن کہتا اور وہ اسے بھائی کہہ کر پکارتی۔ نعمت سن بلوغ کو پہنچا تو

ایک دن اس کے باپ نے اس سے کہا کہ بیٹا نعم تیری بہن نہیں بلکہ کنیز ہے۔ جب تو گھوارے میں تھا تو میں نے اسے خرید کر تیرا ہمنام بنایا' آج سے تو اسے بہن نہ کہا کر۔ نعمت نے اپنے باپ سے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اس سے شادی کروں گا۔ اس نے اپنی ماں کے پاس جا کر بھی یہی کہا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا وہ تیری کنیز ہے چنانچہ نعمت بن الربیع نے اس کنیز کے ساتھ خلوت کی اور دونوں میں محبت ہو گئی۔ اسی طرح ایک مدت گزر گئی۔ کوفے بھر میں اس سے زیادہ حسین و جمیل کوئی لڑکی نہ تھی۔ بڑی ہو کر اس نے قرآن و دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی' مختلف باجے بجانے سیکھے اور گانے بجانے میں بڑا کمال پیدا کیا۔ ایسی ہنر مندی ہوئی کہ زمانے میں اس کا جواب نہ رہا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ مے نوشی کرتی کبھی کوئی ساز بجاتی' کبھی مزے میں آ کر گانے لگتی۔ اور جب وہ گا بجا چکتی تو نعمت کہتا ماشاء اللہ' اے نعم ماشاء اللہ۔

ادھر وہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کر رہے تھے اور ادھر حجاج اپنے محل میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کو اڑانا چاہیے جس کا نام نعم ہے اور اسے امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کے پاس بھیجنا چاہیے کیونکہ اس کے محل میں نہ اس لڑکی سے زیادہ کوئی خوبصورت ہے اور نہ بہتر گانے والی۔ سوچتے سوچتے اس نے اپنے گھر کی ایک بڑھیا کو بلا کر کہا کہ ربیع کے گھر جا کر نعم کنیز سے مل اور کسی ترکیب سے اسے اڑا لا کیونکہ وہ دنیا بھر میں لاجواب ہے۔ بڑھیا نے حجاج کا کہنا مان لیا۔

صبح ہوتے ہی اس نے اپنا صوفیانہ لباس پہنا' گلے میں ہزار دانہ تسبیح ڈالی۔ ایک ہاتھ میں جریب اور دوسرے میں یمنی کوزہ لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو اڑتیسویں رات

جب دو سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- بڑھیا گلے میں ہزار دانہ تسبیح ڈال کر اور جریب اور یمنی کوزہ لے کر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ کہتی ہوئی چل کھڑی ہوئی۔ زبان سے تسبیح و تہلیل پڑھتی دل میں مکرو فریب گانٹھتی وہ ظہر کی نماز کے وقت نعمت بن الربیع کے گھر پہنچی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان نے دروازہ کھول کر پوچھا کہ کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک اللہ والی عورت ہوں' ظہر کا وقت ہوا ہے' چاہتی ہوں کہ اس مبارک مکان میں نماز پڑھوں۔ دربان نے کہا کہ بڑھیا' یہ نعمت بن الربیع کا مکان ہے نہ جامع ہے نہ مسجد۔ بڑھیا بولی کہ میں بھی جانتی ہوں۔ نعمت بن الربیع کے مکان کی شکل جامع اور عبادت گاہ کی سی نہیں مگر نماز تو ہر جگہ پڑھ سکتے ہیں اور میں کوئی ایسی ویسی نہیں۔ امیرالمومنین کے محل کی خادمہ ہوں' عبادت اور سیاحت کی خاطر یہاں آنا ہوا ہے۔ دربان نے کہا کہ کچھ بھی سہی میں تجھے اندر نہیں جانے دوں گا۔ اب دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ بڑھیا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ اور کہنے لگی کہ تو' تو مجھ جیسی عورت کو نعمت بن الربیع کے مکان میں جانے سے روکتا ہے حالانکہ میں امراء اور اکابر کے مکانوں میں آتی جاتی ہوں۔ اتنے میں نعمت باہر نکل آیا اور بڑھیا کی باتیں سن کر ہنسنے لگا اور اس سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آ۔ نعمت آگے آگے چلا اور بڑھیا اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔ وہ اسے نعم کے پاس لے گیا۔ بڑھیا نے اسے سلام کیا اور بڑھیا اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی اور حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔

پھر بولی بیگم میں تجھے اس خدا کی پناہ دیتی ہوں جس نے تجھے اور تیرے آقا کو ایک ہی حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

یہ کہہ کر بڑھیا محراب کے اندر کھڑی ہو کر رکوع و سجود' استغفار و دعا میں مشغول ہو

گئی۔ یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھانے لگا۔ لڑکی نے بڑھیا سے کہا کہ مادر مہربان ذرا اپنے پاؤں کو آرام لینے دے۔ بڑھیا بولی' نور چشم جو آخرت کا خواہش مند ہوتا ہے وہ دنیا میں اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے اور جو اپنی جان دنیا میں جوکھوں میں نہیں ڈالتا' اسے آخرت میں نیکیوں کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد نعم نے بڑھیا کے آگے کھانا پیش کر کے کہا کہ میرا کھانا کھا اور میرے لیے توبہ اور رحمت کی دعا کر۔ بڑھیا نے کہا کہ برخوددار میرا روزہ ہے' تو ابھی لڑکی ہے' تیرے لیے کھانا پینا اور خوشی منانا جائز ہے۔ خدا تیری توبہ قبول کرے گا۔ خدا کہتا ہے الا من تاب وآمن وعمل علملا صالحا۔ الغرض لڑکی بڑھیا کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ بعد ازاں نعم نے نعمت سے کہا کہ اے میرے آقا اس بڑھیا کو قسم دے کہ ہمارے ہاں کچھ مدت تک رہے۔ اس کے چہرے سے عبادت کا اثر نمودار ہے۔ نعمت بولا' میں اس کے لیے ایک کمرہ خالی کرائے دیتا ہوں جہاں وہ عبادت کیا کرے اور وہاں کوئی اور نہ جانے پائے تاکہ اس کی برکت سے خدا ہمیں فائدہ پہنچائے اور ہمارے درمیان جدائی نہ ڈالے۔ اس رات بڑھیا صبح تک وہیں نماز پڑھتی اور تلاوت کرتی رہی۔ جب سویرا ہوا تو وہ نعمت اور نعم کے پاس آئی اور صبح بخیر کہہ کر کہنے لگی کہ میں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ نعم نے کہا کہ اماں تو کہاں جاتی ہے؟ میرے آقا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تیرے لیے ایک کمرہ خالی کرا دوں گا جہاں تو عبادت میں مشغول رہے اور نماز پڑھا کرے۔ بڑھیا بولی کہ خدا اسے سلامت رکھے اور تم دونوں کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کرتا رہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنے دربان سے کہہ دو کہ وہ مجھے تمہارے پاس آنے سے نہ روکے۔ انشاء اللہ میں متبرک جگہوں میں جا کر نماز اور عبادت کے بعد دن رات تمہارے لیے دعا کروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا چل دی اور کنیز نعم اس کی جدائی میں رونے لگی اور اس کی بات کی طرف اس نے بالکل خیال نہ کیا کہ بڑھیا اس کے پاس کیوں آئی تھی۔

بڑھیا حجاج کے پاس پہنچی تو اس نے کہا کہ کیا کر آئی؟ بڑھیا بولی میں ایک لڑکی کو دیکھ کر آئی ہوں۔ اس زمانے میں کسی عورت نے اس سے زیادہ حسین لڑکی پیدا نہیں کی ہے۔ حجاج کہنے لگا کہ اگر تو نے میرا کام کر دیا تو میں تجھے مالا مال کر دوں گا۔ بڑھیا نے عرض کیا' مجھے ایک مہینے کی مہلت دے۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے ایک مہینے کی مہلت دی۔ اس کے بعد بڑھیا نے نعمت اور اس کی کنیز نعم کے گھر آمد و رفت جاری کر دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو انتالیسویں رات

جب دو سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ بڑھیا نعمت اور نعم کے ہاں آیا جایا کرتی تھی اور وہ آئے دن اس کی زیادہ سے زیادہ آؤ بھگت کرتے۔

بڑھیا صبح و شام ان کے پاس پہنچ جاتی اور سارے گھر والے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اب بڑھیا ایک روز لڑکی سے تنہائی میں ملی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا اگر میرا جانا متبرک مقاموں پر ہوا تو میں تیرے لیے دعا کروں گی لیکن میری خواہش ہے کہ تو' بھی میرے ساتھ چل کر پہنچے ہوئے بزرگوں کی زیارت کر اور جس بات کی طالب ہو وہ تیرے لیے دعا کریں۔ نعم نے کہا کہ اماں خدا کے لیے مجھے ساتھ لے چل۔ اس نے جواب دیا کہ پہلے اپنی ساس سے اجازت لے پھر میں تجھے اپنے ساتھ لے چلوں گی۔ لڑکی نے اپنی ساس نعمت کی ماں سے کہا کہ اے گھر کی بڑی بوڑھی میرے آقا سے میرے لیے اجازت مانگ کہ میں اور تو ایک دن اس خدا رسیدہ بڑھیا کے ساتھ متبرک مقامات پر چل کر فقراء کے ساتھ نماز پڑھیں اور دعا مانگیں۔ جب نعمت گھر آیا اور بیٹھا تو بڑھیا نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومنے چاہے مگر اس نے منع کیا۔ بڑھیا اسے دعا دے کر چلی گئی۔ دوسرا دن ہوا تو بڑھیا پھر آئی۔ نعمت گھر میں نہ تھا۔ بڑھیا نے نعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے کل تمہارے لیے دعا کی تھی لیکن تیرا چلنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے ابھی اٹھ اور قبل اس کے کہ تیرا آقا آئے' زیارت کر کے لوٹ آئیو۔ لڑکی نے اپنی ساس سے کہا کہ خدا کے لیے مجھے اجازت دے دے کہ میں اس نیک بڑھیا کے ساتھ متبرک مقاموں پر جا کر خدا کے ولیوں کو دیکھ آؤں۔ میں اپنے آقا کی واپسی سے پہلے لوٹ آؤں گی۔

نعمت کی ماں بولی' مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرے آقا کو خبر نہ ہو جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ میں اسے زمین پر بیٹھنے تک نہ دوں گی۔ کھڑے کھڑے جائیں گے اور چلے آئیں

گے' دیر کا کیا کام۔ اس حیلے سے وہ لڑکی کو لے کر حجاج کے محل میں جا پہنچی اور اس سے کہا کہ میں لڑکی کو لے آئی ہوں اور اسے ایک حجرے میں بٹھا دیا ہے۔ حجاج آیا تو اس نے دیکھا کہ یہ دنیا کی حسین ترین عورت ہے اور ایسی خوبصورت اس کی نظر سے کبھی نہیں گزری تھی۔ نعم کی نظر حجاج پر پڑی تو اس نے اپنا منہ ڈھانک لیا۔ حجاج دور ہی کھڑا رہا اور اپنے حاجب کو بلا کر اس کے ساتھ پچاس سوار کیے اور اسے حکم دیا کہ لڑکی کو ایک اصیل اونٹنی پر بٹھا کر دمشق لے جا اور امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کے سپرد کر آ۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ کو ایک خط لکھا اور حاجب سے کہا کہ یہ خط اسے دے کر جواب لائیو اور جلد لوٹیو۔ حاجب نے لڑکی کو جلدی سے اونٹنی پر بٹھا کر کوچ کر دیا۔ لڑکی اپنے آقا کی جدائی میں روتی رہ گئی۔ وہ قافلہ دمشق پہنچا اور امیرالمومنین سے حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ اس نے اجازت دے دی۔ حجاج کے حاجب نے خلیفہ کے پاس حاضر ہو کر لڑکی کا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ نے اس کے لیے ایک خلوت خانہ خالی کرایا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا کہ حجاج نے میرے لیے کوفے کی ایک شہزادی دس ہزار دینار میں خریدی ہے اور یہ خط بھیجا ہے۔ اس کی بیوی بولی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## پوری دو سو چالیسویں رات

دو سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب اس نے اپنی بیوی سے لڑکی کا قصہ بیان کیا تو وہ کہنے لگی کہ خدا اپنا فضل و کرم تجھ پر زیادہ کرے! اتنے میں خلیفہ عبدالملک کی بہن اس لڑکی کے پاس آئی اور اسے دیکھ کر کہنے لگی کہ تو' جس ے مکان میں ہو' اسے کوئی خسارہ نہیں۔ خواہ اس نے تیری قیمت ایک لاکھ دینار ہی کیوں نہ ادا کی ہو۔ نعم نے اس سے پوچھا۔ اے حسینہ! یہ کس بادشاہ کا محل ہے اور اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ شہر دمشق ہے اور یہ میرے بھائی امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کا محل ہے۔ پھر وہ لڑکی سے کہنے لگی کہ کیا تجھے یہ معلوم نہ تھا؟ لڑکی بولی' اے میری آقا! خدا کی قسم مجھے اس کا بالکل علم نہیں۔ خلیفہ کی بہن نے کہا کہ جس شخص نے تجھے بیچا اور تیرے دام لیے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ خلیفہ نے تجھے خریدا ہے۔ یہ سن کر لڑکی کے آنسو بہنے لگے اور وہ رونے لگی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ میرے اوپر فریب پورا پورا چل گیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں نے اس سوال کا جواب دیا تو کوئی بھی میری بات نہ مانے گا اس لیے بہتر ہے کہ میں چپ رہوں اور صبر کروں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ خدا عنقریب خوشی بھیجنے والا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے سر جھکا لیا۔ سفر اور دھوپ کی وجہ سے اس کے رخسار سرخ ہو گئے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ وہ تھکی ہوئی ہے' خلیفہ کی بہن اس روز اسے چھوڑ کر چلی گئی اور دوسرے روز اس کے لیے کپڑے اور جواہرات کے ہار لائی۔ اسے بنایا' سنوارا اور خلیفہ آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس کی بہن نے کہا کہ دیکھ' خدا نے اس لڑکی کو کیسا مکمل حسن و جمال عطا کیا ہے۔ خلیفہ نعم سے مخاطب ہو کر بولا کہ منہ سے نقاب اٹھا لیکن اس نے منہ سے نقاب نہ اٹھائی اور وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ صرف اس کی کلائیاں ہی دیکھ کر اس پر لٹو ہو گیا اور

اپنی بہن سے کہنے لگا کہ میں تین دن سے پہلے اس سے خلوت نہیں کروں گا۔ اس اثناء میں یہ تجھ سے مانوس ہو جائے گی۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور اس کے پاس سے چل دیا۔ لڑکی سوچ میں پڑ گئی اس کا دل اپنے آقا نعمت کی جدائی میں تڑپ رہا تھا۔ اس رات لڑکی کو بخار آ گیا۔ نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا' اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی' خوبصورتی میں فرق آ چلا۔ اس کی خبر خلیفہ کو پہنچی تو اسے افسوس ہوا اور وہ طبیبوں اور حکیموں کو لے کر اس کے پاس پہنچا لیکن کوئی اس کا علاج نہ کر سکا۔

یہ تو اس کی کیفیت رہی۔ اب اس کے آقا نعمت کا ماجرا سنئے۔ وہ گھر آ کر فرش پر بیٹھ گیا اور آواز دی کہ اے نعم! کوئی جواب نہ ملا تو اس نے خادموں کو آواز دی۔ ان میں سے بھی کوئی اس کے پاس نہ آیا۔ گھر کی ساری لونڈیاں' غلام اپنے آقا سے خائف تھے۔ اب نعمت اپنی ماں کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر اپنا رخسار ٹیکے بیٹھی ہے۔ اس سے پوچھا کہ اماں نعم کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹا اسی پارسا بڑھیا کے ساتھ جو مجھ سے زیادہ معتمد ہے نعم کو وہ لے گئی ہے تاکہ فقراء کی زیارت کر کے لوٹ آئے۔ نعمت نے سوال کیا کب سے اس کی یہ عادت پڑی ہے اور وہ کس وقت یہاں سے گئی ہے؟

ماں بولی آج صبح۔ اس نے کہا کہ تو نے اسے کیوں جانے دیا؟ وہ کہنے لگی بیٹا خود اس کی یہ خواہش تھی۔ نعمت لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہتا ہوا نیم بے ہوشی کی سی حالت میں گھر سے نکلا اور کوتوال شہر کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ کیا تو نے دغابازی سے میرے گھر سے میری کنیز کو غائب کر دیا ہے؟ اگر کیا ہے تو میں تیری شکایت امیر المومنین کے پاس کروں گا۔ کوتوال نے پوچھا کہ اسے کون لے گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس حلئے کی ایک بڑھیا جو صوفیوں کے لباس میں تھی اور اس کے پاس ایک تسبیح تھی جس میں کئی ہزار دانے تھے۔ کوتوال نے پوچھا کہ مجھے اس بڑھیا کو دکھا دے' میں تیری کنیز کو چھڑا کر تیرے حوالے کر دوں گا۔ نعمت

بولا کہ بڑھیا کا پہچاننے والا کہاں سے لاؤں! کوتوال نے کہا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کس کو ہے! کوتوال کو معلوم تھا کہ بڑھیا حجاج کی کٹنی ہے۔ نعمت کہنے لگا کہ لڑکی کے بارے میں تیری ہی شرارت ہے۔ اب میرا اور تیرا فیصلہ حجاج کے سامنے ہو گا۔ اس نے جواب دیا کہ جس کے پاس تیرا جی چاہے جا۔ اس کے بعد نعمت حجاج کے محل میں گیا۔ اس کا باپ کوفے کے بڑے آدمیوں میں سے تھا۔ سب اسے جانتے تھے۔

جب وہ حجاج کے دروازے پر پہنچا تو حاجب نے حجاج کے پاس جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ حجاج نے اسے بلایا۔ جب وہ سامنے آ کر کھڑا ہوا تو اس نے پوچھا کہ تیرا مقصد کیا ہے؟ نعمت نے جواب دیا کہ فلاں معاملے میں آیا ہوں۔ حجاج نے حکم دیا کہ کوتوال کو بلاؤ تا کہ میں اسے بڑھیا کو تلاش کرنے کی ہدایت کروں۔ وہ جانتا تھا کہ کوتوال بڑھیا کو پہچانتا ہے۔ اس لیے وہ حاضر ہوا تو حجاج نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو نعمت بن الربیع کی کنیز کو ڈھونڈ نکال۔ کوتوال نے عرض کیا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ حجاج بولا سچ ہے مگر تو گھوڑے پر سوار ہو کر گلی گلی اور کوچے کوچے کو تلاش کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو اکتالیسویں رات

دو سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ حجاج نے کوتوال سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر کوچے کوچے اور گلی گلی پھرے اور کنیز کی جستجو کرے اور نعمت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تیری کنیز نہ آئی تو میں دس کنیزیں اپنے محل سے اور دس کوتوال کے محل سے تجھے دوں گا۔ ادھر کوتوال چلا اور ادھر نعمت غمگین اپنے گھر آیا۔ اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اس وقت اس کا سن کوئی چودہ پندہ سال کا تھا۔ ابھی اس کی داڑھی مونچھیں تک نہ نکلی تھیں۔ وہ رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ گھر والوں میں سے کسی سے بات تک نہ کی۔ وہ اور اس کی ماں صبح تک روتے رہے۔ اتنے میں اس کا باپ آیا۔ اس نے کہا کہ بیٹا' حجاج نے فریب سے لڑکی کو بلوا لیا ہے۔ خدا تجھ پر رحم کرے اور تجھے خوشی نصیب ہو! یہ سن کر نعمت اور زیادہ متفکر ہو گیا۔ رنج و غم نے اس کا یہ حال کر دیا کہ اپنے آپ کی خبر نہیں رہی۔ نہ کسی کے آنے کی خبر تھی نہ جانے کی۔ نہ کھانے پینے کا ہوش' نہ بات کرنے کی سرت۔ تین مہینے تک بیمار پڑا رہا۔ اس کی حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی۔ ماں باپ اس کی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ طبیبوں نے کہہ دیا کہ کنیز کے سوا اس کا اور کوئی علاج نہیں۔ ایک دن اس کے باپ نے کسی عجیب و غریب ایرانی طبیب کا ذکر سنا۔ لوگ اس کی تعریف کر رہے تھے کہ طب اور نجوم میں اسے مہارت کلی حاصل ہے۔ ربیع نے اسے بلوایا۔ جب وہ آیا تو اسے اپنے پہلو میں بٹھایا' اس کی بڑی عزت و تکریم کی اور اس سے کہا کہ میرے بیٹے کا علاج کر۔ اس نے نعمت سے کہا کہ اپنی نبض دکھا۔ اس نے نبض دکھائی۔ طبیب نے اس کے جوڑ جوڑ دیکھے۔ اس کے چہرے کو ملاحظہ کیا اور ہنسا۔ پھر اس نے اس کے باپ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے بیٹے کو دل کی بیماری کے سوا اور کوئی بیماری نہیں۔ اس نے کہا کہ

اے حکیم تیرا کہنا ٹھیک ہے۔ اب اپنے علم کے زور سے میرے بیٹے کا سارا حال دریافت کر اور مجھے بتا اور مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھ۔ ایرانی بولا کہ تیرا بیٹا ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ لڑکی یا تو بصرے میں ہے اور یا دمشق میں اور اس کا علاج محض اس کا وصال ہے۔ ربیع نے کہا کہ اگر تو دونوں کو ملا دے تو تیرے لیے خوشی ہی خوشی ہے اور تو اپنی زندگی مال و دولت میں بسر کرے گا۔ ایرانی کہنے لگا یہ کام تو بہت آسان ہے' جلد ہی ہو جائے گا۔

اس کے بعد ایرانی' نعمت کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ گھبرا نہیں' دل کو مضبوط رکھ' خوش ہو اور آنکھیں ٹھنڈی کر اور پھر ربیع سے اس نے کہا کہ چار ہزار دینار اپنی جیب سے نکال۔ اس نے دینار نکال کر ایرانی کے حوالے کیے۔ دینار لے کر وہ کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ تیرا بیٹا میرے ساتھ دمشق چلے اگر خدا نے چاہا تو ہم بغیر کنیز کے' واپس نہ آئیں گے۔ اب ایرانی نے لڑکے سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولا نعمت۔ ایرانی نے کہا کہ نعمت اطمینان رکھ اور خدا کی امان تیرے شامل رہے! بس یقین کر لے کہ خدا نے تجھے تیری کنیز سے ملا دیا ہے۔ یہ سن کر نعمت سیدھا ہو بیٹھا۔ ایرانی کہنے لگا کہ ہم آج روانہ ہوتے ہیں تو چاق و چوبند ہو جا۔ خوب کھا پی...... کہ تجھ میں سفر کی قوت آ جائے۔ یہ باتیں کر کے ایرانی نے تمام عمدہ چیزیں جن کی سفر کے لیے ضرورت تھی' مہیا کیں اور نعمت کے باپ سے کہا کہ دس ہزار دینار پورے کر دے تاکہ راہ کی باربرداری کے لیے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ لیے جائیں۔

نعمت اپنے والدین سے رخصت ہو کر حکیم کے ساتھ چل دیا۔ حلب پہنچ کر اسے کنیز کی کوئی خبر نہ ملی۔ اس لیے وہ دمشق روانہ ہو گئے اور وہاں تین دن ٹھہر کر پہلے آرام کیا۔ پھر ایرانی نے ایک دوکان کرائے پر لی۔ الماریوں میں چینی کے قیمتی برتن سجائے' پردے ڈالے اور الماریوں پر سونے کا کام کر کے ان میں قیمتی پتھروں کے ٹکڑے جڑے اور اپنے آگے بلوری صراحیاں چنیں' ان میں تیل اور قسم قسم کے شربت بھرے۔ آس

پاس چینی اور شیشے کے پیالے رکھے اور اپنے آگے ایک چوکی بچھائی جس پر اصطرلاب رکھا اور خود حکیموں اور طبیبوں کا لباس پہن کر نعمت کو سامنے کھڑا کیا۔ اسے ریشمی قمیص

اور قبا پہنائی۔ کمر سے ایک ریشمی پٹکا باندھا جس پر سونے کا کام تھا اور اس سے کہا کہ اے نعمت آج سے تو میرا بیٹا ہے۔ باپ کے سوا اور کسی نام سے مجھے نہ پکاریو اور میں تجھے ہمیشہ بیٹا کہہ کر مخاطب کروں گا۔ نعمت نے کہا' بہت خوب۔ دمشق والے ایرانی کی دوکان پر جمع ہوتے۔ نعمت کے حسن اور دوکان اور اس کی چیزوں کی خوبصورتی کو دیکھتے۔ ایرانی' نعمت سے فارسی میں باتیں کرتا اور وہ بھی یہی بولتا کیونکہ بڑے لوگوں کے بیٹے اس زبان سے واقف تھے۔

اس ایرانی کا دمشق میں بہت جلد چرچا ہو گیا۔ لوگ آتے' بیماریاں بیان کرتے اور وہ انہیں دوا دیتا۔ بعض' مریضوں کے قارورے لاتے اور وہ دیکھ کر بتا دیتا کہ فلاں قارورے کے مریض کو فلاں بیماری ہے۔ دمشق والے اس کے علم و کمال کے قائل ہو گئے۔ ایرانی کو بڑا ماہر جاننے لگے۔ اس طرح وہ لوگوں کی حاجب روائی کرتا اور اس کی دوکان پر شہر والوں کا جمگھٹا لگا رہتا۔ یہاں تک کہ اس کی دھوم گھر گھر مچ گئی۔ خاص کر بڑے لوگوں کے گھروں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔

ایک دن وہ اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑھیا گدھے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچی جس کا زین دیباج کا تھا اور اس پر جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ بڑھیا ایرانی کی دوکان کے سامنے لگام روک کر ٹھہر گئی اور اشارے سے ایرانی کو بلایا اور کہا کہ میرا ہاتھ تھام۔ ایرانی نے ہاتھ تھام کر بڑھیا کو گدھے سے اتار لیا۔ بڑھیا نے پوچھا کہ تو وہی ایرانی طبیب ہے جو عراق سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بڑھیا بولی سن میری ایک بیٹی ہے اور وہ بیمار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے قارورہ نکالا اور اسے دکھایا۔ ایرانی نے قارورہ دیکھ کر دریافت کیا کہ لڑکی کا نام کیا ہے تاکہ اس کے ستارے کا حساب لگا کر دیکھوں کہ اس کے لیے کس ساعت میں دوا پینا مناسب ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اے ایرانی بزرگ اس کا نام نعم ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو بیالیسویں رات

دو سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب ایرانی نے نعم کا نام سنا تو وہ اپنے ہاتھ پر کچھ لکھنے اور انگلیوں پر حساب لگانے لگا اور پھر بڑھیا سے

بولا کہ اے میری آقا میں اس وقت تک اس کی دوا تجویز نہیں کر سکتا جب تک مجھے نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس جگہ کی رہنے والی ہے کیونکہ ہر جگہ کی آب و ہوا مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا مجھے یہ بتا کہ اس کی تربیت کس ملک میں ہوئی ہے اور اس کا سن و سال کیا ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ وہ چودہ سال کی ہے اور اس کی تربیت کوفے میں ہوئی ہے جو عراق میں ہے۔ ایرانی نے پوچھا کہ وہ یہاں کب سے ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا اسے یہاں آئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔

نعمت بھی بڑھیا کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ بڑھیا نے اسی کنیز کا نام لیا ہے۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس پر غشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ ایرانی نے بڑھیا سے کہا کہ اس کے لیے فلاں فلاں دوا مناسب ہو گی۔ بڑھیا بولی جو تیرا جی چاہے پڑیا میں باندھ کر مجھے دے دے اور اپنی تشخیص کے مطابق دوا عنایت کر، خدا برکت دے! یہ کہہ کر اس نے دس دینار دوکان میں پھینک دیئے۔ حکیم نے نعمت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بڑھیا کے لیے نسخے کی دوا تیار کر دے۔ اب بڑھیا نعمت کی طرف دیکھنے لگی اور کہا کہ بیٹا خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے! لڑکی کی شکل بالکل تیرے جیسی ہے۔

پھر ایرانی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے ایرانی سردار! یہ تیرا غلام ہے یا بیٹا؟ ایرانی حکیم نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد نعمت نے دواؤں کی پڑیا باندھ کر اسے ایک ڈبیا میں رکھا اور کاغذ لے کر اپنی طرف سے دو شعر لکھے۔ اس کاغذ کو لپیٹ کر مہر کی اور اسے ڈبیا کے اندر رکھ دیا اور ڈبیا کے ڈھکنے پر کوفی خط میں لکھا

کہ میں کوفے کا باشندہ نعمت بن الربیع ہوں اور وہ ڈبیا بڑھیا کے آگے رکھ دی۔ بڑھیا نے ڈبیا اٹھا لی اور ان دونوں سے رخصت ہو کر خلیفہ کے محل میں واپس گئی۔ لڑکی کے سامنے اور چیزوں کے ساتھ دوا کی ڈبیا بھی رکھ دی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا' ہمارے شہر میں ایک ایرانی طبیب آیا ہے جس سے زیادہ حاذق اور بیماریوں کا پہچاننے والا میری نظر سے نہیں گزرا۔ قارورہ دکھا کر میں نے اسے تیرا نام بتایا تو وہ تیرا مرض پہچان گیا۔ تیرے لیے نسخہ تجویز کیا اور اپنے بیٹے کو دوا دینے کا حکم دیا۔ اس نے تیری دوا باندھ دی۔ اس کے بیٹے سے زیادہ حسین دمشق بھر میں کوئی نہیں۔ نہ کسی کی جوانی پر میں نے ایسی بہار دیکھی اور نہ اس طرح کی سجی ہوئی کوئی دوکان یہاں ہے۔

جب نعم نے ڈبیا اٹھا کر دیکھی تو اس کے ڈھکنے پر اس کے آقا کا نام مع ولدیت لکھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ دوکان والا ضرور کھوج لگانے آیا ہے۔ پھر اس نے بڑھیا سے کہا کہ جوان کا حلیہ بیان کر۔ بڑھیا بولی اس کا نام نعمت ہے اور اس کی بائیں بھوں پر ایک نشان ہے۔ اس کی پوشاک نہایت عمدہ ہے اور وہ حسن کا پتلا ہے۔ لڑکی کہنے لگی اچھا لا دوا دے' خدا برکت دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ دوا لے کر وہ پی گئی اور ہنس کر کہا یہ مبارک دوا ہے۔ اس کے بعد وہ ڈبیا میں کچھ ٹٹولنے لگی اور اسے وہ کاغذ ملا۔ اس نے اسے کھول کر پڑھا تو خوش ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کا آقا ہے۔

بڑھیا نے اسے ہنستے دیکھا تو کہا کہ آج کا دن مبارک ہے۔ نعم نے کہا کہ اے خادمہ میں چاہتی ہوں کہ کچھ کھاؤں پیوں۔ بڑھیا نے کنیزوں سے کہا کہ اپنی آقا کے لیے دسترخوان بچھا کر اس پر عمدہ کھانے چنو۔ دسترخوان لگایا گیا اور وہ کھانے بیٹھی۔ ابھی کھا ہی رہی تھی کہ عبدالملک بن مروان آ پہنچا۔ دیکھا کہ لڑکی بیٹھی کھانا کھا رہی ہے۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔ خادمہ نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اپنی کنیز کی صحت پر خوشی منا' اب یہ اچھی ہو گئی۔ اس شہر میں ایک طبیب آیا ہے جس سے زیادہ مرض

اور دوا کا ماہر میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس سے میں لڑکی کے لیے دوا لائی ہوں۔ ایک ہی خوراک میں اے امیرالمومنین اس کی ساری بیماری جاتی رہی۔ خلیفہ نے کہا کہ ایک ہزار دینار لے جا اور لڑکی کے بالکل تندرست ہونے تک اس کا علاج کر۔ ادھر تو وہ لڑکی کی صحت سے خوش ہو کر چل دیا اور ادھر بڑھیا نے ایرانی کی دوکان پر جا کر اسے ہزار دینار دیئے اور اس سے کہا کہ لڑکی خلیفہ کی کنیز ہے اور اسے وہ خط دیا جو نعم نے لکھا تھا۔ ایرانی نے خط لے کر نعمت کے حوالے کیا۔ اس کا خط دیکھتے ہی نعمت پہچان گیا اور غش کھا کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو خط کھول کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا "یہ خط اس کنیز کا ہے جس کی نعمتیں چھن گئی ہیں' عقل ٹھکانے نہیں رہی اور جو اپنے دلی حبیب سے جدا ہے۔ تمہارا خدا ملا روح تازہ اور دل شاد شاد ہو گیا۔" خط پڑھتے پڑھتے نعمت کے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر خادمہ نے پوچھا کہ بیٹا تو کیوں روتا ہے؟ خدا تیری آنکھوں کو نہ رلائے! ایرانی نے کہا کہ اے میری آقا آخر میرا بیٹا کیوں نہ روئے! وہ اس کی کنیز ہے اور یہ اس کا آقا نعمت بن الربیع کوفے کا رہنے والا ہے۔ لڑکی کی تندرستی اس کے دیدار پر منحصر ہے۔ اسے اس کی محبت کے سوا اور کوئی بیماری نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو تینتالیسویں رات

جب دو سو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ایرانی نے بڑھیا سے کہا کہ آخر میرا بیٹا کیوں نہ روئے' یہ اس کا آقا نعمت بن الربیع کوفے کا رہنے والا ہے اور لڑکی کی تندرستی اس کے دیدار پر منحصر ہے۔ اسے اس کی محبت کے سوا اور کوئی مرض نہیں۔ پھر تھیلی بڑھیا کے آگے رکھ کر بولا۔ اے میری آقا یہ ہزار دینار تو لے لے اور اس سے زیادہ میں تجھے دوں گا۔ ہمارے اوپر عنایت کی نظر رکھیو کیونکہ تیرے سوا اور کسی کے پاس اس کا علاج نہیں۔ بڑھیا نے نعمت سے پوچھا کہ کیا تو اس لڑکی کا آقا ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ بڑھیا بولی' تو سچ کہتا ہے۔ اس لیے کہ لڑکی کی زبان پر بھی ہمیشہ تیرا ہی ذکر رہتا ہے۔ اب نعمت نے بڑھیا سے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور بڑھیا نے کہا اے جوان میرے بغیر تیری رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔ یہ کہتی ہوئی وہ فوراً سوار ہو گئی اور لڑکی کے پاس پہنچ کر پہلے تو اسے غور سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگی اور کہا بیٹی اپنے آقا نعمت بن الربیع کی وجہ سے تیرا رونا اور بیمار پڑ جانا بجا ہے۔ نعم بولی کیا تجھ پر میرا راز کھل گیا اور تجھے حقیقت معلوم ہو گئی۔ بڑھیا نے کہا کہ خوشی منا اور دل شاد ہو جا۔ خدا کی قسم میں تم دونوں کو ملا کر رہوں گی۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اب بڑھیا نعمت کے پاس لوٹ کر گئی اور اس سے کہنے لگی کہ میں تیری کنیز کے پاس جا کر بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ جتنا اشتیاق تجھے اس کا ہے' اس سے زیادہ اسے تیرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امیرالمومنین اس کے ساتھ خلوت کرنا چاہتا ہے اور وہ اسے روکنا چاہتی ہے۔ اگر تیرا دل مضبوط ہو اور تجھ میں ہمت ہے تو میں تم دونوں کو ملا دوں گی اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر کوئی نہ کوئی ترکیب اور تدبیر نکالوں گی کہ تو امیرالمومنین کے محل میں جا کر لڑکی سے ملے کیونکہ وہ باہر نہیں آ سکتی۔

نعمت نے کہا کہ جزاک اللہ!
یہ کہہ کر بڑھیا نعمت سے رخصت ہوئی اور لڑکی کے پاس آ کر اس نے کہا کہ تیری محبت میں تیرے آقا کی جان نکل رہی ہے اور وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ تیری کیا رائے ہے؟ نعم نے کہا کہ میں بھی یہی چاہتی ہوں کیونکہ میری جان بھی لبوں پر آ گئی ہے اور میں اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد بڑھیا نے ایک بقچہ سنبھالا جس میں عورتوں کے زیور اور کپڑے تھے اور اسے لے کر نعمت کے پاس پہنچی اور اس سے کہنے لگی کہ میرے ساتھ کسی تنہا جگہ چل۔ نعمت اسے دوکان کے پیچھے ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں بڑھیا نے نعمت کے منہ پر غازہ ملا اور اس کی کلائی پر نقش و نگار بنائے۔ اس کے بال گوندھے' اسے لڑکیوں کا لباس پہنایا اور اسے اس طرح آراستہ کیا جیسے لڑکیوں کو بہترین طریقے پر آراستہ کیا جاتا ہے۔ وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جنت کی حور۔ خادمہ نے جب اسے اس صورت سے بنا سنورا دیکھا تو کہنے لگی تبارک اللہ الحسن الخالقین۔ خدا کی قسم تو اس لڑکی سے بھی زیادہ حسین ہے۔ اب بڑھیا نے اس سے کہا کہ ذرا چل تو سہی اس طرح سے کہ بایاں ہاتھ آگے رہے اور داہنا پیچھے اور کولہے مٹکا جس طرح کہ بڑھیا نے کہا تھا اور اس نے چل کر دکھایا۔ جب بڑھیا کو یقین آ گیا کہ اسے زنانہ چال آ گئی ہے تو اس نے کہا کہ ایک روز اور صبر کر۔ میں انشاء اللہ کل رات کو تجھے محل میں لے جاؤں گی اور اگر حاجبوں یا نوکروں کی نظر تجھ پر پڑ جائے تو دل مضبوط کر لیجیو اور سر نیچا رکھیو اور کسی سے بات نہ کیجیو' میں خود ان کی باتوں کا جواب دے دوں گی اور کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا دن ہوا تو بڑھیا آئی اور اسے لے کر محلات شاہی کی طرف چلی۔ آگے آگے وہ داخل ہوئی اور پیچھے پیچھے نعمت۔ حاجب نے نعمت کو روکنا چاہا۔ بڑھیا ڈانٹ کر بولی۔ اے منحوس غلام یہ لونڈی ہے نعم کی جو امیرالمومنین کی چہیتی ہے' تو اسے اندر جانے سے کیوں روکتا ہے؟ اس کے بعد بڑھیا نے نعمت سے کہا کہ اے لونڈی چل اور وہ بڑھیا کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ دونوں چلتے چلتے اس دروازے میں پہنچے جہاں سے صحن میں جانے کا

راستہ تھا۔ بڑھیا نے کہا کہ اے نعمت اپنا دل مضبوط کر کے اندر جا۔ بائیں ہاتھ کی طرف پانچ دروازے گن کر چھوڑ دیجیو اور چھٹے میں داخل ہو جائیو کیونکہ وہی مکان کا دروازہ ہے جو تیرے لیے آراستہ کیا گیا ہے اور کسی بات سے نہ ڈریو اور اگر کوئی تجھ سے کچھ کہے تو اس سے بولیو نہیں اور نہ ٹھہریو۔ یہ کہہ کر بڑھیا اس کے ساتھ روانہ ہو گئی اور اس جگہ پہنچی جہاں ڈیوڑھیاں تھیں۔ ان ڈیوڑھیوں کے دربان نے بڑھیا کے آگے آ کر کہا کہ یہ لونڈی کون ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چوالیسویں رات

جب دو سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ دربان نے بڑھیا کے آگے آ کر کہا کہ یہ لونڈی کون ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہماری خاتون اسے خریدنا چاہتی ہے۔ دربان نے کہا کہ امیرالمومنین کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ تو اسے واپس لے جا' میں اسے اندر نہیں جانے دوں گا۔ میرے لیے یہی حکم ہے۔ خادمہ نے کہا کہ اے بڑے حاجب عقل ٹھکانے کر۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ نعم خلیفہ کی وہ کنیز ہے جس سے اسے بے حد محبت ہے' تندرست ہو رہی ہے اور امیرالمومنین اس پر بہت مہربان ہیں۔ وہی اس لونڈی کو خریدنا چاہتی ہے اس لیے اسے اندر جانے سے نہ روک۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ تو اس لونڈی کو روکتا ہے تو وہ تجھ پر ناراض ہو گی اور اس کا مرض عود کر آئے گا اور اگر وہ تجھ سے ناراض ہو گئی تو کوئی نہ کوئی تدبیر نکال کر تیرا سر اڑوا دے گی۔ یہ کہہ کر اس نے آواز دی کہ اے لونڈی اندر جا اور اس کی بات نہ سن مگر ملکہ سے یہ نہ کہیو کہ حاجب تجھے اندر آنے سے منع کرتا تھا۔ نعمت سر نیچا کر کے محل میں داخل ہو گیا۔ مگر بجائے بائیں طرف جانے کے' غلطی سے دہنی طرف چل دیا اور بجائے اس کے کہ وہ پانچ دروازے گن کر چھوڑ دیتا اور چھٹے میں داخل ہوتا اس نے چھ گن کر چھوڑ دیئے اور ساتویں میں داخل ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جامدانی اور کمخواب کا فرش بچھا ہوا ہے' دیواروں پر ریشمی پردے پڑے ہیں جن پر سنہرا کام ہے۔ اندر عود' عنبر اور خالص مشک انگیٹھیوں میں سلگ رہا ہے اور صدر میں ایک تخت پڑا ہے جس پر زربفت کا فرش بچھا ہے۔ نعمت اس تخت پر بیٹھ گیا۔ اسے وہاں شاہانہ شان و شوکت نظر آئی۔ اس کو یہ خبر نہ تھی کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟

ابھی وہ بیٹھ کر اپنی حالت پر غور ہی کر رہا تھا کہ امیرالمومنین کی بہن آ پہنچی اور اس

کے ہمراہ اس کی کنیز تھی۔ اس نے جوان کو بیٹھا ہوا دیکھا تو وہ سمجھی کہ یہ کوئی کنیز ہے۔ آگے بڑھ کر پوچھنے لگی کہ اے کنیز تو کون ہے' تیرا کیا ماجرا ہے اور تجھے یہاں کون لایا ہے؟ نعمت نے نہ کچھ اس کا جواب دیا اور نہ کوئی بات کی۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر تو میرے بھائی کی داشتہ ہے اور وہ تجھ سے ناراض ہو گیا ہے تو میں اس سے تیری سفارش کروں گی تاکہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے اس کا بھی نعمت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب خلیفہ کی بہن نے اپنی کنیز سے کہا کہ دروازے پر ٹھہر اور کسی کو اندر نہ آنے دے۔ یہ کہہ کر نعمت کی طرف بڑھی اور اس کا حسن دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس سے کہنے لگی کہ اے لڑکی بتا تو سہی کہ تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے اور تو یہاں کیوں آئی ہے۔ میں نے تجھے کبھی پہلے اس محل میں نہیں دیکھا۔ اس پر بھی نعمت چپ رہا تو بادشاہ کی بہن کو غصہ آ گیا اور اس نے نعمت کے سینے پر ہاتھ مارا۔ دیکھا تو اس کی چھاتیاں نہیں۔ چاہا کہ اس کے کپڑے اتار کر دیکھے۔ اب نعمت بولا۔ اے میری آقا میں تیرا غلام ہوں' مجھے خرید لے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ مجھے پناہ دے۔ اس نے کہا کہ مطمئن رہ' تیرا بال بیکا نہ ہو گا مگر پہلے یہ بتا کہ تو ہے کون اور تجھے کون میری مجلس میں لایا؟ نعمت بولا' اے شاہ زادی میرا نام نعمت بن الربیع ہے اور میں کوفے کا رہنے والا ہوں۔ میں نے اپنی کنیز نعم کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے جسے حجاج نے دھوکے سے لے کر یہاں بھیج دیا۔ شہزادی نے کہا کہ غم نہ کر اور اپنی کنیز کو بلا کر حکم دیا کہ نعم کی حرم سرا میں جا۔

اب ادھر کی سنئے اس کے قبل کہ یہ لونڈی وہاں پہنچے۔ وہ خادمہ نعم کی حرم سرا میں آ چکی تھی اور اس سے پوچھا کہ تیرا آقا آیا یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ خادمہ نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ بھٹک کر بجائے تیری حرم سرا کے کسی اور کی حرم سرا میں چلا گیا! نعم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اب

ہم سب کی موت آ گئی اور سب مارے گئے۔ دونوں سوچ میں پڑ گئیں۔ وہ اسی حالت میں تھیں کہ خلیفہ کی بہن کی لونڈی پہنچی۔ نعم کو سلام کر کے عرض کیا کہ میری

آقا تجھے اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلاتی ہے۔ نعم نے کہا کہ بسرو چشم۔ خادمہ بولی ہو نہ ہو تیرا آقا خلیفہ کی بہن کے پاس ہے اور سارا راز فاش ہو چکا ہے۔ نعم فوراً اٹھ کر خلیفہ کی بہن کے پاس گئی۔ خلیفہ کی بہن نے کہا دیکھ یہ تیرا آقا میرے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے یہاں آ گیا۔ لیکن ڈر نہیں' خدا نے چاہا تو نہ تجھے کوئی نقصان پہنچے گا' نہ اسے۔ جب نعم نے خلیفہ کی بہن سے یہ باتیں سنیں تو اسے اطمینان ہوا اور وہ اپنے آقا نعمت کی طرف بڑھی۔ جب نعمت نے اسے دیکھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو پینتا لیسویں رات

دو سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب نعمت کی نظر اپنی کنیز نعم پر پڑی تو وہ اس کی طرف بڑھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے

سینے سے لگا لیا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ہوش آیا تو خلیفہ کی بہن نے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور ہمیں سوچنے دو کہ ہم اس مخمصے سے کیونکر چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے ہماری آقا تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ وہ کہنے لگی خدا کی قسم تمہیں مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ پھر اس نے اپنی کنیز سے کہا کہ کھانا اور شراب حاضر کر۔ دسترخوان چنا گیا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور شراب پینے بیٹھ گئے۔ دور چلنے لگا اور ان کا غم غلط ہو گیا۔

نعمت کہنے لگا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس کے بعد میرا کیا حشر ہونے والا ہے! خلیفہ کی بہن نے نعمت سے کہا کہ کیا تو اپنی کنیز نعم کو چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا اسی کی محبت نے تو میرا بدن گھلا دیا اور میری حالت دگرگوں کر دی ہے۔ خلیفہ کی بہن بولی۔ واللہ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ خدا نہ کرے کہ کوئی تم دونوں میں جدائی ڈالے! اب تم خوش ہو اور دل شاد رہو۔ یہ سن کر دونوں خوش ہو گئے اور نعم نے عود منگوایا اور اس نے اسے لے کر تار ٹھیک کئے اور ایک ایسا راگ بجایا کہ سب خوش ہو گئے اس کے بعد اس نے عود اپنے آقا کو دے کر کہا کہ اب تو کچھ سنا۔ اس نے بھی عود کے پہلے تار ٹھیک ملائے اور اس خوبی سے بجایا کہ حاضرین واہ واہ کرنے لگے۔ جب وہ گا بجا چکا تو نعم نے ایک جام بھر کر اسے دیا اور وہ لے کر چڑھا گیا۔ پھر اس نے دوسرا جام بھر کر خلیفہ کی بہن کے سامنے پیش کیا' وہ بھی پی گئی اور نشے کی ترنگ میں عود کا ٹھاٹ درست کر کے

گانے بجانے لگی۔ اسی طرح باری باری سب پیتے اور گاتے بجاتے۔

شراب کا رنگ چڑھا ہوا اور سرور کی محفل گرم تھی کہ اتنے میں امیرالمومنین آ پہنچا۔ جب اس کی نظر اس پر پڑی تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور زمین کو بوسہ دیا۔ یکایک اس کی نظر نعم پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ ہاتھ میں عود ہے۔ کہنے لگا کہ نعم شکر ہے خدا کا جس نے تیری بیماری اور تکلیف دور کر دی! اب وہ نعمت کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اب تک اسی زنانہ لباس میں تھا اور اپنی بہن سے بولا نعم کے پاس یہ دوسری کنیز کون ہے؟ بہن نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین یہ تیری ایک داشتہ ہے۔ نعم اس کے سوا اور کسی کے ساتھ کھاتی پیتی نہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ قسم ہے بزرگ خدا کی کہ وہ بھی نعم ہی کی طرح خوبصورت ہے۔ میں انشاء اللہ کل نعم کی حرم سرا کے پہلو میں اس کے لیے مکان خالی کراؤں گا اور اس کے لیے بھی سارے عیش کے سامان مہیا ہو جائیں گے اور یہ کسی ضرورت کی محتاج نہ رہے گی۔ اور یہ سب نعم کی خاطر ہے۔ بعد ازاں اس نے اپنی بہن سے کھانا مانگا۔ اس نے بھائی کے آگے کھانا پیش کیا۔ وہ کھانا کھا کر وہیں ان کے پاس بیٹھا رہا اور ایک جام بھر کر نعم کی طرف اشارہ کیا کہ کچھ سنا۔ نعم نے وہ جام پی کر عود اٹھا لیا اور گانے بجانے لگی۔ امیرالمومنین سرور میں آ گیا اور ایک اور جام بھر کر نعم کو دیا اور کہا کچھ اور سنا۔ اس نے کچھ اور شعر گائے۔ خلیفہ نے سن کر کہا کہ واللہ نعم کیا خوب! خدا تیری گلے بازی قائم رکھے! تیری آواز کیسی شریلی ہے اور تیرا لب و لہجہ کیسا صاف ہے! آدھی رات تک یہ رنگ رلیاں اڑتی رہیں۔

آدھی رات اسی طرح گزر گئی تو خلیفہ کی بہن نے کہا کہ اے امیرالمومنین ایک بڑے آدمی نے ایک کہانی لکھی ہے جو میری نظر سے گزری ہے۔ خلیفہ نے پوچھا' وہ کیا کہانی ہے؟ اس کی بہن نے کہا کہ امیرالمومنین سن' کوفے میں ایک جوان رہتا تھا جس کا نام نعمت بن الربیع تھا۔ اس کی ایک کنیز تھی جسے وہ بہت چاہتا تھا اور جو اسے بہت

چاہتی تھی۔ وہ دونوں تربیت کے ایک ہی گہوارے میں پلے تھے۔ جب وہ جوان ہوئے تو دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تو زمانے نے ان پر مصیبت ڈھائی' انہیں آفتوں کا نشانہ بنایا اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ حاسدوں نے مکر و فریب کر کے کنیز کو اس کے آقا کے گھر سے چرا لیا اور ان چوروں نے اسے دس ہزار دینار میں ایک بادشاہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ دونوں ایک دوسرے پر عاشق تھے۔ اس لیے آقا اپنا گھر بار اور عیش و عشرت چھوڑ کر اس کی تلاش میں نکلا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس سے ملا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو چھیالیسویں رات

جب دو سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ نعمت اتنی مدت تک اپنے خاندان اور وطن سے دور رہا کہ اسے اپنی کنیز سے ملنے کی تدبیر معلوم ہو گئی اور بڑی کوشش اور جانفشانی کے بعد اس تک رسائی ہوئی۔ اس کنیز کا نام نعم تھا۔ وہ مدتوں کے بچھڑے ہوئے ابھی مل کر بیٹھے ہی تھے کہ بادشاہ پہنچ گیا جس نے اس کنیز کو چور سے خریدا تھا اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دونوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ بغیر اس کے کہ اپنے دل میں انصاف کرے یا حکم دینے سے پہلے کچھ سوچے۔ اے امیرالمومنین اس بادشاہ کی بے انصافی کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ امیرالمومنین نے کہا کہ یہ عجیب فیصلہ ہے! اس بادشاہ کو لازم تھا کہ وہ اپنی مقدرت کی بنا پر انہیں معاف کر دیتا کیونکہ اس پر ان کی طرف سے تین باتوں کا لحاظ کرنا فرض تھا۔ پہلے اس کا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے عاشق تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کے مکان میں تھے اور اس کے قبضے میں۔ تیسرے لوگوں پر حکم دینے میں بادشاہ کو جلدی نہ کرنی چاہیے خاص کر ایسے معاملے میں جو خود اس سے متعلق ہو۔ اس بادشاہ نے بادشاہوں کا سا کام نہیں کیا۔ اس کی بہن نے کہا کہ بھائی خدا کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے' نعم سے کہہ کہ کچھ گائے اور تو سن کہ وہ کیا گاتی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ نعم مجھے کچھ گا کر سنا۔ نعم نے پھر عود اٹھا لیا اور ایسا گائی ایسا گائی کہ امیرالمومنین باغ باغ ہو گیا۔ اس عالم سرخوشی میں اس کی بہن نے کہا کہ بھائی جو شخص اپنے اوپر کوئی فیصلہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اس پر قائم رہے اور اپنے قول کے موافق عمل کرے۔ تو نے یہ فیصلہ دے کر اپنے اوپر حکم لگا دیا ہے۔ خلیفہ سے یہ کہتے ہی اس نے کہا کہ اے نعمت اٹھ کھڑا ہو اور نعم تو بھی کھڑی ہو جا اور دونوں اٹھ کھڑے

ہوئے۔
اب خلیفہ کی بہن نے کہا' اے امیرالمومنین یہ جو تیرے سامنے کھڑی ہے' نعم ہے جسے حجاج بن یوسف الثقفی نے چرا کر تیرے پاس بھیجا ہے اور یہ جو اس نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اس نے اسے دس ہزار دینار میں خریدا ہے' جھوٹ ہے اور یہ جو تیرے سامنے کھڑا ہے اس کا آقا نعمت بن الربیع ہے۔ میں تجھ سے تیرے پاک آباؤ اجداد اور حمزہ اور عقیل اور عباس کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تو انہیں معاف کر دے اور ان کا جرم بخش دے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے حوالے کر دے تاکہ تجھے اس کا اجر و ثواب ملے کیونکہ یہ تیرے قبضے میں ہیں اور انہوں نے تیرا نمک کھایا اور پانی پیا ہے۔ میں ان کی سفارش کرتی ہوں اور درخواست کرتی ہوں کہ تو' ان کا خون بخش دے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا کہنا بجا ہے۔ میں نے یہی فیصلہ کیا ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں ایک بار فیصلہ کر کے اس سے پھر جاؤں۔ اس کے بعد اس نے نعم سے پوچھا کہ یہ واقعی تیرا آقا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں' اے امیرالمومنین۔ خلیفہ نے کہا کہ ڈر نہیں' میں تمہیں ایک دوسرے کو بخش چکا ہوں۔
پھر وہ نعمت سے مخاطب ہوا اور دریافت کیا کہ اس نے اس بات کا پتہ کیسے لگایا کہ وہ یہاں ہے اور مکان کا نقشہ تجھے کس نے بتایا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین میرا حال اور میرا قصہ کان دھر کر سن کیونکہ تیرے پاک آباؤ اجداد کی قسم میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے سب کچھ بیان کر دیا جو اس کے ساتھ پیش آیا تھا اور جو کچھ ایرانی حکیم اور خادمہ نے اس کے ساتھ کیا یعنی وہ سارا قصہ کہ کس طرح محل میں داخل ہوا اور دروازہ بھول گیا اس پر خلیفہ کو بے حد تعجب ہوا اور اس نے کہا کہ اس ایرانی کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اسے اپنے خاص مصاحبوں میں داخل کر لیا۔ خلعت عطا کیا اور اس کے لیے ایک عمدہ مشاہرہ مقرر کر دیا اور کہنے لگا کہ جو شخص ایسی تدبیر پر قادر ہو' وہ اس قابل ہے کہ میں اس کو اپنے مشیروں میں جگہ دوں۔ اس کے بعد اس نے نعمت اور نعم کے ساتھ اچھا برتاؤ

کیا، انہیں اپنی عنایات سے سرفراز کیا اور خادمہ کو بھی انعام دیا۔ سات دن تک انہوں نے خلیفہ کے ساتھ رہ کر بڑی خوشی اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ بعد ازاں نعمت نے اپنے اور نعم کے لیے خلیفہ سے کوفے کے سفر کی اجازت مانگی اور روانہ ہو کر اپنے ماں باپ سے ملا اور نہایت عیش و عشرت سے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو جدا کرنے والی موت آ گئی۔

جب امجد اور اسعد نے بہرام سے یہ کہانی سنی تو انہیں بہت تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے کہ یہ عجیب و غریب کہانی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو سینتالیسویں رات

دو سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب امجد اور اسعد نے بہرام سے جو آتش پرست سے مسلمان ہوا تھا' یہ کہانی سنی تو انہیں بہت تعجب ہوا۔ خیر اس رات تو انہوں نے آرام کیا۔ سویرا ہوتے ہی امجد اور اسعد سوار ہو کر بادشاہ سے ملنے گئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اجازت کے بعد وہ اندر آئے تو بادشاہ نے بڑے تپاک سے انہیں بٹھایا اور تینوں باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں شہر کے اندر شور و غل بپا ہوا۔ لوگ چلانے اور دہائی مانگنے لگے۔ حاجب نے بادشاہ کے پاس آ کر اطلاع کی کہ کسی غنیم نے شہر پر چڑھائی کر دی ہے۔ اس کے سپاہی ننگی تلواریں لیے شہر میں گھس آئے ہیں' معلوم نہیں ان کا کیا مقصد ہے؟ بادشاہ نے جو کچھ حاجب سے سنا تھا' اپنے وزیر امجد اور اس کے بھائی اسعد سے بیان کیا۔ امجد نے کہا کہ میں بادشاہ کے پاس جا کر ابھی خبر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر امجد محل سے نکلا اور اس نے دیکھا کہ بادشاہ کے ساتھ بے شمار سوار' پیادے اور غلام ہیں۔ امجد کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ شہر کے بادشاہ کا ایلچی ہے۔ وہ اسے سلطان کے پاس لے گئے۔ امجد اس کے پاس پہنچا' زمین کو بوسہ دیا اور دیکھا کہ یہ سلطان ایک عورت نقاب پوش ہے۔ ملکہ نے امجد سے کہا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں اس شہر میں ایک بے داڑھی مونچھ والے غلام کی تلاش میں آئی ہوں۔ اگر وہ مجھے مل گیا تو تمہارا کچھ نقصان نہ ہو گا اور اگر نہ ملا تو ہمارے تمہارے درمیان سخت لڑائی ہو گی۔ امجد نے کہا کہ اے ملکہ' اس کا نام اور پتہ اور حلیہ اور قصہ سنا؟ وہ بولی اس کا نام اسعد ہے اور میرا نام مرجانہ۔ وہ غلام ہے۔ آتش پرست بہرام اسے لے کر میرے پاس آیا تھا اور چونکہ وہ اسے بیچنا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے اسے زبردستی لے لیا مگر بہرام نے اس کا پیچھا کیا اور رات کے وقت میرے پاس سے چرا کر چلتا ہوا۔ پھر اس نے اس کا حلیہ

بیان کیا۔ امجد سمجھ گیا کہ وہ اس کے بھائی اسعد کی تلاش میں ہے اور کہنے لگا کہ جہاں پناہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں خوشی بخشی! وہ غلام میرا بھائی ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری کہانی سنائی اور وہ ماجرا بیان کیا جو ان دونوں پر پردیس میں پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ جزائر آبنوس سے کیونکر نکلے۔ یہ سن کر ملکہ مرجانہ حیرت میں آ گئی اور اسعد کے مل جانے کی خوشی ہوئی۔ اس نے امجد کو خلعت پہنایا۔ یہاں سے امجد بادشاہ کے پاس واپس گیا اور اس سے ساری باتیں بیان کیں۔ سب لوگ خوش ہو گئے اور بادشاہ امجد اور اسعد کو لے کر ملکہ سے ملنے کے لیے گیا۔ خوب آؤ بھگت ہوئی اور دونوں بادشاہ مع دونوں بھائیوں کے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ پھر غبار اٹھا اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے اندر سے ایک جرار لشکر جو متلاطم سمندر کی طرح تھا نکلا۔ یہ لشکر زرہ بکتر پہنے اور ہتھیار لگائے شہر کی طرف چلا آ رہا تھا اس نے آتے ہی شہر کو اس طرح گھیر لیا جیسے انگوٹھی چھنگلی کو اور تلواریں کھینچ لیں۔ یہ دیکھ کر امجد اور اسعد نے کہا کہ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کیسا زبردست لشکر ہے! اور یہ ضرور دشمن ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ ملکہ مرجانہ سے مل کر نہ لڑے تو ہمارے شہر پر قطعی ان کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم جا کر ان کی خبر لائیں۔ یہ کہہ کر امجد شہر کے دروازے سے نکلا اور ملکہ مرجانہ کے لشکر سے گزر کر اس نئے لشکر کے پاس پہنچا اور معلوم کیا کہ وہ اس کی ماں ملکہ بدور کے باپ بادشاہ غیور کا لشکر ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو اڑتالیسویں رات

دو سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ امجد لشکر کے پاس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ جزیروں اور سمندروں اور سات محلوں کے مالک اس کے نانا بادشاہ غیور کا لشکر ہے۔ جب وہ صاحب لشکر کے سامنے پہنچا تو اس نے زمین بوس ہو کر اس فوج کشی کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے کہا کہ میرا نام بادشاہ غیور ہے اور میں اپنی بیٹی بدور کی تلاش میں ملک ملک پھر رہا ہوں' کیونکہ جب سے وہ مجھ سے جدا ہوئی ہے نہ تو واپس آئی اور نہ اس کی اور اس کے شوہر قمر الزماں کی مجھے کوئی خبر ملی۔ تم لوگ ان کا کچھ حال بتا سکتے ہو؟ یہ سن کر امجد نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر تک سوچتا رہا یہاں تک کہ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی ماں کا باپ اور اس کا نانا ہے۔ اس کے بعد اس نے سر اٹھایا اور بادشاہ کے سامنے پھر زمین کو بوسہ دیا اور گزارش کی کہ میں تیری بیٹی بدور کا بیٹا ہوں۔ جونہی بادشاہ نے سنا کہ وہ اس کی بیٹی بدور کا بیٹا ہے تو اسے اپنی چھاتی سے لگایا' دونوں رونے لگے۔ بادشاہ غیور نے کہا کہ بیٹا شکر ہے خدا کا کہ میں تجھ سے ملنے تک زندہ رہا۔ اچھا بتا' تیری ماں اور تیرے باپ کا کیا حال ہے؟ امجد نے کہا کہ تیری بیٹی بدور اور میرا باپ قمرالزماں دونوں خیریت سے ہیں اور وہ اس جگہ کے حکمران ہیں جس کا نام جزیرہ آبنوس ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بیان کیا کہ میرا باپ قمرالزمان مجھ سے اور میرے بھائی سے ناراض ہے اور اس نے ہم دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا لیکن خزانچی نے ہم پر ترس کھایا اور ہمیں زندہ چھوڑ دیا۔

بادشاہ غیور نے کہا کہ میں تجھے اور تیرے بھائی کو خود لے کر تیرے باپ کے پاس چلوں گا اور صلح کرا دوں گا اور تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اس پر امجد خوش ہو کر اس کے آگے جھک گیا۔ بادشاہ غیور نے اپنے نواسے امجد کو خلعت عطا کیا اور اس نے

رخصت ہو کر اپنے بادشاہ سے یہ سارا قصہ کہا۔ بادشاہ کو بڑی مسرت ہوئی اور اس نے فوراً مہمانی کا سامان مثلاً بھیڑیں' گھوڑے' اونٹ اور چارہ وغیرہ روانہ کیا اور یہی چیزیں ملکہ مرجانہ کے لیے بھی بھیجیں۔ ملکہ مرجانہ بھی یہ عجیب ماجرا سن کر تعجب میں پڑ گئی اور اس نے کہا کہ میں اپنی فوج کے ساتھ غیور شاہ کے ہمراہ چل کر صلح کی کوشش کروں گی۔

ملکہ اور دونوں بادشاہ اپنی اپنی جگہ خوش تھے کہ پھر غبار اٹھا' سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ شور و غل اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آوازیں سنائی دیں اور چمکتی ہوئی تلواریں اور بھالوں کے پھل دکھائی دیے۔ جب یہ لشکر شہر کے قریب پہنچا اور انہوں نے وہاں دو لشکر دیکھے تو وہ ڈھول بجانے لگے۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ آج کا دن مبارک دن ہے۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ان دو لشکروں سے ہماری صلح کرا دی اور انشاء اللہ وہ اس لشکر سے بھی ہماری صلح کرا دے گا۔ اس کے بعد وہ بولا کہ اے امجد اور اے اسعد جا کر اس لشکر کی خبر لاؤ۔ یہ تو اتنا بڑا لشکر ہے کہ اس سے بڑھ کر میری نظر سے نہیں گزرا۔ بادشاہ نے اس لشکر کے ڈر سے' جس نے شہر کو چاروں طرف سے گھیرنا شروع کر دیا تھا' شہر کے دروازے بند کرا دیئے تھے۔ اس لیے امجد اور اس کا بھائی اسعد دروازے کھلوا کر لشکر کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہ بڑا عظیم الشان لشکر ہے۔ اندر جا کر انہیں معلوم ہوا کہ وہ جزیرہ آبنوس کے بادشاہ کا لشکر ہے اور ان کا باپ قمرالزماں خود سر لشکر ہے۔ آگے بڑھے اور ان کی نظر باپ پر پڑی تو انہوں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور رونے لگے۔ انہیں دیکھتے ہی قمرالزماں ان سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بار بار اپنے دونوں بیٹوں کو پیار کرتا' چھاتی سے لگاتا۔ پھر اس نے بہت سی معذرت کرنے کے بعد ان سے بیان کیا کہ انکے چلے جانے کے بعد اس کی جدائی میں کس قدر تکلیف پہنچی اور کیا گزری۔

وہ اپنی کہہ چکا تو امجد اور اسعد نے بادشاہ غیور کے متعلق سنایا کہ وہ بھی آیا ہوا ہے۔

یہ سن کر قمرالزماں اپنے خاص خاص ہمراہیوں اور دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کو لے کر فوراً کھڑا ہو گیا جب یہ بادشاہ غیور کے لشکر کے پاس پہنچے تو ہر کاروں نے بڑھ کر اسے خبر دی کہ قمرالزماں آ رہا ہے۔ وہ داماد کے استقبال کو اپنے خیمے سے باہر نکل آیا اور سب کے سب آپس میں ملے۔ انہیں اس بات پر سخت تعجب تھا کہ خدا نے کس طرح ایک کو دوسرے سے ملایا ہے۔ شہر والوں نے ان کے لیے طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرائیں۔ ان کی دعوتیں کیں اور انہیں گھوڑے' اونٹ' کھانے اور چارے پیش کیے اور وہ تمام چیزیں ان کے لیے مہیا کیں جن کی لشکر کو ضرورت تھی۔

مہمان داری سے ابھی انہیں فرصت نہیں ملی تھی کہ پھر جنگل کی طرف سے گرد اٹھتی نظر آئی اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین تھرانے لگی۔ نقاروں' دماموں کی آوازیں آنے لگیں۔ دیکھا تو فوج ہے زرہ بکتر پہنے ہتھار لگائے لیکن سب سیاہ پوش اور ان کے بیچ میں ایک بہت بوڑھا شخص ہے جس کی داڑھی سینے تک اور کپڑے اس کے بھی سیاہ ہیں۔ شہر والے حیران تھے کہ یہ کون آیا اور ان کے بادشاہ نے دوسرے بادشاہوں سے کہا کہ شکر ہے خدا کا جس کے حکم سے تم سب یہاں ایک ہی دن اکٹھے ہوئے اور سب کے سب ایک دوسرے سے واقف ہو لیکن اب یہ کس کی فوج آئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اندیشہ نہ کرو' ہم تین بادشاہ ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک بڑا لشکر ہے اگر وہ دشمن ہیں تو ہم ان سے لڑیں گے۔ خواہ وہ تعداد میں کتنے بھی ہوں۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس تازہ وارد لشکر کا ایلچی شہر کی طرف آیا اور لوگ اسے قمرالزماں اور بادشاہ غیور اور ملکہ مرجانہ اور شہر کے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ ایلچی نے زمین بوس ہو کر کہا کہ ہمارا بادشاہ عجم کے ملک سے آیا ہے۔ کئی سال سے اس کا بیٹا گم ہے اور وہ اس کی تلاش میں ملک ملک خاک چھانتا پھرتا ہے۔ اگر اس کا بیٹا یہاں مل گیا تو تمہیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر نہیں ملا تو وہ تم پر چڑھائی کر کے تمہارا شہر تباہ کر دے گا۔ قمرالزماں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اچھا یہ بتا

کہ اسے عجم کے ملک میں کس نام سے یاد کرتے ہیں؟ ایلچی نے کہا کہ اس کا نام بادشاہ شہرمان ہے اور وہ جزائر خالدان کا حکمران ہے۔ یہ لشکر اس نے ان تمام ملکوں سے جمع کیا ہے جہاں جہاں وہ گزرا ہے اور اپنے بیٹے کو تلاش کیا ہے۔
ایلچی کی زبانی یہ سن کر قمرالزماں نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا اور کچھ دیر تک بے ہوش رہا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ زار زار رونے لگا اور امجد اور اسعد اور اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ اے میرے بیٹو' ایلچی کے ساتھ جا کر میرے والد' اپنے دادا کو سلام کرو اور اسے میری خوش خبری دو کیونکہ اس کی غمگینی میری ہی وجہ سے ہے اور میرے ہی سوگ میں وہ اب تک سیاہ پوش ہے۔ اس کے بعد اس نے تینوں بادشاہوں سے اپنی جوانی کا ماجرا بیان کیا۔ ان سب کو بڑا تعجب ہوا اور وہ تینوں قمرالزماں کے ساتھ اس کے باپ کے پاس گئے۔ قمرالزماں نے اپنے باپ کو سلام کیا۔ دیکھتے ہی دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اور مارے خوشی کے غش کھا کر گر پڑے۔
جب انہیں ہوش آیا تو قمرالزماں نے اپنے باپ سے اپنا سارا ماجرا بیان کیا۔ اس کے بعد باقی بادشاہوں نے بھی اسے سلام کیا۔
سب کی صلاح سے مرجانہ کی شادی اسعد کے ساتھ کر دی گئی۔ مرجانہ اپنے دولہا کے ساتھ اپنے ملک کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سے تاکید کر دی کہ خط و کتابت جاری رکھیو۔ اس کے بعد امجد کی شادی بہرام کی بیٹی بستان سے کر دی اور بیٹے اور بہو کو ساتھ لے کر قمرالزماں دوسرے بادشاہوں کے ہمراہ شہر آبنوس کو روانہ ہو گیا۔ اپنے ملک میں جب یہ سب پہنچ گئے تو قمرالزماں نے اپنے خسر کے پاس جا کر اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ اپنے بیٹوں کو کس طرح دوبارہ پایا۔ وہ بہت خوش ہوا سلامتی پر مبارک باد دی۔ بادشاہ غیور بھی اپنی بیٹی ملکہ بدور سے ملا اور اس سے مل کر اپنی تمناؤں کو ٹھنڈا کیا۔ مدینتہ الا آبنوس میں پورے ایک مہینے ٹھہر کر پھر اپنی بیٹی کو لے کر اپنے شہر چلا گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• دو سو انچاسویں رات

جب دو سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ شاہ غیور اپنی بیٹی اور ہمراہیوں کے ساتھ اپنے شہر کو روانہ ہو گیا اور امجد کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اپنے ملک میں پہنچ کر اس نے امجد کو اپنا جانشین بنا دیا اور وہ اپنے نانا کی جگہ حکمرانی کرنے لگا۔ قمرالزماں نے اپنے بیٹے اسعد کو اس کے نانا ارمانوس کے شہر میں اپنی جگہ بادشاہ بنا دیا اور اس کے نانا نے بھی اپنے نواسے کا بادشاہ ہونا بخوشی منظور کر لیا۔ اس کے بعد قمرالزماں نے سفر کی تیاری کی اور اپنے باپ بادشاہ شہرمان کے ساتھ روانہ ہو کر جزائر خالدان پہنچا اور باپ بیٹے کے لیے شہر سجایا گیا۔ پورے ایک مہینے تک خوشی کے نقارے بجتے رہے اور قمرالزماں اپنے باپ کی جگہ حکومت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام لذتوں کو ڈھانے اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی اور اللہ بہترین جاننے والا ہے۔

بادشاہ نے شہر زاد سے کہا کہ یہ کہانی نہایت عجیب و غریب ہے۔ اس نے عرض کیا' جہاں پناہ مگر علاؤ الدین ابوالشامات کی کہانی سے زیادہ عجیب نہیں۔ بادشاہ نے کہا علاؤ الدین ابوالشامات کی کیا کہانی ہے؟

○ علاؤ الدین ابوالشامات کی کہانی

اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ پرانے زمانے میں ایک سوداگر مصر میں رہتا تھا' جس کا نام شمس الدین تھا۔ وہ تاجروں میں بہترین اور سب سے زیادہ راست گو تھا۔ اس کے پاس بہت سے نوکر چاکر' کنیزیں اور بے شمار مال و دولت تھی۔ مصر والے اس کو تاجروں کا بادشاہ کہتے تھے۔ اسے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اور بیوی

کو بھی اس سے عشق تھا لیکن اس کے ساتھ چالیس سال رہنے کے بعد بھی نہ اس کے ہاں کوئی بیٹی ہوئی تھی نہ بیٹا۔ ایک دن وہ اپنی دوکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ اس کے ایک یا دو کئی بیٹے دکانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کو بڑی حسرت آئی۔ یہ جمعے کا دن تھا۔ اسی خیال میں حمام چلا گیا اور جب غسل کر کے نکلا تو نائی کا آئینہ لے کر اپنی صورت دیکھنے لگا اور کہا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسوال اللہ اس کے بعد اس کی نظر اپنی داڑھی پر پڑی۔ سفیدی سیاہی پر غالب آ گئی تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ بڑھاپا موت کا پیغامبر ہے۔ اس کی بیوی کو معلوم تھا کہ وہ کب لوٹتا ہے۔ وہ اس کے لیے نہا دھو اور بن سنور کر بیٹھی تھی۔ اس روز جو وہ اپنی بیوی کے پاس آیا تو بیوی نے شام بخیر کہہ کر مزاج پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے کوئی خیر نہیں دیکھی۔ بیوی نے لونڈی سے کہا کہ شام کے کھانے کے لیے دسترخوان بچھا۔ جب لونڈی کھانا لائی اور بیوی نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا کھا تو وہ بولا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا اور دسترخوان کو ٹھوکر مار کر بیوی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے اور تو کیوں غمگین ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو پچاسویں رات

دو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ شمس الدین نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے؟ شوہر بولا آج جب میں نے دوکان کھولی تو دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ ایک یا دو کئی بیٹے اپنے اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ جس ذات نے تیرے باپ کو اٹھا لیا ہے وہ تجھے بھی نہیں چھوڑے گی اور جس رات میں نے پہلے پہل تیرے ساتھ ہم بستری کی ہے تو میں نے قسم کھائی تھی کہ تیرے بعد میں نہ کسی سے شادی کروں گا اور نہ کسی حبشی' رومی یا کسی اور لونڈی کے ساتھ ہم بستر ہوں گا اور کسی رات تجھ سے علیحدہ نہ سوؤں گا۔ اب حالت یہ ہے کہ تو بانجھ ہے اور تیرے اندر بچہ پیدا کرنا پتھر کاٹنا ہے۔ بیوی نے کہا کہ خدا جانتا ہے کمی تجھ میں ہے نہ کہ مجھ میں۔ کیونکہ تیرا مادہ پتلا اور تخم کمزور ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب؟ بیوی نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں عورت حاملہ نہیں ہو سکتی اور بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ شوہر نے کہا اچھا اس کا علاج؟ اس کی دوا کہاں ملتی ہے؟ میں ابھی جا کر اسے خریدوں گا تا کہ اس سے مادہ گاڑھ اور تخم طاقتور ہو جائے۔ بیوی بولی عطاروں کے پاس جا کر تلاش کر۔

دوسرے دن صبح کو جب تاجر سو کر اٹھا تو وہ اس بات پر پچھتایا کہ اس نے بیوی کو برا بھلا کہا اور بیوی کو بھی اس بات پر ندامت ہوئی کہ اس نے شوہر سے سخت کلامی کی۔ پھر وہ بازار جا کر عطار سے ملا اور سلام علیک کی۔ عطار نے سلام کا جواب دیا اس نے کہا کہ تیرے پاس مرد کے مادے کو غلیظ کرنے کی دوا ہے؟ اس نے کہا۔ تھی تو سہی مگر ختم ہو گئی ہے۔ میرے پڑوسی سے پوچھ۔ اب وہ ایک ایک عطار کے

پاس جاتا اور یہی سوال کرتا۔ وہ اس پر ہنستے۔ اس کے بعد وہ اپنی دوکان کو لوٹا اور غمگین بیٹھ گیا۔

بازار میں ایک بھنگڑی دلالوں کا چودھری تھا۔ اسے افیون اور بھنگ کھانے کی لت تھی اور بھنگ بھی وہ جو ہری ہو۔ اس چودھری کا نام شیخ محمد سمسم تھا۔ ہمیشہ پھٹی حالت میں رہتا اور ہر روز صبح کو اس تاجر کے پاس آ کر سلام کر جاتا۔ دستور کے موافق وہ آج بھی آیا اور اس نے السلام علیکم کہا۔ سوداگر نے سلام کا جواب دیا مگر اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ چودھری نے پوچھا کہ اے میرے آقا تو غصے میں کیوں بھرا بیٹھا ہے؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا جو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پیش آیا تھا اور کہا کہ چالیس سال سے وہ میری بیوی ہے لیکن اب تک نہ اس کے لڑکا پیدا ہوا نہ لڑکی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے حاملہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میری منی پتلی ہے اس لیے میں ایسی دوا کی تلاش میں ہوں جس سے یہ بات جاتی رہے لیکن وہ نہیں ملتی۔

چودھری نے کہا کہ اے میرے آقا' میرے پاس اس کی دوا ہے۔ اگر میں تیری بیوی کو چالیس سال کے بعد تجھ سے حاملہ کرا دوں تو بتا تو مجھے کیا دے گا؟ تاجر بولا کہ اگر ایسا ہو گیا تو انعام و اکرام میں تیرے ساتھ کمی نہیں کروں گا۔ چودھری نے کہا کہ لا ایک دینار مجھے دے۔ اس نے کہا کہ ایک نہیں' تو دو دینار لے جا۔ اس نے دونوں دینار لے کر کہا کہ ایک چینی کا پیالہ مجھے اٹھا دے۔ تاجر نے چینی کا پیالہ بھی اسے دے دیا۔ چودھری اسے لے کر ایک عطار کے پاس پہنچا اور اس سے ایک چھٹانک رومی افیون' اسی قدر کباب چینی اور دار چینی' لونگ' الائچی' سونٹھ' سفید مرچ اور سقنقور لی۔ ان سب کو اس نے کوٹ کر ایک اعلیٰ قسم کے زیتون کے تیل میں پکایا اور سوا چھٹانک دانے دار لوبان اور ایک پیالہ بھر دھنیا لیا اور ان کو صاف کر کے رومی مکھیوں کے شہد میں ملا کر معجون بنائی اور چینی کے پیالے میں بھر کر تاجر کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ یہ منی کو گاڑھا کرنے والی دوا ہے۔ اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے

کہ پہلے بھیڑ اور خانگی کبوتروں کا گوشت بہت مرچوں اور مسالے کے ساتھ کھا' پھر چمچہ بھر اس معجون کو نوش کر۔ اس کے بعد رات کا کھانا کھا کر مصری کا شربت پی لے۔

تاجر نے معجون کا پیالہ' گوشت اور کبوتروں وغیرہ کے ساتھ اپنی بیوی کو بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ان چیزوں کو اچھی طرح پکا اور منی کے گاڑھا کرنے والی دوا کو حفاظت سے اپنے پاس رکھ اور جب میں اسے مانگوں تو مجھے دیجیو۔ بیوی نے اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور اس کے آگے شام کا کھانا پیش کیا۔ جب وہ کھا چکا تو اس نے وہ پیالہ مانگا اور اس میں سے تھوڑی سے وہ دوا چکھی۔ وہ اسے مزیدار معلوم ہوئی تو اس نے باقی دوا بھی کھا لی اور کھا کر اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ خدا کی قدرت' اسی رات حمل قرار پا گیا۔ اب اس پر ایک مہینہ گزرا پھر دوسرا اور تیسرا اور اس کے ایام بند ہو گئے۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ حمل سے ہے۔ جب حمل کے دن پورے ہو چکے اور زہ کا درد محسوس ہوا تو سب نے خوشیاں منائیں۔ دایہ نے مشکل سے بچہ جنوایا اور اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ' کا نام پڑھ پڑھ کر دم کیا۔ اس کے کان میں تکبیر کہی اور اذان دی اور اسے لپیٹ کر ماں کے پہلو میں لٹایا۔ ماں نے اسے اپنی چھاتی دی' دودھ پلایا۔ اس نے سیر ہو کر پیا اور سو گیا۔ دایہ تین دن تک ان کے ہاں رہی۔ ساتویں دن انہوں نے بچے کا عقیقہ کیا اور مٹھائی بانٹی اور نمک چھڑکا' تاجر نے آ کر اپنی بیوی کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی اور پوچھا کہ خدا کی امانت کہاں ہے؟ بیوی نے بچے کو اس کے آگے پیش کیا جو نہایت حسین اور مدبر پروردگار کی صنعت تھی۔ اس کی عمر سات دن کی تھی مگر جو اسے دیکھتا وہ کہتا کہ وہ ایک سال کا ہے۔ جب تاجر نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ وہ نکلتے ہوئے چاند کی طرح خوبصورت ہے' اس کے دونوں رخساروں پر تل ہیں۔ وہ اپنی بیوی سے پوچھنے لگا کہ تو نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اگر لڑکی ہوتی تو میں اس کا نام رکھتی۔ یہ لڑکا ہے اس کا نام تو ہی رکھ سکتا ہے۔ اس زمانے میں

لوگ کسی نہ کسی فال سے نام نکالتے تھے۔ اس لیے جب وہ نام کے متعلق مشورہ کر رہے تھے انھوں نے سنا کہ کوئی شخص اپنے دوست سے کہہ رہا ہے اے علاؤ الدین!

یہ سنتے ہی اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہم بچے کا نام علاؤ الدین ابوالشامات یعنی تلوں والا رکھیں گے۔ پھر اس نے بچے کے لیے دائیاں اور دودھ پلانے والیاں مقرر کیں۔

دو سال تک اس نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد انھوں نے دودھ چھڑا دیا اور وہ بڑھ کر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔

جب وہ سات برس کا ہوا تو انھوں نے اسے تہہ خانے میں رکھا کہ نظر نہ لگنے پائے اور باپ نے کہا کہ جس وقت تک اس کی داڑھی نہ نکل آئے' یہ باہر نہیں نکلے گا اور اس کی خدمت کے لیے ایک کنیز اور ایک غلام مقرر کر دیا۔ کنیز اس کے لیے کھانا تیار کرتی اور غلام اس کے ساتھ نیچے تہہ خانے میں رہتا۔ اب اس کا ختنہ ہوا۔ بڑے دھوم کی دعوت دی گئی۔ اسے تعلیم دینے کے لیے ایک مولوی مقرر کیا گیا۔ اس نے اسے خوش خطی اور قرآن اور دیگر علوم سکھائے' یہاں تک کہ وہ لائق اور قابل ہو گیا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ غلام اس کے سامنے دسترخوان بچھا کر کھانا لینے گیا اور بھولے سے تہہ خانے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ علاؤ الدین وہاں سے نکل کر اپنی ماں کے پاس جا پہنچا اس روز اس کی ماں کے پاس بڑے گھرانوں کی بیبیاں جمع تھیں اور ادھر ادھر کی گفتگو ہو رہی تھی۔ لڑکے کا حسن و جمال دیکھ کر وہ سب ہکا بکا ہو گئیں۔ انھیں گمان ہوا کہ یہ کوئی متوالا اور چاہیا غلام ہے۔ اس پر نظر پڑتے ہی عورتوں نے منہ چھپا لیا اور اس کی ماں سے کہنے لگیں کہ اے فلاں بی بی خدا تجھے معاف کرے! تو نے اس اجنبی غلام کو کیوں ہمارے پاس آنے دیا؟ تجھے معلوم نہیں کہ شرم و ایمان کا جزو ہے! اس نے جواب دیا کہ خدا خدا کرو' یہ میرا نور نظر' میرے دل کا ٹکڑا اور تاجروں کے بادشاہ شمس الدین کا بیٹا ہے۔ بڑے نازونعم سے پالا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے آج تک تیرا کوئی بیٹا نہیں دیکھا۔ ماں نے کہا کہ باپ کو ڈر تھا کہ

کہیں اسے نظر نہ لگ جائے اس لیے اس نے اسے بھونرے میں پالا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو اکیاون ویں رات

جب دو سو اکیاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- علاؤ الدین کی ماں نے عورتوں سے کہا کہ باپ نے اسے بھونرے میں پالا ہے تاکہ اسے نظر نہ لگنے پائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلام تہہ خانہ بند کرنا بھول گیا اور لڑکا اس میں سے نکل آیا۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب تک اس کی داڑھی نہ نکل آئے وہ تہہ خانے سے باہر نہ نکلے۔ یہ سن کر عورتوں نے اسے مبارک باد دی اور لڑکا عورتوں کے پاس صحن میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا کہ غلام اس کے باپ کا خچر لے کر اندر آئے۔

علاؤ الدین نے پوچھا' یہ خچر کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تیرا باپ اس پر سوا ہو کر دوکان گیا تھا۔ ہم اسے پہنچا کر واپس لائے ہیں۔ وہ بولا میرا باپ کیا پیشہ کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیرا باپ مصر کا مالک التجار ہے اور عربوں کا سردار۔

یہ سن کر علاؤ الدین اپنی ماں کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ اماں جان میرا باپ کیا کام کرتا ہے؟ اس نے بھی وہی جواب دیا کہ تیرا باپ سوداگری کرتا ہے' اس کا بڑا کاروبار ہے۔ اس کے غلام ایسے لین دین میں اس سے مشورہ تک نہیں کرتے جو ایک ہزار دینار سے کم کا ہو۔ اس کی بڑی ساکھ ہے۔ جو مال لوگ اپنے ملکوں سے لاتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت' سب اس کے پاس آتا ہے اور وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جو مال دوسرے ملکوں میں جاتا ہے' وہ بھی تیرے باپ کے پاس سے ہو کر جاتا ہے۔ بیٹا خدا نے تیرے باپ کو اتنا مال و دولت عطا کیا ہے جو شمار سے باہر ہے۔

لڑکے نے کہا کہ اماں جان تم لوگوں نے مجھے تہہ خانے میں بند کر کے قیدی کی طرح کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ ماں نے جواب دیا کہ محض اس لیے کہ تجھے نظر نہ لگنے پائے کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے اکثر لوگ نظر سے مر گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اماں جان

قضا و قدر سے بھاگ کر انسان کہاں جا سکتا ہے! احتیاط کرنے سے قسمت نہیں بدل سکتی اور جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے' اس سے مفر نہیں۔ جس ذات نے میرے دادا کو

اٹھا لیا ہے وہ مجھے اور میرے باپ کو بھی نہ چھوڑے گی۔

آج وہ زندہ ہے اور کل مردہ ہو گا۔ اگر میں باپ کے مرنے کے بعد باہر نکلا اور میں نے کہا کہ میں شمس الدین تاجر کا بیٹا علاؤ الدین ہوں تو کوئی بھی میری بات نہ مانے گا اور بوڑھے بوڑھے لوگ کہیں گے کہ ہم نے عمر بھر نہ شمس الدین کا کوئی لڑکا دیکھا اور نہ لڑکی۔ بیت المال والے آ کر میرے باپ کا مال و دولت مجھ سے لے جائیں گے۔ خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے یہ ضرب المثل کہی ہے' انسان مر جاتا ہے اور اس کی آبرو جاتی رہتی ہے اور رذیل ترین لوگ اس کی بیویوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اماں جان تو میرے باپ سے کہہ کہ وہ مجھے اپنے ساتھ بازار لے جایا کرے۔ میرے لیے ایک دوکان کھول دے' میں اس میں مال لے کر بیٹھوں اور وہ مجھے خرید و فروخت اور لین دین سکھائے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا جب تیرا باپ آئے گا تو میں اس سے کہوں گی۔

جب تاجر گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ علاؤ الدین ابوالشامات اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہے۔ بیوی سے پوچھا کہ تو نے اسے تہہ خانے سے کیوں نکالا؟ اس نے کہا کہ اے میرے چچیرے بھائی' میں نے اسے نہیں نکالا' غلام قفل لگانا بھول گئے۔ تہہ خانہ کھلا چھوڑ دیا۔ میں بڑے گھرانوں کی بیبیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ نکل کر ہمارے پاس آیا۔ اس کے بعد اس نے وہ تمام باتیں بیان کیں جو اس کے بیٹے نے کہی تھیں۔

باپ بولا بیٹا انشاء اللہ میں تجھے کل بازار لے چلوں گا لیکن بیٹا بازار اور دوکانوں میں بیٹھنے کے لیے بہرحال ادب اور کمال لازم ہے۔ باپ کی باتیں سن کر علاؤ الدین خوش ہو گیا اور سو گیا۔ صبح ہوئی تو وہ اسے حمام لے گیا۔ نہایت قیمتی کپڑے پہنائے اور ناشتہ کرنے اور شربت پینے کے بعد ایک خچر پر خود سوار ہوا' دوسرے پر اپنے بیٹے کو بٹھایا

اور آگے پیچھے دونوں باپ بیٹے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ بازار والوں نے جو دیکھا کہ ملک التجار آگے آگے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکا ہے ایسا حسین جیسے چودھویں کا چاند۔ تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھ' ملک التجار کے ساتھ یہ کون ہے؟ ہم تو اسے نیک آدمی خیال کرتے تھے مگر وہ تو پیاز کی طرح نکلا۔ سر بوڑھا اور قلب جوان۔ اس پر شیخ محمد سمسم جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے بولا۔ ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارا سردار بنا رہے۔ بازار کا دستور یہ تھا کہ جب ملک التجار گھر سے صبح کے وقت آ کر دوکان پر بیٹھتا تو پہلے بازار کا چودھری تاجروں کے پاس جا کر فاتحہ پڑھتا اور پھر وہ سب مل کر اس کے ساتھ ملک التجار کے پاس آ کر فاتحہ پڑھتے اور صباح بخیر کہتے۔ اس کے بعد سب تاجر اپنی اپنی دوکانوں کو چلے جاتے۔

اس روز جبکہ عادت کے مواقف ملک التجار دوکان پر آ کر بیٹھا تو تاجر اور دنوں کی طرح اس کے پاس نہیں آئے۔ یہ نئی بات تھی۔ اس نے چودھری کو پکار کر پوچھا کہ معمول کے مواقف آج سوداگر کیوں نہیں جمع ہوئے؟ اس نے جواب دیا' معلوم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ تاجروں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ تجھے اپنی سرداری سے معزول کر دیں اور تیرے لیے فاتحہ نہ پڑھیں۔ اس نے کہا کہ سبب؟ چودھری بولا یہ لڑکا کون ہے جو تیرے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے؟ تو' تو بوڑھا اور تاجروں کا سردار۔ کیا یہ لڑکا تیرا غلام ہے یا تیری بیوی کا رشتے دار؟ میرے خیال میں وہ تیرا معشوق ہے اور تیرا دل اس پر آ گیا ہے۔ ملک التجار نے ڈانٹ کر کہا کہ زبان تھام' خدا تیری ذات و صفات دونوں پر لعنت کرے' یہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نے عمر بھر تیری اولاد نہیں دیکھی۔

ملک التجار نے جواب دیا' مادہ تولید کا قوام درست کرنے کی دوا تو نے ہی تو بنا کر مجھے دی تھی۔ اس سے میری بیوی حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہوا۔ پھر اس ڈر سے کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے میں نے بھونرے میں اس کی پرورش کی میں چاہتا تھا کہ جب تک وہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے نہ پکڑ سکے' تہہ خانے سے نہ نکلے۔ مگر اس

کی ماں نے نہ مانا اور مجھ سے کہا کہ اس کے لیے ایک دوکان کھول کر اس میں سوداگری کا مال رکھوں اور اسے خرید و فروخت کرنا سکھاؤں۔ یہ سن کر چودھری تاجروں کے پاس گیا۔ ان سے سارا واقعہ بیان کیا اور وہ سب چودھری کے ساتھ ملک التجار کی دوکان پر آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی۔ لڑکے کی مبارکباد دی اور کہا کہ ہمارا پروردگار جڑ اور شاخ دونوں کو سلامت رکھے! لیکن غریب کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی کم از کم ایک کڑاہی دلیا پکا کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کا منہ میٹھا کرا دیتا ہے مگر تو نے یہ بھی نہیں کیا۔ وہ بولا یہ تمہارا قرضہ میرے اوپر ہے جسے میں باغ میں اتاروں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # دو سو باونویں رات

دو سو باونویں رات ہوئی تو اس کی بہن دنیا زاد نے کہا کہ بہن اگر تجھے نیند نہ آتی ہو تو اپنی کہانی کہہ ڈال۔ وہ بولی سر آنکھوں سے۔

اے نیک نہاد بادشاہ ------- ملک التجار نے انہیں دعوت دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ ہم سب باغ میں جمع ہوں گے چنانچہ دوسرے دن علی الصباح تاجر نے فراش کو بلا کر حکم دیا کہ باغ میں بارہ دری اور محل کو فرش فروش سے آراستہ کرے اور پکانے کے لیے بھیڑیں اور گھی وغیرہ منگوایا۔ دو دسترخوان بچھوائے۔ ایک بارہ دری میں اور ایک محل میں' باپ بیٹے دونوں کمر باندھ کر مہمانوں کی مدارات کے لیے تیار ہو گئے۔ تاجر نے کہا' بیٹا اگر کوئی بوڑھا شخص آئے گا تو میں اسے لے جا کر محل کے دسترخوان پر بٹھاؤں گا اور کسی بے داڑھی مونچھ والے لڑکے کو تو دیکھے تو اسے جا کر بارہ دری میں لے جا کر دسترخوان پر بٹھائیو۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان اس کے کیا معنی ہیں کہ تو دو دسترخوان علیحدہ علیحدہ لگاتا ہے۔ ایک بوڑھوں کے واسطے دوسرا لڑکوں کے لیے۔ باپ نے جواب دیا کہ بیٹا لڑکوں کو بڑوں کے سامنے کھانے سے شرم آتی ہے۔ لڑکے کو یہ بات پسند آئی۔ جب مہمان آنے شروع ہوئے تو شمس الدین اپنے ہم سنوں کو لے جا کر محل میں بٹھاتا اور اس کا بیٹا علاؤ الدین اپنی عمر والے لڑکوں کو بارہ دری میں لے جاتا۔ اس کے بعد کھانا چنا گیا۔ سب نے کھایا پیا۔ لطف اٹھایا' خوش ہوئے۔ شربت کے دور چلے۔ عطر پاشی کی گئی اور بوڑھے بیٹھ کر علم و حدیث کی باتیں کرنے لگے۔

ان لوگوں میں ایک تاجر تھا' جسے لوگ محمود البلخی کہتے تھے۔ وہ ظاہراً مسلمان اور باطن میں آتش پرست۔ نہایت بدچلن' لڑکوں سے اس کو خاص رغبت تھی۔ علاؤ الدین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی اس کے دل میں ہزاروں آرزوئیں امنڈنے لگیں اور شیطان

نے علاؤ الدین کے چہرے کو اس کے لیے ایک ہیرا بنا دیا۔ وہ علاؤ الدین کے حسن کا دیوانہ ہو گیا۔ اس کے دل میں اس کی محبت بیٹھ گئی۔ یہ علاؤ الدین کے باپ سے کپڑے اور دوسرا تجارت کا مال خریدا کرتا تھا۔

اتفاق سے علاؤ الدین پیشاب کرنے چلا گیا تو محمود بلخی اٹھ کر لڑکوں کے پاس پہنچا۔ وہ اس کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم علاؤ الدین کو میرے ساتھ سفر پر چلنے کے لیے آمادہ کر دو تو میں تم سب کو ایک ایک بے بہا کپڑوں کا جوڑا دوں گا۔ اتنا کہہ کر وہ پھر بڑے بوڑھوں کی مجلس میں آ بیٹھا۔ علاؤ الدین پیشاب سے فارغ ہو کر آیا تو لڑکوں نے اسے اپنے درمیان اونچی جگہ پر بٹھایا اور ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا کہ اے میرے آقا حسن' تیرے پاس وہ پونجی کہاں سے آئی جس سے تو خرید و فروخت کرتا ہے؟ حسن نے جواب دیا کہ جب میں بالغ ہوا تو میں نے اپنے باپ سے کہا کہ اباجان میرے لیے تجارت کا مال مہیا کر۔ وہ کہنے لگا' بیٹا میرے پاس تو کچھ نہیں تو جا کر کسی تاجر سے مال لے لے اور کام شروع کر دے' خرید و فروخت اور لین دین سیکھ۔ یہ سن کر میں ایک تاجر کے پاس گیا اور ایک ہزار دینار قرض لیے اور ان سے کپڑے خرید کر دمشق کا سفر کیا۔ مجھے دگنا نفع ہوا۔ پھر دمشق سے سامان خرید کر حلب گیا اور وہاں بیچا اور اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھایا۔ پھر حلب سے مال لے کر بغداد گیا اور اپنی پونجی بڑھائی۔ اسی طرح شہر در شہر تجارت کرتے کرتے اب میری پونجی دس ہزار دینار ہو گئی ہے۔ ہر لڑکا اپنے رفیق سے اسی قسم کی باتیں کرتا یہاں تک کہ علاؤ الدین کی باری آ گئی۔

انہوں نے کہا کہ اے ہمارے آقا علاؤ الدین اور تو؟ اس نے جواب دیا کہ میری پرورش تو زمین کے نیچے تہہ خانے میں ہوئی ہے۔ اسی ہفتے میں وہاں سے نکلا ہوں۔ ابھی تو میں نے کوئی کاروبار شروع نہیں کیا۔ صرف دوکان میں آتا ہوں اور پھر گھر لوٹ

جاتا ہوں۔ وہ بولے کہ تجھے گھر میں گھس کر بیٹھنے کی عادت ہے اس لیے تو سفر کی لذت کیا جانے اور سفر محض مردوں کے لیے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے سفر کی ضرورت نہیں اور سفر کے آرام کو میں کوئی اہمیت بھی نہیں دیتا۔ اس پر ایک لڑکے نے اپنے رفیق سے کہا کہ یہ مچھلی کی طرح ہے کہ پانی سے نکلا اور مرا۔ انہوں نے کہا کہ اے علاؤ الدین سفر تو تاجروں کے لڑکوں کے لیے فخر کا باعث ہے۔ اس میں فائدے ہی فائدے ہیں۔ یہ سن کر علاؤ الدین کھسیانا ہو کر وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے خچر پر بیٹھ کر گھر چلا گیا۔ اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ رونکھا سا ہے۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں تو وہ کہنے لگی کہ بیٹا کیا بات ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ سارے تاجروں کے لڑکے مجھے چھیڑتے اور کہتے ہیں کہ سفر تاجروں کی اولاد کے لیے فخر کا باعث ہے کیونکہ اس سے وہ دولت کماتے ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو ترپنویں رات

جب دو سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- علاؤ الدین اپنی ماں سے کہنے لگا کہ تاجر زادے مجھے چڑاتے اور کہتے ہیں کہ محض سفر سوداگر بچوں کے لیے فخر کا باعث ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے وہ نفع اٹھاتے ہیں۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیا تو بھی سفر کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ ماں بولی کہ کس ملک کا؟ اس نے کہا کہ بغداد کا۔ اس لیے کہ وہاں دگنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ ماں کہنے لگی کہ بیٹا تیرے باپ کے پاس بہت مال و دولت ہے لیکن اگر وہ اپنے مال سے تیرے لیے سوداگری کا سامان تیار نہ کرے گا تو میں اپنے پاس سے کروں گی۔ لڑکے نے کہا کہ بہترین نیکی وہ ہے جو جلد کی جائے اور نیکی کرنے کا یہی وقت ہے۔ ماں نے غلاموں کو بلا کر اسباب باندھنے والوں کے پاس بھیجا اور ایک انبار خانہ کھول کر کپڑوں کے تھان نکالے اور دس گٹھڑیاں باندھ کر تیار کیں۔

یہ تو اس کی ماں کا قصہ ہوا' اب اس کے باپ کی سنیئے۔ جب اس نے اپنے بیٹے علاؤ الدین کو تلاش کیا اور اسے باغ میں پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔ یہ سنتے ہی وہ بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ سامان کے بقچے بندھے پڑے ہیں۔ سبب دریافت کرنے پر اس کی بیوی نے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے بیٹے علاؤ الدین کو تاجر زادوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ خدا پردیس پر لعنت بھیجے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اسے اپنا رزق اپنے شہر میں ملے۔ بزرگ کہہ گئے ہیں کہ سفر نہ کر خواہ وہ ایک ہی میل کا کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے بیٹے سے پوچھا کیا تو نے سفر کا پکا ارادہ کر لیا ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا؟ بیٹے نے جواب دیا کہ میں مال لے کر بغداد گئے بغیر

نہیں مانوں گا ورنہ میں اپنے کپڑے اتار کر فقیرانہ کپڑے پہن لوں گا اور ملک ملک گھومتا پھروں گا۔ باپ نے کہا کہ بیٹا نہ میں غریب ہوں اور نہ مسکین۔ میرے پاس بہت مال اور دولت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو اپنی ساری جتھا' تجارت کا مال اور کپڑے دکھائے اور بولا کہ میرے پاس ہر شہر کے قابل کپڑے اور تجارت کا دوسرا مال ہے۔ ادھر دیکھ منجملہ اور سامان کے' یہ چالیس گٹھے بندھے رکھے ہیں اور ہر ایک پر ایک ہزار دینار قیمت لکھی ہوئی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ بیٹا چالیس یہ اور اپنی ماں کے دس گٹھے لے کر فی امان اللہ سفر کر۔ لیکن بیٹا میں تجھے اس جنگل سے خبردار کر دینا چاہتا ہوں جو راہ میں پڑے گا جس کا نام غابتہ الاسد ہے اور اس وادی سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتا ہوں جسے وادی الکلاب کہتے ہیں کیونکہ ان میں لوگ جان سے مارے جاتے ہیں۔ بیٹے نے پوچھا کہ ابا جان وہاں کیا خوف ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بدو عجلان نام وہاں بٹ ماری کرتا ہے۔ بیٹا کہنے لگا کہ رزق دینے والا اللہ ہے اگر میرا اس میں حصہ ہو گا تو مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

اب علاؤ الدین سوار ہو کر اپنے باپ کے ساتھ نخاس پہنچا' انہیں دیکھتے ہی ایک شتربان نے اپنی سواری سے اتر کر ملک التجار کا ہاتھ چوما اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا عرصے سے تو نے مجھے کوئی کام نہیں دیا۔ تاجر نے جواب دیا کہ ہر زمانے کے لیے مخصوص دولت ہوتی ہے اور مخصوص دولت والے۔ اے قافلہ سالار میں سفر کے لیے نہیں جا رہا ہوں بلکہ میرا بیٹا جانا چاہتا ہے۔ شتربان بولا' خدا اسے صحیح و سلامت رکھے۔ اس کے بعد ملک التجار نے لڑکے اور شتربان کے درمیان رشتہ اتحاد قائم کیا اور اپنے بیٹے کو اس کا بیٹا بنا کر اس کے سپرد کر دیا اور اس سے کہا کہ یہ سو دینار اپنے بچوں کے لیے لے۔ پھر ملک التجار نے حضرت عبدالقادر جیلانی کے مزار پر چڑھانے کے لیے ساٹھ خچر' ایک قندیل اور ایک چادر خریدی اور اپنے بیٹے سے شتربان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میری غیر موجودگی میں میری بجائے یہ تیرا باپ ہے۔ اس کا کہنا مانیو۔ وہاں سے وہ شتربان اور اس کے بچوں کو لے کر اپنے گھر گیا۔ رات بھر قرآن خوانی کرائی

اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا مولود پڑھوایا۔ صبح ہوئی تو ملک التجار نے اپنے بیٹے کو دس ہزار دینار دیئے اور کہا کہ جب تو بغداد پہنچے اور دیکھے کہ ان کپڑوں کے دام اچھے ملتے ہیں' تو وہیں بیچ ڈالیو اور اگر بازار گرا ہوا ہو تو ان دیناروں سے لے کر خرچ کیجیو۔ اس اثناء میں خچر لادے گئے۔ لوگ آپس میں رخصت ہوئے اور قافلہ چلتے چلتے شہر کے باہر پہنچ گیا۔ محمود بلخی نے بھی بغداد جانے کی تیاری میں اپنا مال شہر کے باہر لا کر خیمے نصب کر دیئے تھے اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں جنگل میں اس لڑکے کے ساتھ مزے اڑاؤں گا۔ وہاں جاسوس ہو گا نہ کوئی نگہبان جو اس کی حفاظت کرے۔ محمود بلخی پر ملک التجار کے ایک ہزار درہم کسی فروخت کے سلسلے میں قرض آتے تھے۔ رخصت ہوتے وقت اس نے محمود بلخی سے کہا کہ یہ ایک ہزار دینار میرے بیٹے علاؤ الدین کو دے دیجیو اور رسمی طور پر یہ بھی کہہ دیا کہ اپنے بیٹے کو میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ وہ مثل تیرے بیٹے کے ہے۔ اس طرح علاؤ الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو چونویں رات

جب دو سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤ الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا اور محمود بلخی نے علاؤ الدین کے باورچی سے کہا کہ کوئی چیز نہ پکائے بلکہ وہ خود علاؤ الدین اور اس کے ہمراہیوں کو کھلاتا پلاتا اور قافلہ کوچ اور مقام کرتا ہوا چلا۔ محمود بلخی سوداگر کے چار گھر تھے۔ ایک مصر میں' دوسرا دمشق میں' تیسرا حلب میں اور چوتھا بغداد میں۔ پہلے وہ جنگل اور بیابان طے کرتے ہوئے دمشق پہنچے۔ یہاں پہنچ کر محمود بلخ نے اپنے غلام کو علاؤ الدین کے پاس بھیجا۔ غلام اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ غلام نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ علاؤ الدین نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے کہا کہ میرا آقا تجھے سلام کہتا اور تجھے اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے جواب دیا' میں پہلے اپنے باپ قافلہ سالار کمال الدین شتربان سے مشورہ کر لوں۔ مشورہ کیا تو شتربان نے جانے سے منع کیا۔ پھر وہ دمشق سے چل کر حلب میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی محمود بلخی نے دعوت کا سامان کر کے علاؤ الدین کو بلوایا اور شتربان سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ اس مقام پر پھر محمود بلخی نے دعوت کا سامان کیا اور علاؤ الدین کو بلا بھیجا۔ اس نے پھر قافلہ سالار سے صلاح لی اور پھر وہ آڑے آیا لیکن اس مرتبہ علاؤ الدین ضد میں آ گیا۔ اس نے کہا کہ میں ضرور جاؤں گا۔ یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کپڑوں کے نیچے تلوار باندھ کر محمود بلخی کے پاس جا پہنچا۔ محمود نے اس کا خیر مقدم کیا' اچھی جگہ پر بٹھایا۔ بڑا وسیع دسترخوان بچھایا۔ اچھے اچھے کھانے چنے۔ دونوں نے کھایا پیا اور ہاتھ دھوئے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر محمود بلخی علاؤ الدین کی طرف جھکا کہ بوسہ لے مگر اس کا منہ رخسار کے بدلے ہاتھ پر پڑا۔ لڑکے نے چونک کر کہا "یہ کیا؟" محمود نے جواب دیا' میں نے تجھے بلایا ہی اس لیے ہے کہ یہاں بیٹھ کر تجھ سے

مزے اڑاؤں۔ ساتھ ہی وہ علاؤ الدین کی طرف بڑھا تا کہ اس کے ساتھ ہاتھا پائی شروع کرے۔

علاؤ الدین اٹھ کھڑا ہوا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا' لعنت ہو تیرے بڑھاپے پر! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جو بڑی قوت والا ہے۔ ارے شیطان یہ پونجی خدا کی امانت ہے بیچنے کے لیے نہیں ہے۔ اگر اس پونجی کو میں کسی غیر کے ہاتھ سونے کے عوض بیچتا ہوں تو تیرے ہاتھ چاندی کے بدلے بیچ ڈالتا لیکن اے خبیث واللہ میں تیرے ساتھ کبھی سفر نہ کروں گا۔

علاؤ الدین وہاں سے لوٹ کر قافلہ سالار کمال الدین کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ یہ شخص فاسق و فاجر ہے۔ میں نہ سفر میں اس کا ساتھ دوں گا اور نہ اس راستے پر چلوں گا جس پر وہ چلے گا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اس کے پاس نہ جا لیکن بیٹا اگر ہم اس سے علیحدہ ہو جائیں گے تو ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس لیے ہم سب ایک ہی قافلہ بنا کر چلیں تو بہتر ہے۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا کہ میں راہ میں اس کا ساتھ دوں۔ یہ کہہ کر علاؤ الدین نے اپنا سامان لدوا دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ایک وادی میں پہنچے اور وہاں اترنا چاہا۔ شتربان بولا' یہاں نہ اترو چلے چلو بلکہ اور تیزی سے کوچ کرو تا کہ دروازے بند ہونے سے پہلے ہم بغداد پہنچ جائیں کیونکہ وہ سورج کے طلوع و غروب کے ساتھ کھولے اور بند کیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ رافضی شہر پر قبضہ کر کے علوم کی کتابیں دجلے میں نہ پھینک دیں۔

علاؤ الدین نے کہا کہ اے باپ میں سوداگری کا مال لے کر اس شہر میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لیے کہ ملکوں کی سیر کروں۔ بوڑھا بولا' بیٹا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدوؤں سے تجھے اور تیرے مال کو نقصان نہ پہنچے۔ لڑکا خفا ہو کر کہنے لگا کہ تو خادم ہے یا مخدوم؟ میں رات کو بغداد میں داخل ہونا نہیں چاہتا صبح کو چلوں گا تا کہ بغداد والے میرے سوداگری کے مال کو دیکھیں اور سمجھیں کہ میں کون

ہوں۔ قافلہ سالار نے کہا جو تیرا جی چاہے کر۔ میں نصیحت کر چکا۔ تو خود سمجھ لے کہ تیری نجات کس میں ہے۔

علاؤ الدین نے حکم دیا کہ خچروں سے مال کی گٹھڑیاں اتار لی جائیں اور لوگوں نے بوجھ اتار لیے اور خیمے لگا کر ٹھہر گئے۔ آدھی رات کے وقت جبکہ وہ ضرورت سے فارغ ہونے کے لیے باہر نکلا تو اسے دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے شتربان سے کہا کہ اے قافلہ سالار دیکھ یہ کیا چمک رہا ہے۔ یہ سن کر قافلہ سالار اٹھ بیٹھا اور غور سے دیکھنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ چمک' نیزوں کے پھلوں کے ہتھیاروں کے لوہے اور بدوؤں کی تلواروں کی ہے اور یہ کہ بدو لٹیرے جن کا سردار شیخ العرب عجلان ابو نائب مشہور راہ زن ہے' آ پہنچے۔ جب بدو ان کے قریب آئے اور انہوں نے مال کے انبار دیکھے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ آج کی رات خوب غنیمت ہاتھ آئے گی۔ قافلے والوں نے جو یہ کہتے سنا تو قافلہ سالار کمال الدین شتربان بولا۔ خبردار اے رذیل ترین بدو! یہ سن کر ابو نائب نے اپنے نیزے سے اس کے سینے پر ایسا وار کیا کہ وہ چمکتا ہوا اس کی پیٹھ سے نکل آیا! وہ مردہ ہو کر خیمے کے دروازے پر گر پڑا۔ اس کے بعد سقے نے کہا کہ خبردار اے رذیل ترین بدو! اور بدو نے ایسی تلوار اس کی گردن پر ماری کہ علیحدہ ہو گئی او روہ بھی مردوں میں جا ملا۔ یہ ساری باتیں علاؤ الدین کی آنکھوں کے سامنے ہو رہی تھیں۔ پھر بدوؤں نے قافلے پر حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا۔ علاؤ الدین کے ساتھیوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا اور خچروں پر اسباب لاد کر چلتے ہوئے۔ علاؤ الدین نے دل میں یہ سوچ کر کہیں وہ مجھے خچر پر سوار اور میرے کپڑے دیکھ کر میرا بھی یہی حشر نہ کریں جلدی سے اپنے کپڑے اتار کر خچر کی پیٹھ پر ڈال دیئے اور محض قمیض اور نیچے کے کپڑے پہنے رہا۔ خیمے کے دروازے پر آ کر دیکھا تو مقتولوں کا خون نالے کی طرح بہہ رہا ہے اس نے اپنے کپڑے اور قمیص اس خون میں لتھیڑ لیے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ بھی مقتول ہے اور اپنے

خون میں ڈوبا ہوا ہے۔
یہ تو اس کا حال ہوا۔ اب بدوؤں کے سردار عجلان کا حال سنئے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا یا بغداد سے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو پچپنویں رات

جب دو سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے پوچھا' اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا یا بغداد سے؟ انھوں نے کہا کہ یہ مصر سے بغداد جا رہا تھا۔ وہ بولا پھر تو مقتولوں کے پاس واپس چلو کیونکہ میرا خیال ہے کہ قافلے کا مالک ابھی تک نہیں مارا گیا۔ اب بدو پھر مقتولوں کی طرف لوٹ گئے اور لاشوں میں نیزے اور تلواریں بھونکنے لگے یہاں تک کہ وہ علاؤ الدین کے پاس پہنچے جو مقتولوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر انھوں نے کہا کہ تو مردہ بن گیا ہے۔ ہم تجھے واقعی مار ڈالیں گے۔ یہ کہہ کر ایک بدو نے اپنا نیزہ اٹھایا اور چاہتا تھا کہ علاؤ الدین کے سینے میں بھونک دے تو وہ کہنے لگا کہ "اے غوث الاعظم' اے میرے آقا عبدالقادر! اے جیلانی" اور اسے غیب کا ایک ہاتھ دکھائی دیا جس نے نیزے کو اس کے سینے سے قافلہ سالار کمال الدین شتربان کے سینے کی طرف پھیر دیا اور بدو کا نیزہ اس مردہ کے سینے پر پڑا اور علاؤ الدین بچ گیا۔ اس کے بعد بدوؤں نے باقی ماندہ سامان خچر پر لادا اور چل دیے۔ جب علاؤ الدین نے نظر اٹھائی اور دیکھا کہ چڑیاں اپنی روزی لے کر اڑ گئی ہیں تو وہ اٹھ بیٹھا اور کھڑا ہو کر بھاگا۔ اتنے میں ابو نائب بدو نے کہا کہ اے میرے ہمراہیو' اے عربو' مجھے کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ سن کر ایک بدو ادھر بڑھا اور بھاگتے ہوئے علاؤ الدین پر اس کی نظر پڑی۔ وہ کہنے لگا کہ تیرا بھاگنا بیکار ہے کیونکہ ہم تیرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور علاؤ الدین کا پیچھا کرنے لگا۔ اب علاؤ الدین کو اپنے آگے ایک تالاب دکھائی دیا' جس میں پانی تھا اور اس کے ایک طرف ایک حوض تھا۔ وہ حوض کے چبوترے پر چڑھ کر لیٹ گیا اور اس طرح سانس لینے شروع کر دیے گویا سو رہا ہے اور دعا مانگنے لگا کہ بہترین پردہ پوش تیرا ڈالا ہوا پردہ کبھی نہیں کھلتا۔ اتنے میں بدو حوض کے پاس آ کر اپنی رکابوں

پر کھڑا ہوا اور علاؤ الدین کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ یا دستگیر یا میری آقا نفیسہ! اب تیری باری ہے۔ خدا کی شان ایک بچھو نے بدو کی ہتھیلی

پر ڈنک مارا اور وہ چلایا کہ آہ! عربو دوڑو بچھو نے میرے ڈنک مارا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی گھوڑی کی پیٹھ پر سے گر پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے آ کر پھر اسے سنبھالا اور گھوڑی پر بٹھایا۔ پھر پوچھنے لگے کہ تجھ پر کیا حادثہ گزرا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے بچھو کے بچے نے ڈنک مار دیا۔ یہ سن کر وہ واپس ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

ادھر تو یہ گزری اور علاؤ الدین حوض کے پاس سوتا بنا رہا۔ ادھر محمود بلخی اپنا سامان لدوا کر چلا۔ غابتہ الاسد کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ علاؤ الدین کے غلام سب کے سب مقتول پڑے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور پیادہ ہو کر چلنے لگا۔ یہاں تک کہ حوض اور تالاب کے قریب آیا۔ محمود بلخی کا خچر چونکہ پیاسا تھا اس لیے وہ جھک کر تالاب میں پانی پینے لگا لیکن اسے حوض میں علاؤ الدین کا سایہ دکھائی دیا۔ اور وہ بدکا۔ محمود بلخی نے نظر اوپر اٹھائی دیکھتا کیا ہے کہ علاؤ الدین فقط قمیص اور نیچے کے کپڑے پہنے لیٹا ہے۔ آواز دے کر پوچھا کہ یہ تیری گت کس نے بنائی اور کون تجھے اس بری حالت میں چھوڑ گیا؟ اس نے جواب دیا کہ بدو۔ محمود نے کہا کہ بیٹا خچروں اور مال و دولت نے تجھ پر قربان ہو کر تیری جان بچا لی ہے۔ خیر اب نیچے اتر اور ڈر نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے علاؤ الدین کو حوض کے چبوترے پر سے اتارا اور اسے خچر پر سوار کیا۔ پھر وہ سب چلتے چلتے بغداد میں محمود بلخی کے گھر پہنچے۔ وہاں اس نے علاؤ الدین سے کہا کہ حمام جا۔ تیرا مال اسباب تجھ پر قربان ہو گیا۔ مگر بیٹا اگر تو میرا کہنا مانے تو میں تیرے مال و اسباب سے دوگنا تجھ کو دوں گا۔ جب وہ حمام سے نکلا تو محمود اسے ایک کمرے میں لے گیا جس میں سنہرا کام تھا اور چار چبوترے تھے۔ دسترخوان بچھوایا جس پر تمام قسموں کے کھانے چنے گئے۔ کھانے پینے کے بعد محمود بلخی علاؤ الدین کی طرف جھکا تاکہ اس کا بوسہ لے۔ علاؤ الدین نے اسے اپنے ہاتھ سے روک دیا اور بولا کیا تو ابھی تک میرے ساتھ اپنی گمراہی کیے جائے گا! میں نے تجھ سے کہا

نہیں کہ اگر میں یہ پونجی دوسرے کے ہاتھ سونے کے مول بیچتا تو تجھے چاندی کے مول دے دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اسی کے عوض تو میں تجھے مال اور خچر اور پوشاکیں دینا چاہتا ہوں۔ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ علاؤ الدین نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تو اپنی پوشاکیں اور خچر اپنے پاس رکھ اور دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور علاؤ الدین باہر چلا گیا۔ کتے اس کے پیچھے بھونکنے لگے مگر وہ چلتا رہا۔ اندھیرے میں چلتے چلتے اسے ایک مسجد کا دروازہ دکھائی دیا۔ وہ مسجد کی دہلیز کے پار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اسے اپنی طرف ایک روشنی آتی ہوئی دکھائی دی۔ دیکھا کہ دو غلام دو فانوسیں لیے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے دو تاجر ہیں۔ ایک ان میں سے بوڑھا ہے اور دوسرا جوان۔ اس نے جوان کو بوڑھے سے کہتے سنا کہ چچا خدا کے لیے میری چچیری بہن مجھے واپس دے دے۔ بوڑھا بولا کیا میں نے تجھے کئی بار منع نہیں کیا تھا کہ تو اٹھتے بیٹھتے طلاق طلاق کی رٹ نہ لگایا کر۔ اب بوڑھے کی نظر دہنی جانب پڑی۔ اس نے دیکھا کہ چاند سے ٹکڑے کی طرح ایک لڑکا کھڑا ہوا ہے اور اس نے کہا کہ السلام علیکم! لڑکے نے سلام کا جواب دیا۔ بوڑھے نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام علاؤ الدین ہے اور میں مصر کے تاجروں کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہوں۔ میں نے اپنے باپ سے سوداگری کی تمنا ظاہر کی تھی۔ اس نے کپڑوں اور دوسرے سامان کے پچاس بقچے میرے ساتھ کر دیئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھپن ویں رات

جب دو سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- علاؤ الدین نے کہا کہ میرے باپ نے سامان کے پچاس بقچے میرے ساتھ کر دیئے اور دس ہزار دینار نقد دیے۔ جب میں چلتے چلتے غابتہ الاسد پہنچا تو بدوؤں نے مجھ پر حملہ کر کے سارا مال اسباب لوٹ لیا۔ اب میں اس شہر میں داخل ہوا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رات کہاں گزاروں۔ اتفاق سے یہ مسجد نظر آ گئی تو میں نے یہاں آ کر پناہ لی۔ بوڑھے نے کہا کہ تجھے منظور ہے کہ میں تجھے ایک ہزار دینار نقد دوں اور ایک ہزار کی پوشاک اور ایک ہزار کا خچر؟ علاؤ الدین نے سوال کیا چچا ان چیزوں کے دینے سے تیرا مقصد کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لڑکا جو میرے ساتھ ہے میرا بھتیجا ہے اور اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا۔ میری بھی ایک ہی بیٹی ہے جس کا نام سارنگی بجانے والی زبیدہ ہے۔ وہ بڑی حسین و جمیل ہے۔ میں نے اس کی شادی اس کے ساتھ کر دی تھی کیونکہ یہ اسے بہت چاہتا تھا مگر وہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے تین طلاقیں دے کر نکاح توڑ ڈالا۔ لڑکی کو ابھی اس کا پورا پورا یقین بھی نہ آنے پایا تھا کہ وہ شوہر کے یہاں سے چلتی ہوئی۔ پھر یہ لڑکا لوگوں کی سفارش لے کر پہنچا کہ میں لڑکی اس کے پاس واپس بھیج دوں۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ شرعاً اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ کر دیا جائے۔ اب ہم دونوں اس پر متفق ہیں کہ اس کا نکاح کسی پردیسی سے کر دیں تاکہ کوئی عیب نہ لگا سکے چونکہ تو پردیسی ہے۔ لہٰذا ہمارے ساتھ چل تاکہ تم دونوں کا نکاح نامہ مرتب کر دیا جائے۔ آج رات تو اس کے ساتھ ہم بستر ہو اور سویرے اسے طلاق دے دے۔ اس کے بدلے میں تجھے وہ چیزیں دوں گا' جن کا میں نے وعدہ کیا ہے۔

علاؤ الدین اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ ایک دلہن کے ساتھ ایک گھر اور ایک بچھونے

میں سونا' بازاروں اور دروازوں پر سونے سے بہتر ہے' ان دونوں کے ساتھ قاضی کے پاس گیا۔ اسے دیکھتے ہی قاضی کا دل اس کی طرف کھنچنے لگا اور وہ لڑکی کے باپ سے پوچھنے

لگا کہ تم کس مقصد سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ میری بیٹی کا نکاح اس شخص سے کر دیا جائے تاکہ وہ اس میرے بھتیجے کے لیے حلال ہو جائے لیکن سب سے پہلے اس کا مہر دس ہزار دینار مقرر کر اس لیے کہ اگر یہ شخص رات کو لڑکی سے ہم بستر ہو کر صبح کو اسے طلاق دے دے تو ہم اسے ایک ہزار کی پوشاکیں اور ایک ہزار کا خنجر اور ایک ہزار نقد دیں اور اگر طلاق نہ دے تو دس ہزار دینار اس کے سر پڑیں۔ الغرض ان شرطوں پر نکاح پڑھا دیا گیا اور لڑکی کے باپ نے علاؤ الدین سے عہد نامہ لکھوا لیا۔ اب وہ علاؤ الدین کو اپنے ساتھ لے گیا اور اسے کپڑے پہنا کر گھر پہنچا۔ اسے باہر کھڑا کر کے خود اپنی بیٹی کے پاس اندر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرا نکاح نامہ ایک حسین و جمیل کے ساتھ لکھوا دیا ہے جس کا نام علاؤ الدین ابوالشامات ہے۔ اپنا کام اس سے خوب نکالیو۔ یہ کہہ کر تاجر نے نکاح نامہ اسے دے دیا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔

لڑکی کے چچیرے بھائی کی ایک خادمہ تھی جو سارنگی والی زبیدہ کے پاس آیا جایا کرتی تھی! وہ اسے بہت کچھ دیا لیا کرتا تھا۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ جب میری چچیری بہن زبیدہ اس خوبصورت جوان کو دیکھے گی تو وہ پھر مجھے منظور نہ کرے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے لڑکی کو روک دے کہ وہ اس کے پاس نہ جائے۔ خادمہ نے کہا کہ تیری جوانی کی قسم میں اسے لڑکی کے پاس نہ پھٹکنے دوں گی۔ یہ کہہ کر وہ علاؤ الدین کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا میں محض خدا کے لیے تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں۔ میری نصیحت کان دھر کر سن۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس لڑکی سے تجھے نقصان نہ پہنچے۔ اسے اکیلا سونے دیجیو اور چھوئیو بھی نہیں اس کے پاس تک نہ جائیو۔ علاؤ الدین نے کہا کہ اچھا کیوں؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس

کا بدن گرمی سے بھرا ہوا ہے۔ خوف ہے کہ کہیں تیری خوبصوت جوانی تباہ نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ مجھے لڑکی کی بالکل حاجت نہیں۔ پھر بڑھیا لڑکی کے پاس گئی اور اسے بھی وہی فقرہ کہا جو علاؤ الدین سے کہا تھا۔ لڑکی بولی' مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں اسے اکیلا سونے دوں گی اور جب صبح ہو گی تو وہ اپنی راہ لے گا۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک کنیز کو بلا کر کہا کہ دسترخوان لے اور اس کے پاس جا تاکہ وہ شام کا کھانا کھائے۔ کنیز دسترخوان لے کر اس کے سامنے رکھ آئی اور علاؤ الدین نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر اس نے نہایت شیریں آواز سے سورہ یٰسین پڑھنا شروع کی۔ لڑکی کان لگا کر سننے لگی۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت داؤد گا رہے ہیں۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ خدا برا کرے اس بڑھیا کا وہ اسے گرمی میں مبتلا بتاتی ہے۔ لیکن جو اس میں مبتلا ہو' اس کی آواز اس طرح کی نہیں ہو سکتی۔ یہ اس پر بہتان لگایا گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ہندوستانی ساخت کا ساز لیا اور اس کے تار ملا کر ایسے میٹھے سروں میں گانے لگی جسے سن کر پرندے ہوا میں ٹھہر جائیں۔ علاؤ الدین نے لڑکی کو گاتے سنا تو سورہ ختم کرنے کے بعد وہ خود بھی گانے لگا۔

اب لڑکی کے دل میں اس کی طرف سے اتنی محبت پیدا ہوئی کہ اس نے کھڑے ہو کر پردہ اٹھایا اور کولھے مٹکاتی اور جھومتی ہوئی آگے بڑھی۔ نظریں ملتے ہی دونوں کے دلوں میں ہزاروں ارمان آنے لگے اور لڑکے کے دل میں لڑکی کی نگاہوں کا تیر آ کر لگا۔ جب لڑکی نے اس کے قریب آنے کا ارادہ کیا تو لڑکے نے کہا کہ مجھ سے دور رہ' کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری بیماری مجھے لگ جائے۔ یہ سن کر لڑکی نے اپنی کلائی کھول دی جو ٹھیک دو حصوں میں منقسم اور چاندی کی طرح سفید تھی۔ اب اس نے آگے بڑھنا چاہا تو لڑکی بولی میرے قریب نہ آ کیونکہ تجھے گرمی ہے ایسا نہ ہو کہ تیرے روگ میں' میں بھی نہ مبتلا ہو جاؤں۔ لڑکے نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں گرمی کا مارا ہوا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے بڑھیا نے کہا۔ لڑکا بولا مجھ سے بھی اسی بڑھیا نے کہا تھا کہ تجھے یہ گندہ مرض ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی

دونوں بانہیں کھول دیں اور لڑکی نے دیکھا کہ اس کا بدن صاف چندن ہے۔ اب کیا تھا۔ لڑکے نے لڑکی کو اور لڑکی نے لڑکے کو سینے سے لگا لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ ہائے افسوس خوشی پوری نہیں ہوئی اور کوا اسے لے کر اڑ گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟

اس نے کہا کہ اے میری آقا' اس گھڑی کے بعد میرا بیٹھنا تیرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لڑکی بولی کہ یہ تجھ سے کس نے کہا ہے؟ جوان نے جواب دیا کہ تیرے باپ نے تیرا مہر دس ہزار دینار اس شرط پر لکھوایا ہے کہ اگر میں آج اسے ادا نہ کروں تو میں قاضی کے گھر قید کر دیا جاؤں گا اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت میرے ہاتھ میں دس ہزار دینار تو درکنار ایک درہم بلکہ آدھا درہم بھی نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے یا ان کے ہاتھ میں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ میں تو ایک درہم تک نہیں۔ لڑکی بولی کہ کچھ بات نہیں۔ تو کسی بات کا ڈر نہ کر۔ لے یہ سو دینار۔ اگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ ہوتا تو میں تجھے دے دیتی۔ میرا باپ اپنے بھتیجے کو چاہتا ہے کہ اس نے اپنا سارا مال میرے پاس سے لے جا کر اس کے پاس رکھ دیا ہے حتیٰ کہ میرے زیور بھی سب کے سب لے گیا ہے۔ کل جبکہ قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو ستاون ویں رات

دو سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی نے علاؤ الدین سے کہا کہ کل جب قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے اور قاضی اور میرا باپ تجھ سے کہیں کہ طلاق دے تو ان سے کہیو کہ یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ میں رات کو نکاح کروں اور صبح کو طلاق دے دوں۔ اس کے بعد قاضی کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اسے کچھ دے دیجیو۔ اس طرح ہر گواہ کا ہاتھ چوم کر اسے دس دینار حوالہ کیجیو۔ وہ سب تیری طرف داری کرنے لگیں گے۔ اگر وہ تجھ سے کہیں کہ تو طلاق کیوں نہیں دیتا تاکہ شرط کے مطابق تجھے ہزار دینار نقد اور خچر اور پوشاک مل جائے تو کہیو کہ میرے نزدیک اس کے ہر بال کی قیمت ایک ہزار دینار ہے میں اسے ہرگز طلاق نہیں دوں گا۔ مجھے نہ پوشاک چاہیے نہ کچھ اور۔ اگر قاضی کہے کہ اچھا تو پھر مہر ادا کر تو کہیو کہ اس وقت میں نادار ہوں۔ یہ سن کر قاضی اور گواہ تیرے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اور تجھے مہلت مل جائے گی۔

یہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ قاضی کے پیادے نے دروازے پر دستک دی۔ علاؤ الدین باہر گیا۔ پیادے نے کہا کہ تیرا خسر تجھے بلاتا ہے۔ چل کر اس سے باتیں کر۔ علاؤ الدین نے اسے پانچ دینار دے کر کہا کہ اے ایلچی یہ کس شرع میں جائز ہے کہ میں رات کو نکاح کروں اور صبح ہوتے طلاق دے دوں؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں ایسی بات ہرگز جائز نہیں۔ اگر تو شرع سے واقف نہیں تو میں تیری طرف سے وکالت کروں گا۔

اس کے بعد وہ قاضی کے محکمے میں گئے۔ قاضی نے کہا کہ تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ عورت کو طلاق دے دے۔ اور جو شرط بندھی ہے وہ لے لے۔ یہ سن کر علاؤ الدین قاضی کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ چوم کر پچاس دینار اس کے ہاتھ میں رکھے اور کہنے لگا کہ اے ہمارے مولا قاضی یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ میں رات کو شادی

کروں اور صبح کو وہ زبردستی مجھ سے چھڑا دی جائے؟ قاضی نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے کسی مذہب میں جبریہ طلاق جائز نہیں۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ اگر تو طلاق نہیں دیتا تو مہر کے دس ہزار دینار لا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ تین دن کی مہلت دے۔ قاضی نے کہا کہ تین دن کی مہلت کافی نہیں بلکہ وہ تجھے دس دن کی مہلت دے گا۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور اب یہ شرط ٹھہری کہ دس دن کے بعد یا تو مہر ادا کیا جائے یا طلاق۔ یہ شرط کر کے علاؤ الدین وہاں سے چل دیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ کھانے کی ضروری چیزیں خرید کر گھر گیا اور لڑکی سے جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ دن اور رات کے درمیان عجیب و غریب باتیں پیش آ سکتی ہیں۔ پھر وہ اٹھی اور کھانا تیار کر کے دسترخوان بچھایا۔ دونوں نے کھایا پیا اور مزے لیے اور خوش ہوئے۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے اپنی بیوی سے ایک راگ کی فرمائش کی۔ لڑکی نے ساز لے کر ایسی گت بجائی جس سے سخت پتھر وجد میں آ جائیں اور تار "یا دواؤ" کہنے لگے۔ اس کے بعد لڑکی نے دوسرا راگ چھیڑ دیا۔

دونوں اسی لطف میں تھے' نغمہ و سرور کی محفل گرم تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے کہا کہ جا دیکھ دروازے پر کون ہے؟ علاؤ الدین نے دروازے پر جا کر دیکھا کہ چار درویش کھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے بندہ خدا ہم پردیسی درویش ہیں اور ہماری روحوں کی غذا گانا اور لطیف اشعار ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ آج رات صبح تک ہم تیرے ہاں گزاریں اور پھر چلے جائیں۔ خدا تجھے اس کا بدلہ دے! ہمیں گانے سے عشق ہے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے قصیدے اور اشعار اور گیت یاد نہ ہوں۔

علاؤ الدین نے کہا کہ میں پوچھ لوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور لڑکی کو خبر کی۔ اس نے کہا کہ انہیں آنے دے۔ علاؤ الدین نے دروازہ کھول دیا اور انہیں لے جا کر بٹھایا۔ خوش آمدید' مرحبا کہا اور ان کے آگے کھانا پیش کیا۔ لیکن انہوں نے کچھ نہ کھایا اور کہا کہ اے شخص ہماری غذا یہ ہے کہ دل سے اللہ کی یاد کریں اور کان

سے گیت سنیں۔ باہر سے ہمیں عمدہ گانے کی آواز آ رہی تھی' لیکن جب ہم یہاں آئے تو گانا بند ہو گیا۔ معلوم نہیں کہ گانے والی کوئی گوری کنیز تھی یا حبشن' کوئی پیشہ ور یا شریف زادی! اس نے جواب دیا کہ وہ میری بیوی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ میرے خسر نے دس ہزار دینار کا مہر باندھا ہے اور دس دن کی مہلت دی ہے۔ ایک درویش نے کہا کہ غمگین نہ ہو اور دل میں خوشی کے سوا فکر کو نہ آنے دے۔ میں تکیے کا شیخ ہوں اور میرے ماتحت چالیس درویش ہیں۔ میں نے ان کو حکم دیا نہیں کہ دس ہزار دینار جمع ہو گئے۔ پھر اپنے خسر کو مہر ادا کر دیجیو۔ اچھا اب لڑکی سے کہہ کہ ہمیں ایک گیت سنا دے تاکہ ہمیں حظ حاصل ہو اور ہم بلندی پر پہنچ جائیں کیونکہ گانا بعض لوگوں کے لیے غذا ہے اور بعض کے لیے دوا اور بعضوں کے لیے پنکھے کا کام دیتا ہے۔

یہ چاروں درویش خلیفہ ہاروں الرشید' وزیر جعفر برمکی' ابونواس حسن بن ہانی اور مسرور جلاد تھے ان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کا دل گھبرا رہا تھا۔ اس نے وزیر سے کہا کہ اے جعفر میں چاہتا ہوں کہ چل شہر کی سیر کریں۔ یہاں اس وقت جی نہیں لگتا چنانچہ انہوں نے درویشوں کا بھیس بدلا اور شہر میں سیر کرتے کرتے اس مکان کے پاس سے گزرے تو غیر معمولی گانے کی آواز سنائی دی۔ خیال ہوا کہ دریافت کریں کہ اس گھر میں کون لوگ رہتے ہیں اور وہ فقیروں کے لباس میں اندر آ گئے۔ نہایت لطف کے ساتھ بات چیت میں رات گزاری اور صبح ہونے کو آئی تو خلیفہ نے سو دینار مصلے کے نیچے رکھ دیئے اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ رخصت ہوا۔ جب لڑکی نے مصلا اٹھایا اور اس کے نیچے سو دینار دیکھے تو وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ یہ سو دینار لے۔ میں نے انہیں مصلے کے نیچے پایا ہے۔ چلنے سے پہلے درویش انہیں رکھ گئے ہیں۔ ہمیں ان کا علم نہ تھا۔ علاؤ الدین انہیں لے کر بازار گیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ ضرورت کی چیزیں خرید لایا۔ دوسرے دن شام کو اس نے شمع جلائی اور بیوی سے کہا

کہ جن دس ہزار دیناروں کا درویشوں نے وعدہ کیا تھا ابھی تک نہیں لائے۔ آخر فقیر ہی تو ہیں۔ اتنے میں درویشوں نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے کہا کہ جا اور ان کے لیے دروازہ کھول۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ وہ اندر آئے۔ اس نے کہا کہ کیا تم دس ہزار دینار، جن کا تم نے وعدہ کیا تھا لائے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ ابھی ہمیں کچھ بھی دستیاب نہیں ہوا لیکن پرواہ نہ کر، کل انشاء اللہ ہم تیرے لیے کیمیا بنائیں گے۔ اپنی بیوی سے کہہ کر ہمیں ایک بالکل نیا گانا سنائے تاکہ ہمارے قلب بلند پرواز کرنے لگیں کیونکہ ہمیں سماع سے عشق ہے۔ اس لڑکی نے ساز لے کر ایسا راگ بجایا جس سے سخت پتھر نرم ہو جائیں سبھوں نے خوش خوش رات گزاری۔ سویرا ہوا اور روشنی پھیلی تو خلیفہ نے سو دینار مصلے کے نیچے رکھ دیئے اور چاروں وہاں سے چلتے ہوئے۔ اسی طرح وہ برابر نو رات آیا کیے اور ہر رات خلیفہ سو دینار مصلے کے نیچے رکھ جاتا۔ یہاں تک کہ دسواں دن ہوا مگر آج وہ نہ آئے اور ان کے نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ نے ایک بڑے سوداگر کو بلا کر کہا کہ میرے پاس پچاس گٹھڑیاں مصر کے کپڑوں کی لا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # دو سو اٹھاون ویں رات

جب دو سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- امیرالمومنین نے اس تاجر اسے کہا کہ پچاس گٹھڑیاں ان کپڑوں کی جو مصر سے آیا کرتی ہیں اور ہر ایک گٹھڑی کی قیمت ہزار دینار ہو اور یہ قیمت ان پر لکھ کر لگا دے اور ایک حبشی غلام لا۔ وہ تاجر ساری چیزیں لے آیا تو خلیفہ نے غلام کو سونے کی ایک سیلیچی اور ایک لوٹا اور چند تحفے تحائف اور پچاسوں گٹھڑیاں اس کے حوالے کیں۔ علاؤ الدین کے باپ مصر کے ملک التجار شمس الدین کی طرف سے ایک خط لکھا اور غلام کو دے کر کہا کہ فلاں محلے میں جا جس میں تاجر بغداد کے ملک التجار کا مکان ہے اور پوچھ کہ میرا آقا علاؤ الدین ابوالشامات کہاں رہتا ہے؟ لوگ تجھے اس مکان میں پہنچا دیں گے۔ غلام یہ سب اسباب و سامان لے کر خلیفہ کے حکم کے بموجب روانہ ہو گیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا' اب لڑکی کے چچیرے بھائی کا ماجرا سنئے۔ وہ لڑکی کے باپ کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ آ علاؤ الدین کے پاس چل کر اپنی چچیری بہن کو طلاق دلا لائیں۔ وہ دونوں علاؤ الدین کے گھر کی طرف چلے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پچاس خچر کھڑے ہوئے ہیں اور ان پر پچاس تھانوں کی گٹھڑیاں لدی ہوئی ہیں اور ایک غلام خچر پر سوار ان کے ساتھ ہے اور انہوں نے پوچھا کہ یہ کس کا مال ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میرے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کا۔ اس کے باپ نے سوداگری کا مال دے کر بغداد بھیجا تھا راستے میں بدوؤں نے اسے لوٹ لیا۔ یہ خبر اس کے باپ کو پہنچی تو میرے ہمراہ اور مال اس کے لیے بھیجا اور اس اسباب کے ساتھ خچر پر پچاس ہزار دینار اور ایک بقچہ جو نہایت قیمتی ہے مع سمور کے لبادہ اور سونے کی سیلیچی اور لوٹے کے ہیں۔

لڑکی کے باپ نے کہا کہ وہ میرا داماد ہے' چل میں تجھے اس کے گھر لے چلتا ہوں۔

علاؤ الدین سخت غمگین اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور علاؤ الدین نے زبیدہ سے کہا کہ شاید تیرے باپ نے قاضی یا والی کی طرف سے پیادہ بھجوایا ہے۔ اس نے کہا کہ جا کر دیکھ تو سہی۔

علاؤ الدین نے جا کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ ملک التجار کھڑا ہے اور ایک حبشی غلام سانولے رنگ کا خوبصورت سا ایک خچر پر سوار ہے۔ اسے دیکھ کر غلام اتر پڑا اور اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میں اپنے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کا غلام ہوں جو مصر کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ نے یہ امانت دے کر مجھے اس کے پاس بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے خط علاؤ الدین کے حوالے کیا۔ اس نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا: بہترین سلام کے بعد معلوم ہو کہ یہ خط شمس الدین کی طرف سے اس کے بیٹے ابوالشامات کے نام ہے۔ بیٹا مجھے یہ خبر ملی تھی کہ تیرے ساتھی قتل ہو گئے اور تیرا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ اس لیے میں تجھے اور پچاس بار مصری تھانوں کے' ایک جوڑا لباس' سمور کا لبادہ اور سونے کی سیلچی اور لوٹا بھیجتا ہوں۔ تو کسی طرح افسوس نہ کیجیو۔ بیٹا مال و دولت تجھ پر نثار ہے اور نہ غم زدہ ہوجیو۔ تیری ماں اور سارے گھر والے خیریت سے ہیں اور تجھے بہت سلام کہتے ہیں اور بیٹا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرا درمیانی نکاح زبیدہ عودیہ کے ساتھ پچاس ہزار دینار پر ہوا ہے۔ یہ پچاس ہزار دینار میں اپنے غلام سلیم کے ہمراہ بھیجتا ہوں۔

علاؤ الدین خط پڑھ چکا تو اس نے اپنے خسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے خسر یہ پچاس ہزار دینار اپنی بیٹی زبیدہ کا مہر لے اور اس سے تجارت کر' اصل میرا اور فائدہ تیرا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں کچھ نہ نہ لوں گا۔ اب رہا مہر کا معاملہ تو اس کا فیصلہ تو اپنی بیوی سے خود کر لے۔ سارا سامان مکان کے اندر بھیجنے کے بعد علاؤ الدین اور اس کا خسر دونوں اندر گئے۔ زبیدہ نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان یہ سامان کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے شوہر علاؤ الدین کا۔ اس کے

باپ نے اس مال کے بدلے بھیجا ہے جو بدوؤں نے لوٹ لیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے پچاس ہزار دینار نقد اور ایک خاص بقچہ اور سمور کا لبادہ' ایک خچر اور سونے کی سیلیچی اور لوٹا بھیجا ہے۔ اب رہی مہر کی بات تو جیسی تیری رائے ہو۔

علاؤ الدین نے اٹھ کر صندوق کھولا اور اس کا مہر اس کے حوالے کیا۔ اس لڑکے نے جو لڑکی کا چچیرا بھائی تھا کہا کہ چچا جان علاؤ الدین سے کہہ کہ وہ میری بیوی کو طلاق دے کر میرے حوالے کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایسی بات ہرگز نہیں کر سکتا۔ اختیار علاؤ الدین کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سن کر لڑکا غم زدہ اور غصے میں بھرا ہوا چل دیا۔ گھر پہنچتے ہی بیمار پڑ گیا اور اسی بیماری نے اس کا کام تمام کر دیا۔ سامان وصول کرنے کے بعد علاؤ الدین بازار گیا اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں لایا اور وہ روز بھی حسب معمول گزر گیا اور زبیدہ سے کہنے لگا کہ دیکھ ان جھوٹے درویشوں نے ہم سے وعدہ کیا لیکن وعدہ پورا نہ کیا۔ زبیدہ بولی کہ تو ملک التجار کا بیٹا ہونے کے باوجود ایک وقت محتاج تھا۔ تیرے پاس دو درہم نہ تھے۔ وہ بے چارے تو نکر گدا ٹھہرے' انہیں کیوں بدنام کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا نے ہمیں ان سے مستغنی کر دیا ہے تاہم اگر وہ پھر آئے تو انہیں اندر آنے نہیں دوں گا۔ لڑکی کہنے لگی یہ تو کیا کہتا ہے! بھلائی تو انہیں کے قدموں کی برکت سے آئی ہے۔ علاوہ اس کے وہ ہر روز جو سو دینار مصلے کے نیچے رکھ جاتے تھے اس لیے اگر وہ آئیں تو ضرور اندر آنے دیجیو۔ جب دن ختم ہوا اور اندھیرا چھانے لگا تو موم بتی جلائی گئی اور علاؤ الدین نے کہا کہ زبیدہ کوئی راگ سنا۔ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکی نے کہا کہ دیکھ دروازے پر کون ہے؟ اس نے جا کر دروازہ کھولا' دیکھا کہ وہی درویش ہیں اور ان سے کہنے لگا کہ مرحبا اے جھوٹو اندر آؤ۔ وہ اندر آئے۔ علاؤ الدین نے انہیں بٹھایا۔ ان کے آگے دسترخوان بچھایا۔ انہوں نے خوب کھایا پیا اور خوش ہوئے۔ بولے کہ اے علاؤ الدین ہمارا دل تجھ میں ہی لگا ہوا تھا کہ نہ جانے خسر کے ساتھ تیرا کیا فیصلہ ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ جتنا میں نے مانگا تھا۔ خدا نے اس سے زیادہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ

واللہ ہم تو بہت ڈر رہے تھے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو انسٹھ ویں رات

جب دو سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- اور درویشوں نے علاؤ الدین سے کہا کہ واللہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں تجھے تکلیف نہ ہو اور ہم اسی وجہ سے حاضر نہ ہوئے کہ ہمیں بالکل کچھ نہیں ملا۔ علاؤ الدین نے کہا کہ مجھے پروردگار کی طرف سے فوری خوشی حاصل ہوئی اور میرے باپ نے مجھے پچاس ہزار دینار نقد اور پچاس گٹھڑیاں تھانوں کی' جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور پوشاک اور سمور کا لباس اور خچر اور غلام اور سونے کی سیلیچی اور لوٹا بھیجا ہے۔ میرا خسر مجھ سے خوش ہو گیا اور میری بیوی بھی راضی ہو گئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔
اس اثنا میں خلیفہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے کے لیے گیا اور وزیر جعفر نے علاؤ الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ادب سے باتیں کر۔ نہیں جانتا کہ تو' امیرالمومنین کے سامنے ہے۔ وہ بولا مجھ سے امیرالمومنین کی شان میں کون سی بے ادبی سرزد ہوئی اور تم میں سے کون امیرالمومنین ہے؟ جعفر نے کہا کہ جو تجھ سے باتیں کر رہا تھا اور ابھی اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گیا ہے وہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید ہے اور میں وزیر جعفر ہوں اور یہ جلاد مسرور ہے اور یہ ابونواس حسن بن ہانی۔ اے علاؤ الدین عقل سے کام لے۔ اچھا بتا کہ مصر سے بغداد تک کتنے دن کا راستہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پینتالیس دن کا۔ جعفر نے کہا کہ تیرا سامان لٹے دس دن ہوئے ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دن دن کے اندر تیرے باپ تک خبر بھی پہنچ گئی اور اس نے تیرے لیے مال و سامان بھی لدوا دیا اور ان چیزوں نے پینتالیس دن کی راہ بھی کاٹ لی۔ علاؤ الدین کہنے لگا تو پھر یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ امیرالمومنین کے پاس سے' کیونکہ اسے تیرے ساتھ بڑی محبت ہے۔ وہ یہی

باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ آ پہنچا اور علاؤ الدین نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعائیں دینے لگا کہ امیر المومنین خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے' تیری عمر دراز کرے اور تیرا فضل و احسان لوگوں پر جاری رہے! خلیفہ نے کہا کہ زبیدہ سے کہہ کر اس نجات کی خوشی میں کوئی راگ سنائے۔ زبیدہ نے ساز لے کر ایسا عمدہ راگ بجایا کہ جس سے پتھر رقص کرنے لگیں۔ گویا ہر تار سے "یا داوٗد" کی صدا بلند تھی۔ غرض کہ سب نے خوش خوش رات گزار دی۔ جب پو پھٹی تو خلیفہ نے علاؤ الدین سے کہا کہ کل دربار میں آئیو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے امیرالمومنین اگر خدا نے چاہا' خدا تجھے سلامت رکھے!

دوسرے دن علاؤ الدین نے دس سینیوں میں عمدہ عمدہ ہدیئے رکھے اور انہیں لے کر دربار گیا۔ خلیفہ مسند خلافت پر رونق افروز تھا۔ علاؤ الدین دروازے سے داخل ہوا تو خلیفہ نے کہا مرحبا یا علاؤ الدین۔ علاؤ الدین نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ یہ دس سینیاں اور جو کچھ ان کے اندر ہے' میری طرف سے تیرے لیے ہدیہ ہیں۔ امیرالمومنین نے انہیں قبول کیا۔ اس کے لیے خلعت لائے جانے کا حکم دیا اور اسے تاجروں کا امیر بنا کر دربار میں جگہ دی۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ آ پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ میری جگہ علاؤ الدین ہے اور خلعت پہنے ہوئے ہے۔ امیرالمومنین سے عرض کی کہ جہاں پناہ' یہ شخص میری جگہ خلعت پہن کر کیوں بیٹھا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ میں نے اسے تاجروں کا امیر بنایا ہے۔ رتبے عطا کیے جاتے ہیں میراث میں نہیں آتے۔ تو معزول کیا گیا۔ اس نے کہا کہ وہ بھی ہم ہی میں سے ہے۔ تو نے اے امیرالمومنین خوب کیا۔ خدا ہمارے بہترین لوگوں کو ہمارا حاکم بناتا ہے۔ کتنے کم سن لوگ بڑے عہدوں پر مامور ہیں! اب خلیفہ نے علاؤ الدین کے لیے فرمان لکھ کر والی کو اور والی نے ڈھنڈورا پیٹنے والے کو دیا۔ اس نے دربار میں منادی کی کہ علاؤ الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی تاجروں کا امیر نہیں۔ اس کا حکم مانا جائے گا اور اس کی عزت کی جائے گی۔ ہر

شخص پر اس کا اکرام و احترام واجب اور اعزاز لازمی ہے۔

جب دربار برخاست ہوا تو والی اور ڈھنڈورا پیٹنے والے علاؤ الدین کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ ڈھنڈورچی آواز لگاتا۔ میرے آقا علاؤ الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی ملک التجار نہیں۔ اس کے اگلے روز علاؤ الدین نے ایک دوکان کھول کر اپنے غلام کو اس پر بٹھایا جو خرید و فروخت کرے اور خود سوار ہو کر خلیفہ کے دربار میں اپنے عہدے پر جانے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو ساٹھویں رات

جب دو سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- علاؤ الدین سوار ہو کر خلیفہ کے دربار میں اپنے عہدے پر جانے لگا۔ ایک دن حسب معمول وہ اپنے عہدے پر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے آ کر خلیفہ سے کہا کہ اے امیرالمومنین خدا تیرا سر سلامت رکھے! فلاں تیرے ہم پیالہ و ہم نوالہ کو خدا نے اپنی رحمت کی طرف بلا لیا ہے۔ خدا تیری عمر میں برکت دے؟ خلیفہ کی علاؤ الدین ابوالشامات پر نظر پڑی۔
جو مثل ہے کہ خدا مہربان تو کل مہربان۔ اس نے اسے ایک نہایت عمدہ خلعت عطا کیا اور اسے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنا لیا۔ ایک ہزار دینار مشاہرہ مقرر کیا اور وہ خلیفہ کا ندیم بن گیا۔ پھر ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک سردار تلوار اور ڈھال لیے پہنچا اور امیرالمومنین سے کہنے لگا کہ خدا تیری زندگی قائم رکھے! آج ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار فوت ہو گیا ہے۔ علاؤ الدین اپنی جگہ حاضر تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ علاؤ الدین ابوالشامات کو اس عہدے کا بھی خلعت عطا کیا جائے اور اسے ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنا دیا۔
مرحوم سردار کا نہ بیٹا تھا نہ بیٹی نہ بیوی۔ اس لیے اس کا مال و دولت بھی علاؤ الدین کے قبضے میں آیا۔ خلیفہ نے علاؤ الدین سے کہا کہ اسے دفن کر اور جو کچھ مال اور غلام اور کنیزیں اور خدمت گار اس نے چھوڑے ہیں' ان پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد خلیفہ نے رومال ہلایا اور دربار برخاست ہوا۔ علاؤ الدین باہر آیا خلیفہ کے میمنے کا سردار سپہ سالار احمد دنف تھا اور اس کے چالیس ہمراہی تھے اور میسرے کا سردار حسن شومان اور اس کے چالیس ہمراہی۔ علاؤ الدین نے سردار حسن شومان کے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم سردار احمد دنف سے میری سفارش کر دو کہ وہ خدا کے سامنے مجھے اپنا بیٹا بنا لے۔ احمد نے قبول کر لیا اور اس سے کہا کہ میں اور میرے چالیس

ہمراہی ہر روز تیرے آگے سوار ہو کر دربار تک جایا کریں گے۔
اس طرح علاؤ الدین ایک مدت تک خلیفہ کی خدمت میں رہا۔ ایک روز کا واقعہ سنئے۔

وہ دربار سے نکل کر گھر چلا اور جب احمد دنف اور اس کے ساتھی رخصت ہو کر چلے گئے تو وہ اپنی بیوی سارنگی والی زبیدہ کے پاس جا کر بیٹھا اور موم بتیاں جلائیں۔ مزے میں بیٹھے تھے کہ زبیدہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گئی۔ یکایک اس نے کسی کو زور سے چیختے ہوئے سنا۔ وہ اٹھ کر چلا کہ دیکھے کون چیختا ہے۔ صحن میں آیا تو اس کی بیوی زبیدہ عودیہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اسی نے چیخیں ماری تھیں۔ اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ علاؤ الدین کے گھر کے سامنے ہی اس کے خسر کا مکان تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی آواز سنی تو دوڑ کر علاؤ الدین سے پوچھا' آقا کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابا جان خدا تجھے سلامت رکھے! تیری بیٹی زبیدہ عودیہ کا دم نکل گیا لیکن ابا جان میت کا احترام یہ ہے کہ اسے دفن کیا جائے۔ جب سویرا ہوا تو اسے دفن کیا اور علاؤ الدین اور اس کا خسر دونوں ایک دوسرے کی تعزیت کرنے لگے۔

یہ تو زبیدہ عودیہ کا حال ہوا۔ اب علاؤ الدین کا ماجرا سنئے۔ اس نے سوگ کے کپڑے پہن لیے اور دربار جانا چھوڑ دیا۔ ہر وقت روتا اور مغموم بیٹھا رہتا۔ ایک دن خلیفہ نے جعفر سے پوچھا کہ اے وزیر' علاؤ الدین دربار میں کیوں نہیں آتا؟ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین وہ اپنی بیوی زبیدہ کے سوگ اور تعزیت میں مشغول ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ ہمیں بھی اس کی تعزیت کے لیے جانا چاہیے اور وہ مع وزیر اور خدام سوار ہو کر علاؤ الدین کے گھر میں گئے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ اور اس کے ہمراہی پہنچے۔ علاؤ الدین ان کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا' سلام کیا' زمین چومی۔ خلیفہ نے کہا کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے! علاؤ الدین نے دعا دی کہ اے امیرالمومنین خدا ہمارے لیے تیری عمر دراز کرے! خلیفہ بولا کہ علاؤ الدین تو دربار میں کیوں نہیں آتا؟ عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اپنی بیوی زبیدہ کے غم کی وجہ سے۔ خلیفہ نے فرمایا'

غم کو اپنے دل سے نکال ڈال۔ خدا نے اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے' رنج کرنے سے فائدہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں اس کی جدائی کے صدمے سے اس وقت نجات پا سکتا ہوں کہ میں مر جاؤں اور لوگ مجھے اس کے پاس دفن کر آئیں۔ خلیفہ کہنے لگا کہ خدا کے پاس ہر فوت ہونے والے کا بدلہ ہے اور موت کے مقابلے میں نہ تدبیر چلتی ہے اور نہ مال کام دیتا ہے۔ تعزیت ختم کرنے کے بعد خلیفہ اس سے یہ کہہ کر کہ دربار آیا کرے' اپنے محل کو روانہ ہو گیا۔

اس رات کے بعد جب دن نکلا تو علاؤ الدین سوار ہو کر دربار میں حاضر ہوا اور خلیفہ کے پاس پہنچ کر زمین چومی۔ خلیفہ نے اسے مرحبا کہا اور اس کی سلامتی چاہی۔ اپنی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ علاؤ الدین آج رات تو میرا مہمان ہے پھر وہ اسے محل کے اندر لے گیا اور ایک کنیز کو بلوایا جس کا نام قوت القلوب تھا اور اس سے کہا کہ علاؤ الدین کی ایک بیوی تھی جس کا نام زبیدہ تھا جو اس کا غم غلط کیا کرتی تھی۔ خدا نے اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اسے عود پر ایک راگ سنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو اکسٹھویں رات

جب دو سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسے عود پر ایک راگ سنا جو اپنے طرز میں نرالا ہو اور جس سے اس کا غم غلط ہو جائے۔ کنیز نے ایک نہایت اچھوتا راگ الاپا۔ خلیفہ بولا' علاؤ الدین اس آواز کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زبیدہ کی آواز اس سے اچھی تھی مگر یہ ساز کے بجانے میں زیادہ ماہر ہے۔ اس سے پہاڑ تک وجد کر سکتے ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا یہ کنیز تجھے پسند ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں امیرالمومنین مجھے پسند ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میرے سر اور میرے باپ داداؤں کی قسم یہ کنیز اور اس کی ساری لونڈیاں میں نے تجھے بخش دیں۔

علاؤ الدین سمجھا کہ خلیفہ اس سے مذاق کر رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب کے پاس جا کر کہا کہ میں نے تجھے علاؤ الدین کو بخش دیا ہے۔ وہ خوش ہو گئی لڑکا اس کی نگاہ میں کھب گیا اور وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔

یہ کہہ کر خلیفہ محل سے نکلا اور دربار میں آیا اور حمالوں کو حکم دیا کہ قوت القلوب اور اس کی لونڈیوں کو تخت رواں پر بٹھا کر اس کے سارے سامان کے ساتھ علاؤ الدین کے گھر پہنچا آؤ۔ حمال اسے اور اس کی لونڈیوں اور اس کے سامان کو علاؤ الدین کے گھر لے جا کر پہنچا آئے۔ خلیفہ شام تک دربار کرتا رہا اور پھر دربار برخاست کر کے محل میں گیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا' اب قوت القلوب کا حال سنئے۔ جب وہ اس کی چالیس لونڈیاں علاؤ الدین کے محل میں داخل ہوئیں تو اس نے دو خادموں سے کہا کہ تم میں سے ایک' دروازے کے داہنی طرف کرسی پر بیٹھے اور دوسرا' بائیں طرف اور جب علاؤ الدین آئے تو تم اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنا کہ ہماری آقا قوت القلوب تجھے محل

کے اندر بلاتی ہے۔ خلیفہ نے اسے اور اس کی لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے۔ علاؤ الدین آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کے دو خادم دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ حیران ہو کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ شاید یہ میرا مکان نہیں ہے لیکن خادم اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگے۔ ہم خلیفہ کے نوکر اور قوت القلوب کے غلام ہیں۔ اس نے تجھے سلام بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ خلیفہ نے مجھ کو اور میری لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے اور وہ تجھے اپنے پاس بلاتی ہے۔ اس نے کہا کہ میری طرف سے اس کا خیر مقدم کرو اور کہو کہ جب تک تو میرے ہاں رہے گی۔ میں محل کے اندر نہ آؤں گا کیونکہ جو چیز آقا کی ہے اس پر نوکروں کا کوئی حق نہیں اور اس سے پوچھو کہ اسے ہر روز خلیفہ کے پاس سے کیا روزینہ ملتا تھا؟ خادموں نے اس کے پاس یہ پیغام پہنچا دیا۔ کنیز نے کہلا بھیجا کہ روزانہ سو دینار خلیفہ کی طرف سے مجھے ملتے تھے۔ علاؤ الدین نے اپنے دل میں کہا کہ خلیفہ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ قوت القلوب کو میرے حوالے کر کے یہ خرچ میرے ذمے لگائے! لیکن اب اس سے مفر نہیں۔

اس کے بعد وہ ایک مدت تک علاؤ الدین کے گھر میں رہی اور وہ اسے ہر روز سو دینار دیتا رہا۔ اسی اثنا میں ایسا ہوتا ہے کہ وہ کئی دن تک دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔ خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میں نے تو علاؤ الدین کو قوت القلوب دی تھی کہ اس کی بیوی کا غم غلط ہو اور وہ بلاناغہ دربار میں حاضر ہوا کرے لیکن اس نے پھر آنا بند کر دیا! کچھ وجہ سمجھ میں آتی ہے؟ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین یہ مقولہ غلط نہیں کہ جس شخص کے پاس اس کا محبوب ہو' وہ اپنے دوستوں کو بھول جاتا ہے۔ خلیفہ بولا بہرحال اس کے نہ آنے کا کوئی خاص سبب ہے۔ اچھا ہم اس کی ملاقات کو جائیں گے۔ کچھ دن پہلے علاؤ الدین نے خلیفہ کی مہربانیوں کے ذکر میں وزیر سے کہا تھا کہ میں نے امیرالمومنین سے جب اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کے غم میں اپنے بے قرار رہنے کی شکایت کی تو اس نے مجھے قوت القلوب بخش دی۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ اس کی محبت کی دلیل ہے اگر اس کو تجھ سے خاص لگاؤ نہ ہوتا تو وہ اسے ہرگز تجھے نہ بخشتا۔ مگر

علاؤ الدین یہ تو بتا تو نے اس سے ہم بستری بھی کی ہے؟ اس نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں' بلکہ میں نے آمنے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھا تک نہیں۔ وزیر نے پوچھا کیا سبب؟ وہ بولا کہ اے وزیر جو چیز آقا کے شان کی شایاں ہے وہ نوکروں پر نہیں پھبتی۔

اب ایک روز خلیفہ اور جعفر بھیس بدل کر علاؤ الدین سے ملنے روانہ ہوئے اور چپ چاپ علاؤ الدین کے گھر جا پہنچے۔ علاؤ الدین انہیں پہچان کر اٹھ کھڑا ہوا اور خلیفہ کے ہاتھ چومے۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے غم کے آثار نمودار ہیں۔ دریافت کرنے لگا کہ علاؤ الدین اس رنج و الم کی کیا وجہ ہے؟ کیا تو نے قوت القلوب سے ہم بستری نہیں کی؟ عرض کیا امیرالمومنین جو چیز آقا کی ہے وہ نوکروں کے لیے جائز نہیں۔ میں اب تک اس کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوا۔ نہ مجھے اس کی صورت سے آشنائی ہے۔ اس سے معاف رکھ۔ خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے مل کر اس کا حال دریافت کروں۔ علاؤ الدین نے جواب دیا کہ تو مالک ہے اے میرالمومنین۔ خلیفہ اس کے پاس گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو باسٹھ ویں رات

دو سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ قوت القلوب کے پاس گیا۔ جب اس نے خلیفہ کو دیکھا تو اٹھ کر اس کے آگے زمین بوس ہوئی۔ خلیفہ نے پوچھا کہ علاؤ الدین تیرے ساتھ ہم بستر ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں' امیرالمومنین حالانکہ میں نے اسے بلا بھیجا تھا کہ ہم خواب ہو لیکن اس نے نہ مانا۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے شاہی محل میں واپس کر دیا جائے اور علاؤ الدین سے یہ کہہ کر دربار میں آنا جانا ترک نہ کر' اپنے محل کی راہ لی اور علاؤ الدین سو گیا۔

جب صبح ہوئی تو وہ سوار ہو کر دربار گیا اور ساٹھ سرداروں کے سپہ سالار کے عہدے پر بیٹھا۔ خلیفہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ وزیر جعفر کو دس ہزار دینار دے۔ جب وہ دے چکا تو خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تو کنیزوں کے نخاس میں جا کر علاؤ الدین کے لیے دس ہزار دینار کی ایک کنیز خرید۔ وزیر خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں علاؤ الدین کو اپنے ساتھ لے کر کنیزوں کے نخاس میں پہنچا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اسی روز بغداد کا والی امیر خالد بھی اپنے بیٹے کے لیے ایک کنیز خریدنے آیا ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خاتون نام اس کی ایک بیوی تھی۔ اس سے ایک ہی لڑکا تھا مگر بڑا بدصورت۔ لڑکے کا نام جنطلم بظاظہ تھا۔ اس کی عمر بیس برس کی ہو چکی تھی اور ابھی تک اسے گھوڑے پر چڑھنا نہ آیا تھا۔ حالانکہ اس کا باپ بڑا بہادر سورما تھا۔ وہ سوار ہو کر اندھیری راتوں میں پھرا کرتا۔ جنطلم بظاظہ کو ایک رات احتلام ہوا۔ اس نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے خوش ہو کر یہ خبر باپ کو سنائی اور اس سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ کہیں اس کا نکاح ہو جائے کیونکہ وہ اب نکاح کے قابل ہو گیا ہے۔ باپ کہنے لگا کہ وہ بدصورت' بدبو' بدمعاش اور جنگلی ہے

کوئی عورت اسے قبول نہ کرے گی۔ ماں نے کہا تو پھر ہم اس کے لیے کنیز خریدیں گے۔ چنانچہ ادھر وزیر اور علاؤ الدین بازار میں آئے اور ادھر امیر خالد والئی بغداد اور اس کا بیٹا جنطلم بظاظہ۔ نخاس میں ان کی نظر ایک حسین و جمیل کنیز پر پڑی جو ایک دلال کے پاس تھی۔ وزیر نے کہا کہ میں ایک ہزار دینار دیتا ہوں۔ تو مالک سے مشورہ کر۔ دلال اسے لے کر والی کے قریب سے گزرا اور جونہی جنطلم بظاظہ کی نظر اس پر پڑی تو ہزاروں ارمان اس کے دل میں آنے لگے اور کنیز کی محبت اس کے دل میں سما گئی۔ اس نے کہا کہ باپ میرے لیے اس کنیز کو خرید لے۔ والی نے دلال کو بلایا اور کنیز سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام یاسمین ہے۔ باپ نے کہا کہ بیٹا اگر یہ کنیز تجھے پسند ہے تو بڑھ کر بولی بول۔ اس پر لڑکے نے دلال سے پوچھا کہ کتنے دام لگ چکے ہیں؟ دلال بولا ایک ہزار۔ لڑکے نے ایک ہزار ایک لگا دیے۔ اب دلال علاؤ الدین کے پاس آیا۔ اس نے دو ہزار بولے۔ بولی پہ بولی پڑنے لگی۔ والی کا بیٹا اگر ایک دینار بڑھاتا تو علاؤ الدین ایک ہزار۔ والی کے بیٹے کو غصہ آ گیا اس نے دلال سے کہا کہ میری بولی پر کون زیادہ بولی بولتا ہے؟ دلال کہنے لگا کہ وزیر جعفر اس کنیز کو علاؤ الدین ابوالشامات کے لیے خریدنا چاہتا ہے۔ القصہ علاؤ الدین نے دس ہزار دینار کی بولی دی اور کنیز کے مالک نے منظور کر کے دام لے لیے اور علاؤ الدین نے کنیز کو لے کر کہا کہ میں تجھے فی سبیل اللہ آزاد کرتا ہوں۔ بعد ازاں وہ لونڈی کی آزادی کا پروانہ لکھ کر گھر روانہ ہو گیا اور دلال اپنی دلالی لے کر چلتا ہوا۔ والی کے بیٹے نے اسے بلا کر پوچھا کہ کنیز کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسے علاؤ الدین نے دس ہزار دینار میں خرید لیا ہے اور اسے آزاد کر کے پروانہ لکھ دیا ہے۔

لڑکے کو بہت صدمہ ہوا۔ اس کی تمنائیں خاک میں مل گئیں اور وہ گھر جا کر اس کی محبت میں بیماروں کی طرح پڑ گیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا اور دل میں عشق کی آگ بھڑکنے لگی۔ جب اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ بیمار ہے تو اس سے کہنے لگی کہ بیٹا

خدا تجھے سلامت رکھے! تو کیوں ایسا پریشان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اماں جان میرے لیے یاسمین خرید دے۔ ماں بولی کہ پھول والے کو ادھر سے گزرنے دے میں تیرے لیے ایک پورا ٹوکرا یاسمین کا خرید دوں گی۔ لڑکے نے کہا کہ یاسمین کے پھول نہیں جو سونگھے جاتے ہیں بلکہ وہ ایک کنیز ہے جس کا نام یاسمین ہے اور جسے والد نے میرے لیے نہیں خریدا۔ اس پر اس نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ تو نے وہ کنیز اس کے لیے کیوں نہیں خریدی؟ اس نے جواب دیا کہ جو چیز آقا کے قابل ہو وہ نوکروں کے لائق نہیں ہو سکتی۔ میرے لیے اس کا لینا ممکن نہ تھا کیونکہ جس شخص نے اسے خریدا ہے وہ علاؤ الدین ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار ہے۔ یہ سن کر لڑکے کی بیماری اور زیادہ ہو گئی یہاں تک کہ اس نے کھانا پینا اور سونا بالکل ترک کر دیا اور ماں نہایت غم زدہ رہنے لگی۔

ایک دن وہ اسی غم میں بیٹھی ہوئی تھی کہ پہلے ایک بڑھیا اس کے پاس پہنچی جو مشہور چور احمد قماقم کی ماں تھی۔ یہ چور ایسا شاطر تھا کہ آسمان میں نقب لگاتا۔ اونچی سے اونچی دیواریں پھاند جاتا اور آنکھ سے سرمہ چرا لیتا۔ یہ بری عادتیں اس میں شروع ہی سے تھیں۔ کسی طرح اسے پہرے والوں کا چودھری بنا دیا گیا تھا لیکن اس نے وہاں بھی خیانت کی۔ والی نے اسے دیکھ لیا اور وہ اسے پکڑ کر خلیفہ کے پاس لے گیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے سولی گھر میں قتل کر دیا جائے۔ اس نے وزیر سے سفارش چاہی۔ خلیفہ' وزیر کی سفارش رد نہ کرتا تھا۔ جب اس نے اس چور کی سفارش کی تو خلیفہ نے پوچھا کہ تو' اس حرام زادے کی سفارش کیوں کرتا ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اسے قید کر دے کیونکہ جس شخص نے قید خانہ ایجاد کیا ہے وہ دانش مند آدمی تھا۔ قید خانہ زندوں کی قبر ہے اور دشمنوں کے لیے خوشی کا باعث۔

اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے قید خانہ میں رکھا جائے اور اس کے قید نامے پر لکھ

دیا کہ وہ اس وقت تک قید خانے میں رہے جب تک کہ مردہ ہو کے تختے پر اس کی بیڑیاں کاٹی جائیں۔ لہٰذا وہ برابر قید رہا۔ اس کی ماں بغداد کے والی امیر خالد کے ہاں آیا جایا کرتی تھی اور جب کبھی وہ اپنے بیٹے کے پاس قید خانے میں جاتی تو اس سے کہتی کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ چوری سے توبہ کر۔ وہ جواب دیتا کہ خدا نے یہ میری قسمت میں لکھ دیا ہے لیکن اماں جب تو والی کی بیوی کے پاس جائے تو اس سے کہیو کہ وہ میری سفارش' والی سے کر دے۔ اب کے بڑھیا جو والی کے بیوی کے پاس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ غمگین بیٹھی ہے۔ کہنے لگی کہ تو غمگین کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے بیٹے جنطلم بظاظہ کی مصیبت پر۔ بڑھیا نے کہا کہ تیرا بیٹا سلامت رہے! اسے کیا ہوا ہے؟ اس نے بڑھیا کو ساری داستان سنا دی۔ بڑھیا بولی اگر میں تیری یہ خدمت کر دوں کہ تیرا بیٹا بچ جائے تو؟ اس نے کہا کہ تو کیا کر سکتی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ میرا بیٹا ہے جس کا نام احمد قماقم ہے جو بڑا دھاڑی ہے اور آج کل وہ قید خانے میں ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے کہ مرتے دم تک قید میں رہے۔ میری یہ رائے ہے کہ اٹھ اور بہترین اور نفیس زیور پہن۔ ہنس مکھ چہرہ بنا کر اپنے شوہر کے پاس جا اور جب وہ تجھ سے وہ چیز مانگے جو مرد عورتوں سے مانگا کرتے ہیں تو انکار کر دیجیو۔ اس کے کہنے میں نہ آئیو اس سے کہیو کہ یہ بھی عجیب و غریب بات ہے کہ اگر مرد کو اپنی بیوی سے حاجت ہو تو وہ اس قدر خوشامد کرتا ہے کہ اپنی حاجت روائی کر کے اٹھتا ہے لیکن اگر بیوی اپنے شوہر سے کوئی درخواست کرے تو وہ اسے پورا نہیں کرتا۔ اس پر وہ تجھ سے کہے گا کہ اپنی ضرورت بیان کر۔ اس وقت کہیو کہ پہلے قسم کھا۔ جب وہ اپنے سر یا اللہ کی قسم کھائے تو کہیو کہ جب تک وہ طلاق کی قسم نہ کھائے۔ جب وہ طلاق کی قسم کھائے تو کھا لے تو کہیو کہ تیرے قید خانے میں ایک چودھری قید ہے جس کا نام احمد قماقم ہے۔ اس کی ایک بے چاری ماں ہے وہ میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے درخواست کروں کہ تو اس کے بیٹے کی سفارش خلیفہ سے کرے اور وہ اسے معاف کر دے' تجھے اس

کا ثواب ہو گا۔ وہ اچھا کہہ کر چپ ہو گئی۔ جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ◯ ○

• دو سو تریسٹھ ویں رات

دو سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا تو اس نے وہی باتیں کیں اور والی نے طلاق کی قسم کھا لی اور

رات بھر اپنی بیوی سے ہم بستری کی۔ صبح اٹھ کر اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی اور قید خانے گیا۔ قید خانے میں جا کر احمد قماقم سے کہنے لگا کہ اے چور کیا تو اپنے جرموں سے توبہ کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ اپنے افعال سے باز آتا اور دل سے استغفراللہ کہتا ہوں۔ یہ سن کر والی نے اسے قید خانے سے نکالا اور اسے پا بہ زنجیر لے کر دربار لے گیا۔ خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا اے امیر خالد کیا چاہتا ہے؟ اس نے خلیفہ کے سامنے احمد قماقم کو پیش کیا۔ جس کی بیڑیاں جھنک رہی تھیں۔ خلیفہ نے کہا کہ اے قماقم تو' ابھی تک زندہ ہے؟ وہ بولا امیرالمومنین بدبختوں کی زندگی بہت لمبی ہوتی ہے۔ خلیفہ نے امیر خالد سے پوچھا کہ تو اسے یہاں کیوں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی غریب بڑھیا ماں ہے جو اکیلی ہے جس کا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ تیرے اس غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے سفارش کروں اور تو اسے رہا کر دے۔ یہ اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ تو اسے معاف کر اور پہلے کی طرح چوکیداروں کا چودھری بنا دے۔ خلیفہ نے احمد قماقم سے کہا کہ تو اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا امیرالمومنین میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ اب خلیفہ نے لوہار کو بلوا کر مردہ شو کے تختے پر اس کی بیڑیاں کٹوا دیں اور اسے دوبارہ چوکیداروں کا چودھری بنا دیا اور اسے نصیحت کی کہ صحیح راستے پر چلیو اور ثابت قدم رہیو۔ احمد نے خلیفہ کے ہاتھ چومے اور پھر چودھریوں کا خلعت پہن کر وہاں سے نکلا۔ اس کے چودھری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور وہ ایک مدت تک اپنے منصب پر رہا۔

ایک روز اس کی ماں والی کی بیوی کے پاس گئی۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے تیرے بیٹے کو قید سے چھڑایا اور وہ اب تک صحیح و سالم ہے۔ اس سے تو کیوں نہیں کہتی کہ وہ کنیز یاسمین کو میرے بیٹے جنطلم کے پاس لے آئے۔ اس نے جواب دیا کہ ابھی جا کر کہتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دی اور اپنے بیٹے کے پاس پہنچی اور دیکھا کہ وہ نشے میں چور ہے۔ اس سے کہا کہ بیٹا تیری رہائی کا سبب محض والی کی بیوی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے علاؤالدین ابوالشامات کو قتل کر کے کنیز یاسمین کو اس کے بیٹے جنطلم بظاظه کے پاس لے آئے۔ وہ بولا کہ یہ تو بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ میں آج ہی رات کوئی نہ کوئی تدبیر نکالتا ہوں۔ یہ رات نئے مہینے کی پہلی رات تھی۔ امیرالمومنین کا دستور تھا کہ اس رات وہ شہزادی زبیدہ کے ہاں سوتا' کسی کنیز یا غلام کو آزاد کرتا یا اسی قسم کا کوئی نیک کام کرتا اور اس کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ اس رات شاہی لباس اتار ڈالتا' تسبیح' پیش قبض اور شاہی مہر کو نشست گاہ میں کسی کرسی کے اوپر رکھ دیتا۔ خلیفہ کے پاس ایک سونے کی قندیل تھی جس میں ایک سونے کی لڑی میں تین ہیرے پروئے ہوئے تھے اور وہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنا لباس اور قندیل اور باقی چیزیں خادموں کے سپرد کیں اور زبیدہ کی حرم سرا میں داخل ہوا۔ احمد قماقم چور نے آدھی رات تک انتظار کیا اور جب سہیل تارا نکلا اور لوگ سو گئے اور خدا نے ان پر غفلت کا پردہ ڈال دیا تو اس نے دہنے ہاتھ میں تلوار لی بائیں ہاتھ میں کانٹا۔ خلیفہ کی نشست گاہ کے قریب پہنچ کر سیڑھی لگائی اور خلیفہ کی نشست گاہ پر کانٹا پھینک کر اس میں لٹک گیا اور سیڑھی پر چڑھ کر چھت پر جا پہنچا پھر وہاں سے تابدان کھول کر نیچے اتر گیا۔ دیکھا کہ نوکر چاکر سو رہے ہیں۔ انہیں نشہ سونگھا کر خلیفہ کا لباس' تسبیح' رومال' انگوٹھی اور قندیل جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اٹھا لی اور جس راستے سے آیا تھا اسی سے نکل کر علاؤالدین ابوالشامات کے گھر کا راستہ لیا۔ اس رات علاؤالدین کنیز کے ساتھ ہم آغوش

تھا اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی تھی۔ احمد قماقم چور علاؤالدین کے مکان میں داخل ہوا اور فرش سے ایک سل مرمر کی نکال کر اس کے نیچے گڑھا کھودا اور بعض چیزیں اس میں ڈال دیں اور بعض اپنے پاس رہنے دیں۔ پھر سل کو اپنی جگہ بٹھا کر جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے نکل گیا اور اپنے دل میں کہتا ہوا کہ جب میں شراب پیوں گا تو اس قندیل کو اپنے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں پیا کروں گا' اپنے گھر چلا گیا۔

صبح کو جو خلیفہ بیدار ہو کر خلوت سے باہر نکلا تو دیکھا کہ سارے نوکر بھنگ کے نشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے انہیں جگایا اور کرسی پر ہاتھ ڈالا تو نہ لباس پایا نہ تسبیح' نہ خنجر' نہ رومال اور نہ قندیل۔ برہمی کی انتہا نہ رہی۔ سرخ لباس جو غصے کی پوشاک تھی پہن لیا اور جا کر دربار میں بیٹھ گیا۔ وزیر نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ خدا امیرالمومنین سے ہر برائی کو دور رکھے! خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر برائی بڑھتی جاتی ہے۔ وزیر نے عرض کیا' آخر کیا ہوا؟ خلیفہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اتنے میں والی آ پہنچا۔ اس کی رکاب احمد قماقم چور تھامے ہوئے تھا۔ اس نے دیکھا کہ خلیفہ چیں بہ جبیں بیٹھا ہوا ہے۔ جونہی خلیفہ کی نظر والی پر پڑی پوچھا اے امیر خالد بغداد کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بخیریت ہے اور محفوظ ہے۔ خلیفہ بولا تو جھوٹ کہتا ہے۔ والی نے کہا امیرالمومنین یہ کیونکر؟ خلیفہ نے اس سے بھی کل قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ان تمام چیزوں کو لا کر حاضر کر۔ والی بولا امیرالمومنین سرکے کا کیڑا اسی میں سے پیدا ہوتا ہے اور اسی میں رہتا ہے۔ کسی غیر کی مجال نہیں کہ یہاں آ سکے۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر تو' یہ چیزیں نہ لایا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ قبل اس کے کہ تو مجھے قتل کرے میں احمد قماقم سراق کو مار ڈالوں گا کیونکہ سوائے چوکی داروں کے چودھری کے اور کسی کو چوروں اور خائنوں کا پتا نہیں ہوتا۔

یہ سن کر احمد قماقم اٹھا اور خلیفہ سے کہنے لگا کہ والی کے حق میں میری سفارش قبول

کر۔ میں ذمہ لیتا ہوں کہ چور کا کھوج لگا دوں گا اور جب تک اس کا پتا نہ لگا لوں اس کا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ لیکن دو قاضیوں اور دو گواہوں کو میرے ساتھ کر دے اس لیے کہ جس نے یہ حرکت کی ہے وہ نہ تجھ سے ڈرتا ہے' نہ والی سے اور نہ کسی اور سے۔ خلیفہ نے کہا کہ جو کچھ مانگتا ہے تجھے ملے گا لیکن پہلے محل میں تلاشی لی جائے پھر وزیر کے گھر میں' پھر ساٹھ سرداروں کے سپہ سالار کے ہاں۔ احمد قماقم نے عرض کیا' امیرالمومنین تیرا کہنا بجا ہے جس نے یہ چوری کی ہے وہ یا تو امیرالمومنین کے محل کا پروردہ ہے یا اس کے کسی خاص شخص کے محل کا۔ خلیفہ نے کہا کہ میں اپنے سر کی قسم کھاتا ہوں جس پر یہ چوری ثابت ہو گی' ضرور اس کی گردن اڑا دوں گا خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ احمد قماقم نے اپنے منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوا دیا جس کی بنا پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو چونسٹھ ویں رات

جب دو سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- احمد قماقم نے اپنا منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوایا جس کی بنا

پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے اور اپنے ہاتھ میں تین پیتل' تین تانبے' تین لوہے اور تین فولاد کے ڈنڈے لے کر نکلا۔ پہلے خلیفہ کے محل کی تلاشی لی۔ پھر وزیر جعفر کے محل کی اس کے بعد حاجبوں اور نائبوں کے مکانوں کا چکر لگاتا ہوا علاؤالدین ابوالشامات کے گھر پہنچا۔ علاؤالدین نے اپنے گھر کے آگے شور و غل سنا تو اپنی بیوی یاسمین کے پاس سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ والی ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے؟ امیر خالد نے ساری داستان سنا دی۔ علاؤالدین نے کہا کہ اندر آ کر تلاشی لے لو۔ والی نے کہا کہ اے میرے آقا' معاف کر تو امین ہے اور امین کا خائن ہونا ناممکن ہے۔ وہ بولا تجھے میرے گھر کی تلاشی لینی ہو گی۔ اب والی' قاضی اور گواہ اندر گئے اور احمد قماقم آگے بڑھ کر کمرے میں پہنچا اور اس مرمر کی سل کے پاس پہنچا جس کے نیچے اس نے چوری کا مال دفن کیا تھا اور اس زور سے اس پر ڈنڈا مارا کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس کے نیچے سے کوئی چیز چمکنے لگی۔ چودھری نے کہا کہ بسم اللہ' ماشاء اللہ! ہمارے قدموں کی برکت سے ہمیں ایک خزانہ مل گیا۔ پھر اس نے نیچے اتر کر ان چیزوں کو ٹٹولا۔ قاضی اور گواہوں کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ سب چیزیں جو چوری ہوئی تھیں' وہاں موجود ہیں۔ انہوں نے ایک کاغذ پر یہ مضمون لکھ کر انہیں یہ چیزیں علاؤالدین کے گھر سے ملی ہیں' اپنی اپنی مہر لگا دی اور حکم دیا کہ علاؤالدین کو گرفتار کر لیا جائے۔ سر پر سے اس کی پگڑی اتار لی۔ اس کے مال اور اجناس کی ایک فہرست بنا ڈالی۔ احمد قماقم السراق نے کنیز یاسمین کو

جو حاملہ تھی پکڑ کر اپنی ماں کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے والی کی بیوی خاتون کے سپرد کر آ۔ وہ اسے لے کر والی کی بیوی کے پاس گئی اور اسے سونپ دیا۔

جب جنطلم بظاظہ نے یاسمین کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آ گئی اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور خوش خوش اس کی طرف بڑھا۔ مگر کنیز نے اپنی پٹی میں سے خنجر نکال کر کہا کہ میرے قریب نہ آ ورنہ میں تیری جان بھی لے لوں گی اور اپنی جان بھی دے دوں گی۔ اس کی ماں ڈر گئی اور بولی اے لڑکی! میرے بیٹے کو اپنی مراد پوری کر لینے دے۔ اس نے جواب دیا کہ اے کتیا! یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ ایک عورت دو مردوں کی بیوی بن کر رہے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کتے شیروں کی جگہ لیں۔ یہ سن کر لڑکے کی تمنائیں اور زیادہ ہو گئیں اور عشق کی آگ اس کے کلیجے میں بھڑک اٹھی۔ کھانا پینا ترک کر دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ والی کی بیوی نے لڑکی سے کہا کہ لڑکی تو کیوں میرے بیٹے کو جلاتی ہے اور میرا دل دکھاتی ہے کہ میں تجھے سزا دوں۔ رہا علاؤالدین تو اس کے بھلاوے میں نہ رہیو' وہ تو پھانسی بغیر چڑھے رہتا نہیں۔ لڑکی نے کہا اور میں اس کی محبت میں بے مرے نہیں رہوں گی۔ آخر والی کی بیوی جھلا اٹھی۔ اس نے یاسمین کے ریشمی کپڑے اور زیور اتار کر پھینک دیئے اور اسے ٹاٹ کی ازار اور بالوں کی قمیص پہنا کر باورچی خانے میں بھیج دیا کہ وہاں کام کیا کرے اور اس سے کہا کہ تیری سزا یہی ہے کہ تو لکڑیاں چیرے' پیاز چھیلے اور دیگچوں کے نیچے آگ جلائے۔ اس نے جواب دیا کہ ساری تکلیفیں مجھے منظور ہیں مگر تیرے بیٹے کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ خدا کا کرنا کہ کنیزوں کو اس پر ترس آنے لگا اور انہوں نے اس سے سارا باورچی خانے کا کام لے لیا۔

یہ تو یاسمین کا قصہ ہوا' اب علاؤالدین ابوالشامات کی سرگزشت سنئے۔ خلیفہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ لوگ علاؤالدین اور ان اشیاء کو لے کر دربار میں پہنچے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملیں؟ انہوں نے عرض کی کہ علاؤالدین ابوالشامات کے گھر کے اندر۔ یہ سن کر خلیفہ طیش میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنی چیزیں دیکھیں تو ان میں

قندیل نہ تھی۔ علاؤالدین سے مخاطب ہو کر کہا کہ قندیل کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہ میں نے چوری کی نہ مجھے معلوم اور نہ میں نے دیکھا ہے اور نہ میں جانتا ہوں۔ خلیفہ بولا اے خائن میں تجھے اپنے قریب کرتا جاتا ہوں اور تو مجھے دور ہٹاتا جاتا ہے۔ میں تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں اور تو خیانت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ آخر غضب ناک ہو کر اس نے پھانسی کا حکم دے دیا۔ والی وہاں سے نکلا اور ڈھنڈورا پیٹنے والے نے ڈھنڈورا پیٹا کہ یہ کم از کم سزا اس شخص کی ہے جو دیانت پسند خلفاء کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ یہ سن کر تمام لوگ پھانسی گھر کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔

علاؤالدین پر یہ گزری' اب اللہ کی کارسازی سنو۔ احمد دنف جو علاؤالدین کا سردار تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک باغ میں تفریح کر رہا تھا کہ دربار کے سقوں میں سے ایک سقہ وہاں پہنچا اور احمد دنف کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا کہ اے سردار احمد دنف تو یہاں آرام سے بیٹھا ہے اور تیرے پاؤں کے نیچے پانی بہہ رہا ہے لیکن تجھے کچھ خبر بھی ہے؟ احمد دنف نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ سقہ بولا کہ علاؤالدین جسے تو نے خدا کا واسطہ دے کر اپنا بیٹا بنایا تھا اسے لوگ پھانسی گھر لے جا رہے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ اے حسن' اے شومان تو کوئی تدبیر کر سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ علاؤالدین بے جرم ہے یہ کسی دشمن کی کارستانی ہے۔ احمد دنف نے کہا کہ اب تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر خدا نے چاہا تو اس کی رہائی کا میں ذمے دار ہوں۔ یہ کہہ کر حسن شومان قید خانے گیا اور داروغہ سے کہا کہ ایک ایسے شخص کو میرے حوالے کر دے جو قتل کا سزاوار ہو چکا ہو۔ اس نے ایک قیدی نکال کر دیا جو علاؤالدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ تھا۔ احمد دنف نے اس کا منہ ڈھانک کر اپنے اور علی زیبق مصری کے درمیان لے لیا۔ لوگ علاؤالدین کو پھانسی کے لیے لے جا چکے تھے۔ احمد دنف نے آگے بڑھ کر اپنا پاؤں جلاد کے پاؤں کے اوپر رکھ دیا۔ جلاد بولا کہ میرے لیے اتنی جگہ تو چھوڑ دے کہ میں اپنا فرض پورا کر سکوں۔ اس نے کہا کہ اے ملعون اس شخص کو لے کر بجائے علاؤالدین ابوالشامات کے' پھانسی دے دے کیونکہ وہ مظلوم ہے۔

میں حضرت اسمٰعیل کے بدلے مینڈھا پیش کرتا ہوں۔ جلاد نے اس شخص کو لے کر پھانسی دے دی اور احمد دنف اور علی زیبق مصری علاؤالدین کو لے کر گھر آئے۔ جب وہ

اندر داخل ہوئے تو علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار خدا تجھے نیک بدلہ دے!

اس نے پوچھا کہ علاؤالدین یہ تو نے کیا کیا؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو پینسٹھ ویں رات

جب دو سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- احمد دنف نے علاؤالدین سے کہا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ رحم کرے اللہ اس پر جس کا یہ مقولہ ہے کہ جو تجھ کو امین بنائے اس کے ساتھ خیانت نہ کر خواہ خائن ہی کیوں نہ ہو۔ خلیفہ نے تجھے اپنے پاس رکھا' تجھے معتمد اور امین کا لقب دیا پھر تو نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا اور اس کی چیزیں کیوں لے گیا؟ علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار قسم ہے اسم اعظم کی یہ چوری میں نے نہیں کی اور نہ اس میں میرا کوئی جرم ہے۔ نہ مجھے معلوم ہے کہ یہ حرکت کس کی ہے۔ احمد دنف نے کہا کہ یہ کسی سخت دشمن کی کاروائی ہے۔ جیسا کوئی کرے گا ویسا پھل پائے گا لیکن علاؤالدین اب بغداد میں تیرا رہنا ممکن نہیں۔ بیٹا' بادشاہ جس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور بادشاہ جس کی تلاش میں ہوتے ہیں اس کا دم ناک میں آ جاتا ہے۔ علاؤالدین نے کہا کہ اے میرے سردار تو پھر میں کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ میں تجھے اسکندریہ پہنچا دوں گا۔ وہ مبارک جگہ ہے' اس کی زمین سرسبز ہے اور وہاں کی زندگی خوشگوار۔ علاؤالدین نے کہا جیسی تیری رائے اے میرے سردار۔ بعد ازاں احمد دنف نے حسن شومان سے کہا کہ مطمئن رہ اگر خلیفہ میرے متعلق پوچھے تو کہیو کہ وہ صوبوں کا معائنہ کرنے گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے علاؤالدین کو اپنے ساتھ لیا اور بغداد سے نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں تاکستان اور باغ تھے۔ ان کی نظر دو یہودیوں پر پڑی جو خلیفہ کے صوبے دار تھے اور خچروں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ احمد دنف نے ان یہودیوں سے کہا کہ ہماری مٹھی گرم کرو۔ یہودی بولے کہ کس وجہ سے ہم تمہاری مٹھی گرم کریں؟

اس نے جواب دیا کہ میں اس وادی کا پاسبان ہوں۔ ان دونوں نے سو سو دینار نکال

کر اسے دے دیئے اور احمد دنف نے ان کو قتل کر کے ان کے خچر لے لیے۔ ایک پر خود سوار ہوا اور دوسرے پر علاؤالدین کو سوار کیا اور ایاس پہنچے۔ وہاں ایک سرائے میں اترے۔ رات گزار کر جب سویرا ہوا تو علاؤالدین نے اپنا خچر بیچ ڈالا اور احمد دنف کے خچر کو دربان کے سپرد کیا اور ایاس کی بندرگاہ سے جہاز میں بیٹھ کر اسکندریہ پہنچ گئے۔

اسکندریہ پہنچ کر احمد دنف علاؤالدین کو ساتھ لے کر بازار گیا۔ دیکھا کہ ایک دلال دوکان نیلام کر رہا ہے۔ جس کے پیچھے ایک کوٹھڑی ہے اور نو سو پچاس تک لگ گئے ہیں۔ علاؤالدین نے ایک ہزار لگا دیئے اور بیچنے والے نے منظور کر لیا۔ یہ دوکان بیت المال کی تھی۔ علاؤالدین نے کنجیاں لے کر دوکان اور پیچھے کی کوٹھڑی کھولی اور دیکھا کہ وہاں فرش بچھے ہوئے اور تکیے لگے ہوئے ہیں۔ ایک انبار خانہ ہے جس میں بادبان' لنگر' رسے' صندوق' سیپوں اور کوڑیوں سے بھرے ہوئے تھیلے' رکابیں' تبر' بلے' بلیاں' چھریاں اور قینچیاں وغیرہ بیسیوں قسم کی چیزیں موجود ہیں۔ وہ دراصل ایک کباڑیے کی دوکان تھی۔ علاؤالدین ابوالشامات دوکان پر بیٹھ گیا۔ اور احمد دنف نے کہا کہ بیٹا دوکان اور کوٹھڑی اور تمام سامان تیری ملکیت ہے تو یہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کر اور دل تنگ نہ ہو۔ خدا نے تجارت میں برکت دی ہے۔ اس کے علاوہ وہ تین دن اور ٹھہرا' چوتھے دن اس نے علاؤالدین سے رخصت لی اور بولا تو یہیں ٹھہر جب تک کہ میں جا کر یہ خبر نہ لے آؤں کہ خلیفہ نے تجھے معاف کر دیا ہے اور تجھ سے یہ چال کس نے چلی ہے؟ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا۔ اور ایاس آیا اور سرائے سے اپنا خچر لے کر بغداد پہنچا۔ حسن اور اپنے دوسرے ساتھیوں سے ملا اور حسن سے پوچھا کہ خلیفہ نے میرے بارے میں دریافت کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس کے دل میں تیرا خیال بھی نہیں گزرا۔ احمد دنف خاموش ہو گیا۔ خلیفہ کی خدمات میں آتا جاتا رہا اور علاؤالدین کے معاملے کا پتہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔

ایک دن خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جعفر دیکھ تو سہی علاؤالدین نے

میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین تو نے اس کے بدلے میں اسے پھانسی دے دی اور اسے اپنی سزا مل گئی۔ خلیفہ کہنے لگا میں اسے پھانسی کے بعد دیکھنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین جو تیرا جی چاہے کر۔ وزیر کو ساتھ لے کر پھانسی گھر گیا۔ خلیفہ نے دیکھا کہ جس کو پھانسی دی گئی ہے وہ علاؤالدین الشامات کے سوا کوئی اور ہے۔ وزیر سے بولا کہ یہ تو علاؤالدین نہیں ہے۔ وزیر نے کہا کہ تو نے کس طرح پہچانا کہ وہ دوسرا شخص ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ علاؤالدین پستہ قد تھا اور یہ لمبا ہے۔ وزیر نے کہا کہ جسے پھانسی دی جاتی ہے وہ لمبا ہو جاتا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ علاؤالدین گورا تھا اور یہ کالا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیرالمومنین تجھے معلوم نہیں کہ موت کالا کر دیتی ہے۔ اب اس نے حکم دیا کہ اسے پھانسی گھر سے باہر لے جایا جائے۔ جب لوگ اسے باہر لے جانے لگے تو خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے دونوں ٹخنوں پر پہلے دو خلفائے راشدین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ وزیر سے کہنے لگا کہ علاؤالدین سنی تھا اور یہ رافضی ہے۔ وزیر نے کہا کہ پاک ہے خدا جو غیب کی باتیں جانتا ہے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ علاؤالدین ہے: نہیں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ دفن کر دیا جائے چنانچہ لاش دفن کر دی گئی اور لوگ علاؤالدین کو بھول گئے۔

اس قصے کو یہاں چھوڑ کر اب جنطلم بظاظہ کا حال سنو۔ وہ بہت دنوں تک عشق کے مرض میں مبتلا رہا آخر وہ مر گیا اور اس کی قبر بن گئی۔ ادھر کنیز یاسمین کے حمل کے دن پورے ہو گئے۔ اسے زہ کا درد ہونے لگا اور لڑکا پیدا ہوا جو چاند کی طرح تھا۔ کنیزوں نے اس سے پوچھا کہ تو اس کا کیا نام رکھے گی؟ اس نے جواب دیا کہ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ خود اس کا نام رکھتا لیکن لاچاری ہے۔ خیر میں اس کا نام اصلان رکھوں گی۔ اس کے بعد دو سال تک اس نے اسے متواتر دودھ پلا کر چھڑا دیا۔ وہ گود سے اتر کر گھٹنوں اور پھر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔ ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ اس کی ماں تو باورچی خانے میں کام کر رہی تھی۔ وہ کھیلتے کھیلتے زینے پر چڑھ

گیا۔ وہاں بالا خانے کے کمرے میں امیر خالد بیٹھا ہوا تھا اس نے لڑکے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور اسے دیکھ دیکھ کر خدا کی پاکی بیان کرنے لگا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی۔ لڑکے کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اسے علاؤالدین ابوالشامات کے بے حد مشابہ پایا۔ ادھر اس کی ماں اسے ڈھونڈنے لگی۔ نیچے نہ دکھائی دیا تو وہ کوٹھے پر چڑھ گئی۔ دیکھا کہ امیرا خالد بیٹھا ہوا ہے اور لڑکا اس کی گود میں کھیل رہا ہے۔ خدا نے اس کی محبت امیر خالد کے دل میں ڈال دی تھی۔ لڑکا اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس کی طرف دوڑ کر جانا چاہتا تھا کہ امیرا خالد نے اسے روک لیا اور ماں سے کہا کہ کنیز یہاں آ۔ جب وہ آئی تو امیر نے پوچھا کہ یہ کس کا لڑکا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا اور میرا لخت جگر ہے۔ امیر نے دریافت کیا کہ اس کا باپ کون ہے؟ وہ بولی کہ اس کا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے مگر وہ اب تیرا بیٹا ہے۔
امیر بولا کہ علاؤالدین خائن تھا۔ کنیز نے کہا کہ وہ خیانت سے بری ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ امین خائن ہو۔ امیر نے کہا کہ اچھا جب یہ لڑکا ہوشیار ہو اور پوچھے کہ میرا باپ کون ہے؟ تو کہیو کہ تو امیر خالد کا بیٹا ہے جو والی اور کوتوال ہے۔
امیرا خالد والی نے اس کا ختنہ کرایا' اس کی تربیت کا بخوبی انتظام کیا۔ ایک خوشنویس فقیہ کو اس کی تعلیم کے لیے رکھا جس نے اسے خوشنویسی اور قرات سکھائی اور اس نے قرآن دو بار پڑھ کر ختم کیا۔ وہ ہمیشہ امیرا خالد کو "اے میرے والد" کہہ کر پکارتا۔ والی میدان کو درست کر کے گھوڑے جمع کرتا اور لڑکے کو لڑائی کا فن' نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے کرتب سکھاتا یہاں تک کہ وہ شہہ سواری اور سپہ گری میں ماہر ہو گیا اور اس کی عمر چودہ سال ہو گئی اور امارت کے درجے کو پہنچا۔
اب ایسا اتفاق ہوا کہ اصلان اور احمد قماقم سراق کا ایک دن ساتھ ہو گیا اور دونوں دوست بن گئے اور ساتھ ساتھ مئے خانے پہنچے۔ وہاں احمد قماقم سراق نے وہ ہیرے کی قندیل نکالی جو اس نے خلیفہ کے سامان کے ساتھ چرائی تھی اور اسے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں شراب پینی شروع کی۔ یہاں تک کہ بدمست ہو گیا۔ اصلان نے کہا کہ

اے چودھری! یہ قندیل مجھے دے دے۔ اس نے جواب دیا کہ اسے میں تجھے نہیں دے سکتا۔ اصلان نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی وجہ سے کئی جانیں جا چکی ہیں۔ اصلان نے پوچھا کہ کس کس کی جان گئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص جو یہاں آیا ہوا تھا اور ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا گیا تھا اس کا نام علاؤالدین ابوالشامات تھا۔ وہ اسی قندیل کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ وہ کیا قصہ ہے اور وہ کس طرح مارا گیا؟ قماقم بولا' تیرا ایک بھائی جنطلم بظاظه تھا۔ جب وہ سولہ برس کا ہوا اور شادی کے قابل ہو گیا تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میرے لیے ایک کنیز خرید دے اور اس نے ساری داستان اول سے لے کر آخر تک کہہ سنائی۔ اصلان نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہ کنیز میری ماں یاسمین ہے اور علاؤالدین ابوالشامات ہی میرا باپ ہے۔ اب وہ غمگین ہو کر اس کے پاس سے روانہ ہوا۔ خدا کی قدرت راستے میں احمد دنف سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔ جونہی احمد دنف کی نظر اس پر پڑی وہ کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس کی کوئی شبیہ نہیں۔ حسن شومان نے پوچھا کہ تو' کس چیز پر تعجب کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس لڑکے اصلان کی صورت پر کیونکہ وہ علاؤالدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ ہے۔ ساتھ ہی احمد دنف نے پکارا کہ یااصلان! اور اصلان نے جواب دیا۔ اس نے پوچھا کہ تیری ماں کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اسے کنیز یاسمین کہتے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ اے اصلان خوش ہو کہ تیرا باپ سوائے علاؤالدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن بیٹا اپنی ماں کے پاس جا کر پوچھ کہ تیرا باپ کون ہے؟ وہ ماں کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ ماں نے کہا کہ تیرا باپ امیر خالد ہے۔ اس نے کہا کہ میرا باپ بجز علاؤ الدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا یہ سن کر اس کی ماں رونے لگی اور اس سے کہا کہ بیٹا یہ تجھ سے کس نے کہا؟ لڑکے نے کہا کہ سردار احمد دنف نے۔ اس پر ماں نے اسے سارا قصہ بیان کر دیا اور کہا کہ بیٹا سچ ظاہر ہو گیا اور باطل پوشیدہ ہو گیا۔ تیرا باپ واقعی علاؤالدین ابوالشامات ہے مگر تیری تربیت محض امیر

خالد کے ہاتھ سے ہوئی ہے اس نے تجھے اپنا بیٹا بنا کر رکھا ہے۔ بیٹا اگر تیری ملاقات احمد دنف سے ہو تو اس سے کہیو کہ اے سردار خدا کے واسطے میرے باپ علاؤالدین ابوالشامات کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ یہ سنتے ہی وہ اپنی ماں کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھیاسٹھ ویں رات

جب دو سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- اصلان اپنی ماں کے پاس سے روانہ ہو کر سردار احمد دنف کے پاس پہنچا' اس کے ہاتھ چومے۔ سردار نے پوچھا اصلان کیا خبر لایا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ میرا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کا بدلہ قاتل سے لے۔ اس نے دریافت کیا کہ تیرے باپ کا قاتل کون ہے؟ وہ بولا کہ احمد قماقم سراق۔ احمد دنف نے پوچھا کہ تجھ سے یہ کس نے کہا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے وہ ہیرے کی قندیل اس کے پاس دیکھی ہے جو خلیفہ کے سامان میں سے کھو گئی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ قندیل مجھے دے دے لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ اس کی بدولت کتنی جانیں گئی ہیں۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ اسی نے اندر جا کر چیزیں چرائی تھیں اور انہیں میرے باپ کے گھر میں چھپا دیا تھا۔

احمد دنف نے کہا کہ جب تو دیکھے امیر خالد جنگی لباس پہن رہا ہے تو اس سے کہیو کہ مجھے بھی اپنا لباس پہنا دے۔ پھر جب تو اس کے ساتھ نکل کر امیرالمومنین کے سامنے کوئی بہادری کا کرتب دکھائے گا خلیفہ تجھے کہے گا کہ اصلان مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہیو کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ وہ کہے گا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اور وہ والی امیر خالد ہے تو عرض کیجیو نہیں میرا باپ علاؤالدین ابوالشامات ہے اور والی خالد کا حق محض اتنا ہے کہ اس نے میری تربیت کی ہے۔ اس کے بعد تو خلیفہ کو وہ تمام باتیں سنا دیجیو جو تیرے اور احمد قماقم سراق کے درمیان پیش آئیں اور کہیو کہ اے امیرالمومنین تو اس کی تلاشی کا حکم دے دے' میں قندیل کو اس کی جیب سے نکال دوں گا۔ اصلان نے کہا کہ بسرو چشم۔

اب اصلان وہاں سے گھر آیا تو دیکھا کہ امیر خالد دربار میں جانے کی تیاری کر رہا ہے اور اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بھی جنگی وردی پہنا کر اپنے ساتھ

خلیفہ کے حضور میں لے چل۔ خالد اسے وردی پہنا کر دربار لے گیا اور خلیفہ لشکر کے ساتھ باہر نکلا۔ خیمے اور شامیانے لگائے گئے۔ لشکر صف بستہ کھڑا ہوا اور لوگ گیند اور بلا لے کر نکلے۔ ایک سوار گیند کو بلے سے مارتا اور دوسرا سوار اسے لوٹاتا۔ لشکر میں ایک جاسوس تھا۔ جس سے خلیفہ کے قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی۔ اس نے گیند لے کر بلے سے اس طرح ماری کہ وہ ٹھیک خلیفہ کے چہرے کی طرف چلی۔ اصلان نے گیند کو فوراً خلیفہ کی طرف سے روک لیا اور پھینکنے والے کی طرف اس زور سے ماری کے وہ اس کے دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ خلیفہ نے کہا کہ اصلان خدا تجھے برکت دے! اب لوگ گھوڑوں سے اتر کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے اس شخص کو طلب کیا جس نے گیند ماری تھی۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے پوچھا کہ تجھے کس نے اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا اور تو دشمن ہے یا دوست؟ اس نے کہا کہ میں دشمن ہوں اور تیرے مارنے کی فکر میں تھا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا سبب؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، میں رافضی ہوں۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اصلان سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اور وہ کیا کھڑا ہوا ہے۔ اصلان نے پوچھا کہ امیرالمومنین تو کسے میرا باپ سمجھتا ہے۔ خلیفہ بولا امیر خالد کو جو کہ والی ہے۔ لڑکے نے کہا اسے میری تربیت کی بنا پر میرا باپ کہہ سکتے ہیں لیکن میرا اصلی باپ تو علاؤالدین ابوالشامات ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ خائن تھا۔ اس نے جواب دیا امیرالمومنین کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ امین خائن ہو! آخر اس نے تیری کیا خیانت کی؟ خلیفہ نے فرمایا کہ اس نے میری پوشاک اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں تھیں، چرا لیں۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ناممکن ہے اے امیرالمومنین کہ میرے باپ نے خیانت کی

ہو۔ لیکن اے میرے آقا جب تیری پوشاک چوری کی گئی اور پھر مل گئی تو کیا قندیل بھی مل گئی؟ خلیفہ بولا وہ تو نہیں ملی۔ لڑکے نے کہا کہ میں نے اسے احمد قماقم کے پاس دیکھا ہے۔ میں نے اس سے وہ قندیل مانگی تھی اس نے نہیں دی اور مجھ سے کہا کہ اس کی بدولت کئی جائیں جا چکی ہیں۔ اس نے مجھ سے امیرا خالد کے بیٹے جنطلم بظاظہ کی بیماری کا حال بیان کیا کہ وہ کنیز یاسمین پر عاشق تھا اور یہ کہ وہ خود کس طرح قید سے چھٹا اور اس نے کس طرح پوشاک اور قندیل چرائی۔ اے امیرالمومنین میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔

خلیفہ نے احمد قماقم کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور لوگ اسے پکڑ لائے۔ خلیفہ نے کہا کہ سردار احمد دنف کہاں ہے؟ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ قماقم کا جھاڑا لے۔ اس نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہیرے کی قندیل نکال لی۔ خلیفہ نے کہا کہ اے خائن ادھر آ اور بتا کہ تجھے یہ قندیل کہاں سے ملی؟ وہ کہنے لگا کہ امیرالمومنین میں نے یہ خریدی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ کہاں سے خریدی ہے۔ اور کس کے پاس ایسی قندیل ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بیچے۔ اب اس پر مار پڑی اور اس نے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی پوشاک اور قندیل چرائی تھی۔ خلیفہ نے کہا کہ اے خائن تو نے ایسا کام کیوں کیا جس سے معتمد اور امین علاؤالدین ابوالشامات کی جان گئی۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے اور والی دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ والی نے عرض کیا امیرالمومنین میں مظلوم ہوں کیونکہ تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے پھانسی دے دوں اور اس چال کی مجھے خبر نہ تھی۔ یہ سازش بڑھیا اور احمد قماقم اور میری بیوی کی تھی جس کا مجھے بالکل علم نہ تھا۔ اصلان میں تیری پناہ میں ہوں۔ اصلان نے خلیفہ سے اس کی سفارش کی۔ اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا کہ اس جوان کی ماں کا کیا حال ہے؟ والی نے کہا کہ وہ میرے ہاں ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیوی سے کہہ کر اس کے کپڑے اور زیور اسے پہنا دے اور اس کا مال اور

کھانے پینے کی چیزیں اس کے بیٹے کے حوالے کر دے۔ حکم پاتے ہی والی اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہہ کر لڑکی کو اس کے کپڑے پہنا دیئے۔ علاؤالدین کے مکان کی مہر توڑ دی اور کنجیاں اصلان کے حوالے کر دیں۔

اس کے بعد خلیفہ نے کہا کہ اے اصلان مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے میرے باپ سے ملا دے۔ یہ سن کر خلیفہ رونے لگا اور اس نے کہا کہ وہ غالباً پھانسی پر مر گیا لیکن میں اپنے بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص مجھے یہ خبر دے کہ وہ زندہ ہے تو وہ جو کچھ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ اب احمد دنف آگے بڑھا۔ خلیفہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین میری جان بخشی ہو۔ اس نے کہا کہ تیری جان بخشی گئی۔ احمد دنف نے کہا کہ میں تجھے یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ معتمد و امین علاؤالدین ابوالشامات زندہ اور خوشحال ہے۔

خلیفہ نے کہا کہ تو کیا کہتا ہے! اس نے جواب دیا کہ تیرے سر کی قسم میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے اس کے بدلے ایک دوسرے شخص کو پھانسی دلوا دی تھی جو قتل کا مستحق ہو چکا تھا۔ علاؤالدین کو لے جا کر میں نے اسکندریہ میں کباڑ خانے کی دوکان کھلوا دی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اسے لے کر آ۔

اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو سڑسٹھ ویں رات

جب دو سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ نے احمد دنف سے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ جا کر اسے لے آ اور اسے دس ہزار

دینار عنایت کیے اور وہ اسکندریہ روانہ ہو گیا۔

اصلان کا قصہ تو یہ ہوا' اب اس کے باپ علاؤالدین ابوالشامات کی سنئے۔ اس نے اپنی دوکان کا قریب قریب سب مال بیچ ڈالا۔ ٹوٹی پھوٹی تھوڑی سی چیزیں اور ایک چمڑے کا تھیلا باقی رہ گیا۔ بیٹھے بیٹھے ایک دن جو خیال آیا تو تھیلا کھولا۔ اس میں ایک نگ نکلا جو ہتھیلی کے برابر تھا۔ سونے کی زنجیر میں بندھا ہوا۔ پانچ پہل کا اس پر اسما اور طلسم کندہ تھا۔ گویا چیونٹی کے چلنے کے نشان ہیں۔ اس نے ایک ایک کر کے پانچوں رخ رگڑے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ سوچا کہ شاید وہ سلیمانی پتھر کا نگ ہے اور اسے دوکان میں لٹکا دیا۔ اتنے میں ادھر سے ایک قنصل گزرا۔ وہ نگ کو لٹکتے ہوئے دیکھ کر دوکان پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا! کیا یہ نگ بکاؤ ہے؟ علاؤالدین بولا میرے پاس جتنی چیزیں ہیں سب بکاؤ ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تو' اسے میرے ہاتھ اسی ہزار دینار کو بیچے گا؟ علاؤالدین اس کی صورت دیکھنے لگا اور منہ سے صرف اتنا بولا کہ پھر خدا نے شروعات کر دی ہے۔ قنصل نے کہا کہ کیا تو' اسے ایک لاکھ دینار میں بیچے گا؟ علاؤالدین بولا ہاں میں ایک لاکھ دینار میں بیچتا ہوں۔ لا مجھے دینار دے۔ قنصل نے کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ میں اتنے دام اپنے ساتھ لیے پھروں کیونکہ اسکندریہ میں چور بھی ہیں اور کوتوال بھی۔ تو میرے ساتھ میرے جہاز پر چل میں تجھے اس کی قیمت دوں گا۔ دیناروں کے علاوہ ایک گانٹھ انگورہ کے اونی کپڑوں کی' ایک اطلس' ایک مخمل کی اور ایک بقچہ لبادوں کا بھی۔ علاؤالدین نے وہ نگ اس کے حوالے کیا اور دوکان میں قفل ڈالا اور کنجیاں اپنے پڑوسی کو دے کر کہا کہ یہ کنجیاں اپنے پاس بطور امانت

رکھ۔ میں اس قنصل کے ساتھ جہاز تک جا کر اپنے نگ کے دام لے آؤں۔ اگر میرے آنے میں دیر ہو اور احمد دنف یہاں آ جائے جس نے مجھے اس دوکان پر رکھا ہے تو اسے کنجیاں دے دیجیو اور کہہ دیجیو کہ میں کہاں گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ قنصل کے ساتھ جہاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاز میں پہنچ کر قنصل نے اس کے لیے ایک کرسی بچھوائی اسے بٹھایا اور دیناروں کی تھیلیاں نکلوائیں۔ دینار گنے جا چکے اور حسب وعدہ پانچوں گانٹھیں بھی آ گئیں تو اس نے کہا کہ اے میرے آقا ایک لقمہ کھا کر اور ایک گھونٹ پی کر مجھے عزت بخش۔ علاؤالدین نے کہا کہ اگر تیرے پاس پانی ہو تو مجھے پلا دے۔ قنصل نے شربت منگوائے۔ شربت جو آئے تو ان میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ پیتے ہی علاؤالدین چت ہو گیا۔ فوراً کرسیاں ہٹا لی گئیں۔ چپو پانی میں ڈال اور بادبان کھول دیئے۔ ہوا موافق تھی اس لیے جہاز جلد سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا۔ اب کپتان نے حکم دیا کہ علاؤالدین کو کوٹھڑی کے اندر سے نکالا جائے۔ لوگوں نے اسے نکال کر بھنگ کا توڑ سونگھایا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کہ میں کہاں ہوں؟ قنصل نے کہا کہ میرے پاس بطور امانت کے۔ اگر تو دوبارہ کہتا کہ خدا نے شروعات کر دی ہے تو میں اور زیادہ قیمت بڑھا دیتا۔ علاؤالدین نے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کپتان ہوں اور چاہتا ہوں کہ تجھے اپنی محبوبہ کے پاس لے چلوں۔

یہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ انہیں ایک کشتی دکھائی دی جس میں چالیس مسلمان تاجر تھے۔ کپتان نے اپنا جہاز ان کے پیچھے ڈال دیا اور کانٹے پھینک کر ان کی کشتی کو پھانس لیا۔ کپتان اور اس کے ساتھی اس میں اتر گئے اور انہیں لوٹا اور گرفتار کر کے جنوا کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ کپتان جس کے ساتھ علاؤالدین تھا' ایک محل کے چور دروازے پر پہنچے۔ وہاں ایک لڑکی نقاب ڈالے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ کیا تو وہ نگ اور اس کے مالک کو لے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں دونوں کو لے آیا ہوں۔ لڑکی نے کہا نگ لا۔ کپتان اسے نگ دے کر بندرگاہ کی طرف گیا اور سلامتی

کی توپیں داغیں۔ بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ کپتان آ گیا ہے۔ وہ اس سے ملنے نکلا اور پوچھا کہ سفر کیسا گزرا؟

اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا اور میرے ہاتھ ایک کشتی لگی جس میں اکتالیس مسلمان تاجر تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ انہیں بندرگاہ میں اتار اور اس نے انہیں بیڑیاں ڈال کے اتار دیا۔ ان میں علاؤالدین بھی تھا۔ پھر بادشاہ اور کپتان سوار ہوئے اور قیدیوں کو اپنے آگے آگے چلایا۔ یہاں تک کہ وہ دربار میں پہنچ گئے۔ وہاں بیٹھ کر قیدیوں کو پیش کرنے کا حکم ہوا۔ ایک قیدی پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اے مسلمان تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے جلاد اسے قتل کر دے۔ جلاد نے تلوار کا ہاتھ مار کر اس کی گردن اڑا دی۔ پھر دوسرے کا یہی حشر اور پھر تیسرے کا۔ یہاں تک کہ چالیس قتل ہو چکے۔ علاؤالدین آخری تھا۔ اس نے سب کو قتل ہوتے دیکھا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ رحمت ہو اللہ کی تجھ پر اے علاؤالدین اب تیری زندگی ختم ہو چکی۔ بادشاہ نے اس سے بھی پوچھا کہ تو کس ملک سے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے جلاد اس کی بھی گردن اڑا دے۔ جلاد نے تلوار اٹھائی اور چاہتا ہی تھا کہ علاؤالدین کی گردن اڑا دے کہ اتنے میں ایک باوقار بڑھیا بادشاہ کے پاس پہنچی اور وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ بڑھیا نے کہا کہ میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ جب کپتان قیدی لے کر آئے تو ایک یا دو قیدی وزیر کے حوالے کیجیو تاکہ وہ گرجا میں خدمت کریں؟ بادشاہ نے کہا کہ والدہ کاش تو ذرا پہلے آ گئی ہوتی! اب ایک قیدی باقی رہ گیا ہے اسے لے جا۔ بڑھیا نے علاؤالدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو گرجا کی خدمت کرنا چاہتا ہے یا میں بادشاہ کو گردن اڑا دینے دوں؟ اس نے جواب دیا کہ میں گرجا کی خدمت کروں گا۔

اب بڑھیا علاؤالدین کو لے کر دربار سے چل دی اور دیر میں پہنچی۔ علاؤالدین نے اس سے پوچھا کہ میں کون سے خدمت انجام دوں گا؟ بڑھیا نے کہا کہ جب تو صبح کو

اٹھے تو پانچ خچروں کو لے کر جنگل میں جائیو وہاں سے سوکھی لکڑیاں توڑ کر اور ان کو چھوٹی چھوٹی کر کے دیر کے باورچی خانے میں پہنچائیو۔ اس کے بعد تو فرش کو اٹھا کر پتھر اور مرمر کو جھاڑیو پونچھیو اور پھر فرش کو پہلے کی طرح بچھا دیجیو۔ ان کاموں سے فارغ ہو جائے تو دو من گیہوں لے کر انہیں صاف کیجیو' پیسیو اور گوندھیو اور دیر کے لیے بسکٹ بنائیو پھر تیس سیر مسور لے کر اسے چنیو' کوٹیو اور پکائیو۔ یہ بھی کر چکے تو چاروں حوضوں میں پانی بھریو اور ڈولوں میں پانی لے جا کر تین سو چھیاسٹھ پیالے بھریو۔ ان میں بسکٹوں کو چورا کر کے ڈال دیجیو اوپر سے مسور کی دال بھر دیجیو اور ہر راہب اور پادری کو اس کا پیالہ دے آئیو۔ علاؤالدین نے کہا کہ مجھے بادشاہ کو واپس دے آ کہ وہ مجھے قتل کر دے اس لیے کہ موت اس خدمت سے زیادہ آسان ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر تو اچھی طرح وہ خدمت کرے گا جو تیرے سپرد کی گئی ہے تو میں تجھے قتل نہ ہونے دوں گی اور اگر کوتاہی کرے گا تو میں بادشاہ سے کہوں گی کہ وہ تجھے قتل کر دے۔ اس پر علاؤالدین غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ دیر کے اندر دس اندھے لولے لنگڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مجھے پاخانہ پھرنے کا پاٹ لا دے۔ جب وہ اسے لایا تو اندھے نے اس میں پاخانہ پھرا اور کہا کہ جا کر پاخانہ پھینک آ۔ جب وہ پھینک آیا۔ اندھے نے کہا کہ اے دیر کے خادمو' مسیح تمہیں برکت دے' اتنے میں بڑھیا آ پہنچی اور اس نے کہا کہ تو نے دیر کی خدمت کیوں انجام نہیں دی؟ علاؤالدین نے کہا کہ آخر میرے کتنے ہاتھ ہیں کہ میں یہ تمام خدمتیں انجام دوں! بڑھیا نے کہا کہ اے پاگل میں تو تجھے محض خدمت کے لیے لائی ہوں۔ اس کے بعد بڑھیا نے اسے ایک پیتل کی چھڑی دی جس کے سرے پر صلیب تھی اور اس نے کہا کہ بیٹا اسے لے کر سڑک پر جا اور جب تو شہر کے والی کو دیکھیو تو کہیو کہ میں پروردگار مسیح کے نام پر تجھے دیر کی خدمت کے لیے بلاتا ہوں۔ وہ تیری مخالفت ہرگز نہ کرے گا اور اس سے کہیو کہ گیہوں کو صاف کرے اور پیسے اور چھانے اور گوندھ کر بسکٹ بنائے۔ جو کوئی تیرا کہنا نہ مانے اسے اس ڈنڈے سے ماریو اور کسی سے مت

ڈریو۔ چنانچہ وہ اس کے کہنے کے موافق کرتا رہا۔ سترہ سال تک ہر چھوٹے بڑے سے اس نے کام لیا۔
اس دن وہ دیر میں بیٹھا ہوا تھا۔ بڑھیا اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ دیر کے باہر جا۔ اس نے پوچھا کہ کہاں جاؤں؟ بڑھیا نے کہا کہ آج رات ہوٹل میں یا کسی اپنے دوست کے ساتھ گزار۔ اس نے پوچھا کہ آخر تو مجھے دیر سے کیوں نکال رہی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس ملک کے حکمران یوحنا کی بیٹی حسن مریم دیر کی زیارت کے لیے آئے گی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے راستے میں کوئی غیر ہو۔ علاؤالدین اس کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہو گیا اور بڑھیا پر یہ ظاہر کیا کہ وہ دیر کے باہر جا رہا ہے مگر اپنے دل میں کہنے لگا کہ دیکھنا تو چاہیے کہ بادشاہ کی بیٹی ہماری ہی عورتوں کی طرح ہے یا ان سے زیادہ خوبصورت۔ میں جب تک اسے دیکھ نہ لوں' یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ یہ ٹھان کر وہ ایک کمرے میں چھپ گیا جس کی کھڑکی دیر کی طرف تھی۔ وہ دیر کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ شہزادی آ پہنچی۔ علاؤالدین کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کے ہوش سے اڑنے لگے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل کے نیچے سے چاند نکل آیا۔ یہی نہیں کہ وہ شہزادی کو دیکھ کر بھونچکا ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی تھی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو اڑسٹھ ویں رات

دو سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب علاؤالدین کی نظر شہزادی پر پڑی تو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی ہے اور شہزادی اس سے کہہ رہی ہے کہ زبیدہ تیری وجہ سے میرا دل بہت بہلتا ہے۔ علاؤالدین نے اس لڑکی کی طرف غور کیا تو وہ اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تھی جس کو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ پھر شہزادی نے زبیدہ سے کہا کہ ذرا ایک راگ تو سنا دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک تجھے کوئی راگ نہ سناؤں گی جب تک تو میرا مقصد پورا نہ کر دے اور جو کچھ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے' اسے وفا نہ کرے۔ شہزادی نے پوچھا کہ میں نے تجھ سے کیا وعدہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے میرے شوہر علاؤالدین ابوالشامات سے ملا دے گی۔ شہزادی بولی خوش ہو اور اپنے شوہر علاؤالدین کے ملنے کی خوشی میں راگ کی مٹھائی کھلا۔ اس نے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ شہزادی نے جواب دیا اس کمرے میں وہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ سن کر زبیدہ نے ایک ایسا راگ بجایا کہ در و دیوار رقص کرنے لگے۔

علاؤالدین بے چین ہو گیا اور کمرے سے نکل کر ان دونوں کی طرف دوڑا اور اپنی بیوی زبیدہ عودیہ سے لپٹ گیا۔ زبیدہ نے بھی اسے پہچان لیا۔ دونوں گلے ملے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ حسن مریم نے آگے بڑھ کر دونوں پر گلاب کا عرق چھڑکا اور انہیں ہوش میں لا کر کہا کہ خدا نے تم دونوں کو ملا دیا ہے۔ علاؤالدین نے کہا کہ اے میری آقا یہ تیری محبت کی وجہ سے ہوا۔ اب علاؤالدین نے اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے زبیدہ تو' تو مر چکی تھی اور ہم تجھے دفن کر چکے تھے۔ یہ کیا معاملہ ہے تو کس طرح زندہ ہو کر یہاں آ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا میں مری نہ تھی بلکہ ایک جن مجھے چرا کر یہاں لے آیا تھا اور جسے

تم نے دفن کیا تھا وہ ایک پری تھی جو میری صورت اختیار کر کے مردہ بن گئی تھی۔
جب لوگ اسے دفن کر چکے تو وہ قبر توڑ کر نکل گئی اور اپنی مالکہ حسن مریم بادشاہ زادی کے پاس چلی آئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں شہزادی حسن مریم کے پاس ہوں اور وہ یہ ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو مجھے یہاں کیوں لائی ہے۔ اس نے کہا کہ میری قسمت میں تیرے شوہر علاؤ الدین ابوالشامات کے ساتھ شادی کرنا لکھا ہے۔ اے زبیدہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ میں تیری سوکن بن کر رہوں اور ایک رات میری ہو اور ایک تیری؟ میں نے اس بات کو مان کر کہا لیکن میرا شوہر ہے کہاں؟ شہزادی بولی اس کی تقدیر اس کے ماتھے پر لکھی ہے اور چونکہ قسمت کا لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے اس لیے اس کا یہاں آنا ضروری ہے۔ پھر شہزادی کہنے لگی کہ جس وقت تک اللہ ہمیں اس سے ملائے' ہم اس کی جدائی میں گانے بجانے اسے اپنے آپ کو تسکین دیں گے۔ اس لیے میں اتنی مدت تک اس کے پاس ٹھہری رہی۔ آخر کار اس دیر میں خدا نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔
اب حسن مریم نے علاؤالدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے آقا کیا تجھے منظور ہے کہ میں تیری بیوی بنوں اور تو میرا شوہر؟ اس نے جواب دیا کہ میری آقا میں مسلمان ہوں اور تو عیسائی۔ میں تیرے ساتھ کس طرح شادی کر سکتا ہوں! وہ بولی کہ خدا نہ کرے کہ میں کافر ہوں۔ میں تو مسلمان ہوں۔ اٹھارہ سال ہوئے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام کے سوا اور کسی دین کی میں قائل نہیں۔ علاؤالدین نے کہا کہ اے میری آقا میری خواہش ہے کہ میں اپنے وطن جاؤں۔ شہزادی نے کہا کہ میں تیرے ماتھے پر چند باتیں لکھی ہوئی دیکھ رہی ہوں۔ پہلے ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ قبل اس کے کہ یہ تیری خواہش پوری ہو اور مبارک ہو علاؤالدین کہ تیرا ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام اصلان ہے اور اس وقت خلیفہ کے دربار میں تیرے مرتبے پر بیٹھا ہے۔ وہ اٹھارہ سال کا ہو چکا ہے اور یہ بھی سن کہ سچائی ظاہر ہو گئی ہے اور جھوٹ کا پردہ فاش ہو گیا ہے اور ہمارے پروردگار نے اس شخص کی پردہ دری

کر دی ہے جس نے سلطان کی چیزیں چرائی تھیں۔ وہ چور اور خائن احمد قماقم ہے اور وہ اس وقت قید خانے میں بیڑیوں سے جکڑا پڑا ہے اور یہ بھی سن لے کہ وہ نگ میں نے تیرے پاس بھیج کر اس تھیلے میں ڈلوا دیا تھا جو دوکان میں تھا اور میں نے کپتان کو تیرے پاس بھیجا تھا جو تجھے اور نگ کو لے آیا ہے اور یہ بھی سن کہ کپتان میرا عاشق ہے اور میرے وصال کا خواہش مند ہے۔ مگر میں نے اسے ہاتھ نہیں لگانے دیا بلکہ اس سے کہا کہ میں اس وقت تک تجھے ہاتھ نہ لگانے دوں گی جب تک کہ تو اس نگ اور اس کے مالک کو نہ لے آئے اور میں نے اسے سو تھیلیاں دیناروں کی دیں اور اسے تاجر کے بھیس میں بھیجا حالانکہ وہ کپتان ہے اور جب چالیس قیدیوں کے قتل ہونے کے بعد تو قتل کے لیے پیش کیا گیا تو میں نے ہی اس بڑھیا کو تیرے پاس بھیجا تھا۔ علاؤالدین نے کہا کہ تیری ساری نیکیوں اور بھلائیوں کا بدلہ خدا اچھا دے!

اس کے بعد حسن مریم نے علاؤالدین کے ہاتھ پر اپنا اسلام تازہ کیا اور اس کو شہزادی کی راست گوئی کا یقین آ گیا تو اس نے پوچھا کہ اس نگ میں کیا کرامتیں ہیں اور یہ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ نگ ایک جادو کے ذخیرے میں سے ملا ہے اور اس میں پانچ کرامتیں ہیں جن سے ہم ضرورت کے وقت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میری دادی، میرے باپ کی ماں، جادوگرنی تھی جو غیب کی باتیں بتاتی اور پوشیدہ خزانوں کا پتہ لگا لیتی تھی۔ یہ نگ اس کے ہاتھ لگا تھا۔ جب میں چودہ سال کی تھی تو میں نے انجیل اور دوسری الہامی کتابیں پڑھیں اور چاروں کتابوں توریت، انجیل، زبور اور قرآن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیکھا تو میں محمد پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ خدا کے سوا دوسرے کی پرستش ناواجب ہے اور یہ کہ پروردگار اسلام کے سوا اور کسی مذہب سے خوش نہیں۔ جب میری دادی عمر کے آخری مرحلے پر پہنچی تو اس نے یہ نگ مجھے دے دیا اور اس کی پانچوں کرامتیں مجھے سکھا دیں۔ میری دادی کے مرنے سے پہلے میرے باپ نے کہا کہ رمل کا زائچہ بنا اور بتایا کہ

میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو ایک قیدی کے ہاتھ سے قتل ہو گا جو اسکندریہ سے آئے گا۔ اس پر میرے باپ نے قسم کھائی کہ میں وہاں کے تمام قیدیوں کو قتل کر دوں گا۔ یہی اس نے کپتان سے بیان کیا اور کہا کہ تو مسلمانوں کے جہازوں پر ضرور حملہ کیجیو اور انہیں گرفتار کیجیو اور جو کوئی اسکندریہ کا ہو' اسے قتل کر دیجیو یا میرے پاس لے آئیو۔ کپتان نے اس کی تعمیل کی اور اتنے لوگ قتل کر چکا ہے جتنے اس کے سر پر بال ہیں۔ اس کے بعد میری دادی کا انتقال ہو گیا۔ میں نے رمل کے ذریعے سے دریافت کیا کہ میں کس کے ساتھ شادی کروں گی؟ جواب یہ آیا کہ میں ایک ایسے شخص سے شادی کروں گی جس کا نام معتمد اور امین علاؤالدین ابوالشامات ہو گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں برابر انتظار کرتی رہی یہاں تک کہ زمانے نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔

غرض کہ علاؤالدین نے اس کے ساتھ شادی کر لی اور اس سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں وطن جاؤں۔ شہزادی بولی اگر یہی تیرا حکم ہے تو اٹھ اور میرے ساتھ چل۔

اس نے اسے لے جا کر ایک کمرے میں چھپا دیا جو محل کے اندر تھا اور خود اپنے باپ کے پاس گئی۔ باپ نے کہا کہ بیٹی آج مجھے بڑی گھبراہٹ ہے بیٹھ جا کہ ہم دونوں شراب پییں۔ شہزادی بیٹھ گئی اور اس نے مے نوشی کا سامان منگوایا اور جام بھر بھر کر باپ کو پلانے لگی حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہونے لگا۔ پھر اس نے ایک جام میں بھنگ ملا دی۔ وہ پیتے ہی غافل ہو کر گر پڑا۔ اب اس نے کمرے میں جا کر علاؤالدین کو نکالا اور کہنے لگی کہ اٹھ اور چل تیرا دشمن نشے میں مغلوب ہو چکا ہے۔

علاؤالدین بادشاہ کے پاس گیا تو اسے نشے میں چور پایا۔ اس کی مشکیں خوب زور سے کس دیں اور بیڑیاں ڈال کر بھنگ کا توڑ پلایا۔ اسے ہوش آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## دو سو انتروین رات

جب دو سو انترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ علاؤالدین نے حسن مریم کے باپ بادشاہ کو بھنگ کا توڑ دیا اور اسے ہوش آ گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی اور علاؤالدین اس کے سینے پر سوار ہیں۔ کہنے لگا کہ بیٹی تو' اور میرے ساتھ یہ حرکت! اس نے جواب دیا کہ اگر مجھے اپنی بیٹی سمجھتا ہے تو مسلمان ہو جا۔ میں مسلمان ہوں۔ حق ظاہر ہو چکا ہے' میں نے پیروی کی ہے اور باطل سے کنارہ کشی۔ میں اس خدا کی فرمانبردار ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور میں دنیا اور آخرت کے بارے میں اسلام کے سوا تمام مذہبوں سے بیزار ہوں۔ اگر تو بھی اسلام قبول کر لے تو تیری جگہ میرے سر آنکھوں پر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا کیونکہ تیرے زندہ رہنے سے تیرا مر جانا بہتر ہے۔

اس کے بعد علاؤالدین نے بھی اسے بہت سمجھایا لیکن وہ انکار کرتا رہا اور اپنی ضد پر اڑا رہا اس لیے علاؤالدین نے اپنا خنجر کھینچ کر اس کی گردن الگ کر دی اور سارے واقعات ایک کاغذ پر لکھ کر کاغذ اس کے ماتھے پر رکھ دیا اور جو چیزیں ہلکی اور قیمتی تھیں' انہیں لے کر دونوں محل سے نکلے اور دیر میں آ کر نگ نکالا اور اپنا ہاتھ اس طرف جدھر تخت بنا ہوا تھا' رگڑا۔ فوراً ایک تخت آ موجود ہوا۔ شہزادی' علاؤ الدین اور اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تینوں اس تخت پر بیٹھ گئے۔ شہزادی نے کہا کہ اے تخت! میں تجھے ان اسما' طلسمات اور جادو کا واسطہ دیتی ہوں جو اس نگ پر کندہ ہیں کہ تو' ہمیں لے کر اڑ۔ تخت انہیں لے کر بلند ہوا اور اڑ کر ایک وادی میں پہنچا جہاں بالکل سبزہ نہ تھا۔ اب اس نے نگ کے باقی چار رخ اوپر کی طرف کیے اور تخت والا رخ نیچے کی طرف وہ زمین پر اتر آیا۔ پھر شہزادی نے نگ کا وہ رخ پھیرا جس پر شامیانے بنے ہوئے تھے اور اس پر ہاتھ مار کر کہا کہ اس وادی میں شامیانہ لگ جائے فوراً شامیانہ

لگ گیا اور اس کے اندر جا بیٹھے۔ یہ وادی بنجر تھی۔ نہ اس میں سبزہ تھا' نہ پانی۔ شہزادی نے پھر چار رخ اوپر کر کے کہا کہ خدا کے ناموں کی بدولت اس جگہ درخت اگ آئیں اور ایک دریا بہنے لگے۔ پلک جھپکتے درخت اگ آئے اور صاف شفاف پانی کا دریا لہریں مارنے لگا۔ انہوں نے اس میں وضو کیا اور نماز پڑھی اور پانی پیا۔ اب اس نے باقی تین رخوں کو الٹ پلٹ کر اوپر کی طرف کیا جس پر دسترخوان بنا ہوا تھا اور کہنے لگی کہ خدا کے ناموں کی برکت سے دسترخوان بچھ جائے معاً دسترخوان بچھ گیا جس پر بہتر سے بہتر کھانے چنے ہوئے تھے' انہوں نے کھایا پیا۔ مزے لیے اور خوش ہوئے۔

ادھر تو یہ جنگل میں منگل منا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا کہ بادشاہ کا بیٹا جب اپنے باپ کو جگانے گیا تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے اور اس نے وہ کاغذ پڑھا جو علاؤالدین نے لکھا تھا۔ بہت گھبرایا۔ اس نے اپنی بہن کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔ دیر میں بھاگا ہوا بڑھیا کے پاس گیا اور اس سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے کل سے اسے نہیں دیکھا۔ اب وہ اپنے لشکر میں پہنچا' لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر کے کہا کہ سوار ہو جاؤ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ جہاں علاؤالدین اور شہزادی شامیانے تانے بیٹھے تھے' اسی طرف ان کا رخ تھا۔ یکایک حسن مریم کو سامنے غبار سا اٹھتا ہوا نظر آیا۔ گرد کا پردہ چاک ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی لشکر لیے چلا آ رہا ہے اور سوار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے! ہم تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے علاؤالدین سے کہا کہ جنگ میں تیرے پاؤں کس طرح جمتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جیسے بھوسی میں کیلی۔ مجھے نہ لڑنا آتا ہے نہ مرنا مارنا۔ میں نہ شمشیر زنی جانتا ہوں اور نہ نیزہ بازی۔ لڑکی نے نگ نکال کر وہ رخ رگڑا جس پر گھوڑا اور سوار بنا ہوا تھا۔ رگڑنے کی دیر تھی کہ جنگل سے ایک سوار نکلا اور ان کے ساتھ لڑنے اور تلوار چلانے لگا یہاں تک کہ وہ ہار کر بھاگ گئے۔

اب شہزادی نے علاؤالدین سے پوچھا کہ تو اسکندریہ جانا چاہتا ہے یا قاہرہ۔ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ اور سب تخت پر سوار ہو گئے۔ لڑکی نے کوئی منتر پڑھا اور تخت

نے اڑ کر اسکندریہ کی شہر پناہ کے باہر اتار دیا۔ علاؤالدین ان کو ایک غار میں بٹھا کر شہر میں داخل ہوا اور وہاں سے کپڑے لا کر انہیں پہنائے۔ پھر انہیں ساتھ لے کر اپنی دوکان میں پہنچا جس کی پشت پر کوٹھڑی تھی۔ اس کے بعد وہ ان کے لیے شام کا کھانا لینے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے سردار احمد دنف مل گیا جو بغداد سے آیا تھا۔ یہ ملاقات عین سڑک پر ہوئی وہ اس کے گلے سے لپٹ گیا اور سلام کیا اور مرحبا کہا۔

سردار احمد دنف نے اسے بیٹے کی مبارک باد دی اور کہا کہ اب اس کی عمر بیس سال ہے۔ علاؤالدین نے اس سے شروع سے آخر تک اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور اسے اپنی دوکان پر لا کر کوٹھڑی میں لے گیا۔ احمد دنف کو سخت تعجب تھا کہ اس تھوڑی سی مدت میں کیا کیا واقعات گزر گئے۔

رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو علاؤالدین نے دوکان پر پہنچ کر اس کے دام بھی اس پونجی کے ساتھ رکھ لیے جو اس کے پاس تھی۔ اس کے بعد احمد دنف نے علاؤالدین سے کہا کہ خلیفہ نے تجھے بلایا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں پہلے قاہرہ جا کر اپنے والدین اور خاندان کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب تخت پر سوار ہو کر قاہرہ کے مبارک شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو چار دفعہ آنکھ جھپکی تھی کہ درب اصغر میں جا کر اترے۔ اسی محلے میں اس کا گھر تھا۔ علاؤالدین نے اپنے مکان پر دستک دی۔ اس کی ماں نے پوچھا کون ہے؟ میرے پیارے تو گم ہو گئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں علاؤالدین ہوں پھر تو سب کے سب باہر آ کر اس سے بغل گیر ہونے لگے۔ بعد ازاں وہ اپنی بیویوں اور سارے سامان کو اندر لے گیا۔ احمد دنف اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ تین دن تک انہوں نے آرام کیا' چوتھے روز علاؤالدین نے بغداد جانے کی اجازت مانگی مگر اس کے باپ نے کہا کہ بیٹا اب میرے پاس ٹھہر۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنے بیٹے اصلان کی جدائی کی تاب نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ماں باپ کو بھی ساتھ لیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچ کر احمد دنف خلیفہ کے پاس گیا اور اسے علاؤالدین کے آنے کی خوشخبری دی

ور اس کا سارا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ اس کے بیٹے اصلان کو لے کر اس سے ملنے آیا اور سب کو گلے لگایا۔ اب خلیفہ نے احمد قماقم کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور وہ پا بہ

زنجیر سامنے لایا گیا۔ خلیفہ نے علاؤالدین سے کہا کہ لے یہ تیرا دشمن تیرے سامنے ہے۔ علاؤالدین نے تلوار کھینچ کر ایسا ہاتھ لگایا کہ احمد قماقم کی گردن اڑ گئی۔ اس کے بعد خلیفہ نے علاؤالدین کی خوشی میں جشن کیا اور قاضیوں اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح نامہ حسن مریم کے ساتھ لکھوا دیا۔ جب وہ اس سے ہم بستر ہوا تو دیکھا کہ وہ ناسفتہ موتی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس کے بیٹے اصلان کو ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا اور ان سب کو خلعت عطا کیے اور نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور محبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ حاتم طائی کی کہانی

بڑے آدمیوں کی کہانیاں بہت ہیں۔ منجملہ ان کے حاتم طائی کی سخاوت کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے ایک پہاڑ پر دفن کیا اور قبر کے سرہانے دو پتھروں کو تراش کر دو حوضیاں بنائیں اور پتھر ہی کی دو لڑکیاں بنائیں جن کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اس پہاڑ کے نیچے ایک ندی بہتی تھی۔ جب مسافر وہاں اترتے تو انہیں رات کے وقت عشاء سے لے کر صبح تک رونے کی آوازیں سنائی دیتیں اور صبح ہوتی تو انہیں ان دو پتھر کی مورتیوں کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار یمن کے بادشاہ ذوالکراع اپنے قبیلے سے روانہ ہو کر اس وادی میں اترا اور اس نے رات وہیں گزاری۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو سترویں رات

دو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ذوالکراع اس وادی میں اترا اور رات کو وہیں ٹھہر گیا۔ وہ جگہ قبر کے قریب تھی اسے رونے

کی آواز سنائی دی تو اس نے پوچھا کہ پہاڑ کے اوپر یہ واویلا کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہاں حاتم طائی کی قبر ہے۔ پتھر میں کھدی ہوئی دو حوضیاں اور دو لڑکیوں کے پتلے ہیں جن کے بال کھلے ہوئے ہیں۔ جو لوگ یہاں اترتے ہیں' انھیں رات کے وقت رونے پیٹنے کی یہی آواز سنائی دیتی ہے۔ ذوالکراع نے حاتم طائی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اے حاتم ہم آج رات تیرے مہمان ہیں۔ اس کے بعد اسے نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ ڈر کر جاگ پڑا اور کہنے لگا کہ اے عربو دوڑو۔ میری سواری کے اونٹ کی خبر لو۔ لوگ جو اس کے پاس آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ اونٹ پڑا تڑپ رہا ہے۔ انھوں نے اسے ذبح کر کے پکایا اور کھایا۔ کھا پی کر بادشاہ سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا کہ جب مجھے نیند آ گئی تو میں نے حاتم طائی کو دیکھا' وہ کہتا ہے کہ تو ہمارے ہاں مہمان بن کر آیا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اونٹ پر تلوار ماری۔ اگر تم فوراً پہنچ کر ذبح نہ کر دیتے تو وہ مردار ہو جاتا' صبح ہوئی تو ذوالکراع نے اپنے ایک ساتھی کے اونٹ پر بیٹھ کر اسے پیچھے بٹھا لیا۔ چلتے چلتے دوپہر آ گئی تو انھیں ایک ناقہ سوار دکھائی دیا جو اپنے ساتھ ایک کوتل اونٹنی لیے آ رہا تھا۔

اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں اور یمن کا سردار ذوالکراع کہاں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ یہ ہے۔ عدی بولا اس اونٹنی پر سوار ہو۔ یہ تیری اونٹنی کے بدلے میں ہے کیونکہ تیری اونٹنی کو میرے باپ نے تیرے لیے ذبح کر دیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا؟ اس

نے جواب دیا کہ آج رات جبکہ میں سو رہا تھا' میں نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اے عدی یمن کا بادشاہ ذوالکراع میرا مہمان تھا اور میرے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ اس کی مہمان داری کرتا اس لیے میں نے اس کی اونٹنی ذبح کر ڈالی تو اسے دوسری اونٹنی دے آ تاکہ وہ اس پر سوار ہو۔ ذوالکراع نے وہ اونٹنی لے لی اور حیران ہو گیا کہ حاتم طائی کی سخاوت زندگی میں اور موت کے بعد یکساں ہے۔

○ معن بن زائدہ کی کہانی

خدا کے اچھے بندوں کی کہانیوں میں سے معن بن زائدہ کی بھی ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ وہ ایک دن سیر و شکار کے لیے گیا ہوا تھا۔ اسے پیاس لگی مگر اس کے غلاموں کے پاس بالکل پانی نہ نکلا۔ اتنے میں تین لڑکیاں تین مشکیں پانی کی لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو اکہترویں رات

جو دو سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکیاں تین مشکیں لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔ اس نے ان سے پانی مانگا۔ انہوں نے اسے پانی پلایا۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ انہیں کچھ دے دو لیکن ان کے پاس سے کچھ نہ نکلا۔ اس لیے اس نے ہر لڑکی کو اپنے ترکش میں سے دس دس تیر نکال کر دے دیئے جن کی سوفاء سونے کے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک لڑکی نے اپنی ہمجولی سے کہا کہ ایسی باتیں کرنے والا تو سوائے معن بن زائدہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ایک بار کا اور واقعہ یہ ہے کہ معن بن زائدہ اپنے آدمیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلا۔ سامنے ہرنوں کا ایک گلہ دکھائی دیا۔ ہر ایک ان میں سے ایک ایک ہرن کے پیچھے لگ گیا۔ معن نے بھی تنہا ایک ہرن کا پیچھا کیا۔ جب وہ ہرن اس کے ہاتھ لگا تو اس نے اتر کر اسے ذبح کیا۔ اتنے میں اس کی نظر پڑی کہ جنگل کی طرف سے ایک شخص گدھے پر سوار چلا آتا ہے۔ معن گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ تو کہاں سے آتا ہے؟ اس نے کہا کہ بنو قضاء کی سر زمین سے۔ کئی سال سے وہاں قحط سالی تھی۔ امسال بارش ہوئی ہے اور میں نے بیج بوئے ہیں لیکن بے وقت بوئے ہیں۔ ان میں سے اچھے کھیرے لے کر میں امیر معن بن زائدہ کے پاس جا رہا ہوں‘ کیونکہ اس کی سخاوت اور کشادہ دلی مشہور ہے۔ معن نے کہا کہ تجھے کیا ملنے کی امید ہے؟ وہ بولا ایک ہزار دینار۔ معن کہنے لگا کہ اگر وہ کہے کہ یہ زیادہ ہے اس نے کہا کہ پانچ سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے‘ اس نے جواب دیا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ بتائے۔ اس نے جواب دیا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی اس کے خیال میں زیادہ ہوں‘ اس نے کہا تو پھر سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے۔ اس نے

جواب دیا کہ پچاس دینار؟ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی زیادہ ہوں' اس نے جواب دیا کہ پھر تیس دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ کہے کہ زیادہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ تو پھر میں اپنے گدھے کی ٹانگیں اس کی جورو کے اندر گھسیڑ کر خالی ہاتھ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤں گا۔ اس پر معن ہنس پڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنی فوج کے پاس پہنچا اور اپنے شامیانے میں چلا گیا اور اپنے حاجب سے کہا کہ ایک شخص گدھے پر سوار کھیرے لے کر آئے گا' اسے میرے پاس لے آئیو۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی پہنچ گیا اور حاجب نے اس کے لیے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب وہ امیر معن کے سامنے آیا تو اس نے یہ نہ پہچانا کہ یہ وہی شخص ہے جو اسے جنگل میں ملا تھا کیونکہ اس پر جلال اور دبدبہ تھا اور بے شمار نوکر چاکر تھے اور وہ امارت کی کرسی پر جلوہ افروز تھا۔ بڑے بڑے سردار اس کے دائیں بائیں اور آگے کھڑے ہوئے تھے۔ بدو نے اسے سلام کیا تو اس نے پوچھا کہ اے عرب کیسے تیرا آنا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ امیر سے ملنا چاہتا ہوں' میں اس کے لیے بے فصلی کھیرے لایا ہوں۔ معن نے سوال کیا تو ہم سے کتنی امید رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار۔ معن نے کہا کہ یہ مقدار زیادہ ہے۔ اس نے کہا تو پھر پانچ سو دینار سہی۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے' اس نے کہا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے۔ اس نے کہا سو دینار سہی۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ پچاس دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا تیس دینار معن نے کہا زیادہ ہے۔ بدو نے کہا کہ واللہ جو شخص مجھے جنگل میں ملا تھا بڑا منحوس تھا۔ تو کیا پھر میں تیس دینار سے کم نہ کروں؟ معن ہنس کر چپ ہو گیا اور بدو تاڑ گیا کہ یہ وہی ہے جو اسے جنگل میں ملا تھا اور کہنے لگا اے میرے آقا اگر تو' تیس دینار بھی نہ دے تو لے میرا گدھا دروازے پر بندھا ہوا ہے اور یہ معن بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر معن ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس نے اپنے وکیل کو بلا کر کہا کہ اسے ایک ہزار اور پانچ سو اور تین سو اور دو سو اور ایک سو

اور پچاس اور تیس دینار دے دے اور گدھے کو اپنی جگہ بندھا رہنے دے۔ بدو اس پر ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور دو ہزار ایک سو اسی دینار لے لیے۔ خدا ان سب پر رحمت بھیجے!

○ لبطیط شہر کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ میں نے یہ بھی کہانی سنی ہے کہ لبطیط نامی ایک شہر تھا۔ روم کے ملکوں میں سے ایک ملک کا دارالسلطنت' وہاں ایک محل تھا جو ہمیشہ بند رہتا اور جب ایک بادشاہ مرتا اور دوسرا فرنگی بادشاہ حکمران ہوتا تو اس میں ایک قفل ڈال دیتا یہاں تک کہ چوبیس قفل ہو گئے۔ ہر بادشاہ کا ایک قفل۔ اس کے بعد ایک شخص تخت پر بیٹھا جو شاہی خاندان سے نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ اس قفلوں کو کھول کر دیکھے کہ محل کے اندر کیا ہے۔ ملک کے بڑے لوگوں نے اس فعل سے اس کو منع کیا' ناراض ہوئے اور اسے برا بھلا کہا لیکن اس نے ایک نہ سنی کہا کہ میں ضرور اس محل کو کھولوں گا۔ انہوں نے اسے اپنی ساری دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اسے نہ کھولے پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہ آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو بہترویں رات

جب دو سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- امراء نے اس بادشاہ کو بے حد مال و دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اس محل کو نہ کھولے لیکن وہ کھولنے سے باز نہ آیا اور اس نے سارے قفل تڑوا کر دروازہ کھول دیا۔ دیکھا کہ محل میں عربوں کے مجسمے ہیں جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ پگڑیاں باندھے ہوئے ہیں۔ جن کے شملے لٹک رہے ہیں۔ تلواریں لگائے ہوئے اور لمبے لمبے بھالے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں۔ وہاں اسے ایک لکھا ہوا کاغذ ملا اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جب یہ دروازہ کھلے گا تو اس ملک پر عربوں کی ایک قوم غالب آ جائے گی اور ان کی شکلیں ان سنگین تصویروں کی سی ہونگی لہٰذا خبردار اسے کوئی نہ کھولے۔ یہ شہر اندلس میں تھا۔ خدا کی شان اسی سال بنو امیہ کے بادشاہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں اس شہر کو طارق بن زیاد نے فتح کیا اور اس بادشاہ کو بری طرح مارا۔ شہر کو لوٹا' عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور اس کی ساری دولت اس کے ہاتھ لگی۔ بڑے بڑے ذخیرے ملے۔ جن میں ایک سو ستر سے زیادہ موتیوں اور یاقوت اور قیمتی پتھروں کے تاج تھے۔ اس محل میں ایک کمرہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں سوار نیزے پھینک سکیں۔ اس میں سونے اور چاندی کے ایسے برتن تھے جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ وہاں نبی اللہ سلیمان بن داؤد علیہم السلام کا دسترخوان تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ سبز زمرد کا تھا۔ یہ دسترخوان اب تک روم کے شہر میں موجود ہے۔ اس کے برتن سونے کے ہیں اور رکابیاں زبرجد کی۔ اور اس میں ایک نسخہ زبور کا تھا جو یونانی زبان میں سونے کے پتر پر لکھا ہوا تھا جس میں ہیرے جڑے تھے۔ ایک اور کتاب بھی ملی جس میں جمادات اور نباتات کے فوائد درج تھے۔ شہروں اور بستیوں کے نام اور طلسم اور سونے چاندی کی کیمیا کا علم درج تھا۔ دوسری کتاب بھی ہاتھ میں آئی جو یاقوت

اور دوسرے پتھروں کے تراشنے کی صنعت کے متعلق تھی۔ زہر اور تریاق بنانے کے نسخے لکھے ہوئے تھے۔ زمین' سمندروں' شہروں اور معدنوں کا نقشہ تھا۔ اس محل میں ایک کمرہ اکیسر سے بھرا ہوا دیکھا جس کا ایک درہم ایک ہزار درہم چاندی کو خالص سونا بنا دے۔ ایک گول بہت بڑا اور عجیب و غریب آئینہ پایا جو مختلف دھاتوں کا بنا ہوا تھا اور نبی اللہ سلیمان علیہم السلام کے لیے بنایا گیا تھا۔ جب کوئی اسے دیکھتا تو اسے ساتوں اقلیمیں دکھائی دیتیں۔ اس محل میں ایک بیٹھک تھی جس میں ایسے زرد رنگ کے لعل تھے جن کی کیا تعریف ہو سکے۔ طارق نے ان سب کو جمع کر کے ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور سارے شہروں میں عرب پھیل گئے۔ وہ بہت بڑا ملک ہے اور یہ لبطیط کے خاتمے کی کہانی ہے۔

- ہشام بن عبدالملک اور بدو لڑکے کی کہانی

ایک کہانی اور سن' ایک دن ہشام بن عبدالملک بن مروان شکار کھیلنے گیا ہوا تھا کہ اسے ایک ہرن دکھائی دیا۔ اس نے کتوں کو لے کر اس کا پیچھا کیا۔ ابھی وہ ہرن کا پیچھا کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بدو لڑکے پر پڑی جو بھیڑیں چرا رہا تھا۔ ہشام نے کہا کہ اے لڑکے اس ہرن کے پیچھے دوڑ کیونکہ وہ میری زد سے نکل بھاگا ہے۔ لڑکے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا کہ اے نیک لوگوں کی قدر نہ کرنے والے تو نے مجھے ذلت کی نظر سے دیکھا اور پھر حقارت سے باتیں کیں۔ تیری باتیں ظالموں کی سی ہیں اور تیرا فعل گدھے کا سا۔ ہشام نے کہا کہ تف ہو تجھ پر' کیا تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں نے تجھے خوب پہچان لیا کہ تو بدتمیز ہے کیونکہ تو نے بے سلام کیے باتیں شروع کر دیں۔ ہشام بولا' حیف ہو تجھ پر! میں ہشام بن عبدالملک ہوں۔ بدو نے کہا کہ خدا تیرے گھر میں نہ حرکت دے اور نہ تیرے مزار پر رحمت بھیجے۔ تیری بک بک بہت زیادہ ہے اور خوش خصلتی بہت

کم۔ ابھی وہ اپنی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ چاروں طرف سے لشکر آ پہنچا اور ہر ایک ان میں سے کہنے لگا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین! ہشام نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پہلے اس لڑکے کو حراست میں لے لو۔ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ لڑکے نے اس قدر حاجبوں اور وزیروں اور امیروں کو دیکھنے کے بعد بھی بالکل توجہ نہ کی اور نہ ان سے پوچھا کہ کون ہو بلکہ اپنی ٹھوڑی کو سینے سے لگا کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

یہاں تک کہ وہ ہشام کے آگے پیش کیا گیا۔ لڑکا سر زمین کی طرف جھکائے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ نہ سلام کیا نہ کوئی بات کی۔ ایک ملازم بولا اے بدو کتے تو امیرالمومنین کو سلام کیوں نہیں کرتا؟ لڑکے نے اس کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا اے گدھے کی جھول راستے کی درازی اور اوپر کی چڑھائی اور پسینے کی وجہ سے میں نے یہ بات نہ کی۔ اس پر ہشام کا غصہ اور زیادہ ہو گیا۔ جھنجلا کر کہنے لگا اے لڑکے' تو اور تیری موت دونوں یہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ تیری امیدیں منقطع ہو چکی ہیں اور تیری زندگی کا آخری لمحہ آ گیا۔ لڑکے نے جواب دیا اے ہشام' خدا کی قسم اگر میری زندگی میں ابھی کچھ دن باقی ہیں اور اجل کے آنے میں دیر ہے تو تیری کوئی بات خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت' مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ حاجب نے کہا کہ اے ذلیل بدو کیا تو' اتنا بلند پایہ ہو گیا کہ امیرالمومنین سے دو بدو ہو کر باتیں کرتا ہے؟ لڑکے نے فوراً جواب دیا کہ برباد ہو تو' اور ہلاکت تیرا ساتھ کبھی نہ چھوڑے! کیا تو نے خدا کا یہ قول نہیں سنا کہ "یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسہا....." یہ سن کر ہشام کے غصے کی انتہا نہ رہی' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جلاد کو حکم دیا کہ اس لڑکے کا سر کاٹ کر لے آئے کیونکہ یہ ایسی باتیں کر رہا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ جلاد لڑکے کو لے کر قتل کے بوریئے پر لے گیا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا امیر المومنین یہ تیرا حقیر بندہ ہے اور گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے کیا میں اس کی گردن اڑا دوں؟ مگر میں اس کے خون سے بری ہوں۔ ہشام نے کہا کہ ہاں۔ جلاد نے پھر

دوبارہ اجازت مانگی اور ہشام نے اجازت دے دی۔ پھر اس نے تیسری بار پوچھا۔ لڑکے کو یقین ہو گیا کہ اگر اس بار بھی اجازت دے دی تو جلاد میری گردن اڑا دے گا۔ یکایک اس زور سے کھلکھلا کر ہنسا کہ اس کے دانت دکھائی دینے لگے۔ اس حرکت پر ہشام کو اور زیادہ طیش آ گیا وہ کہنے لگا اے لڑکے میرے خیال میں تیرا دماغ صحیح نہیں۔

تجھے معلوم نہیں کہ تو دنیا سے جا رہا ہے؟ پھر کیوں ہنس کر اپنا مذاق اڑوانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اگر میری زندگی باقی ہے تو مجھے نہ تھوڑے سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ بہت سے۔ چند اشعار اس وقت میرے خیال میں آئے ہیں انہیں سن لے کیونکہ میں تو بہرحال قتل ہوں گا۔ ہشام نے کہا کہ اچھا سنا۔ لڑکے نے یہ اشعار پڑھے:

"ایک بار جنگل کی ایک چڑیا قسمت کی ماری کسی باز کے پنجے میں پھنس گئی۔ جب باز اسے اپنے پنجے میں دبا کر اڑا تو چڑیا نے کہا کہ میں اتنی ذرا سی جان ہوں کہ اگر تو نے مجھے کھایا تو تیرا پیٹ تو بھرے گا نہیں۔ یہ سن کر باز غرور سے مسکرایا اور چڑیا کو چھوڑ دیا۔"

ہشام ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی قسم اگر یہ پہلے ہی سے ایسی باتیں کرتا تو علاوہ خلافت کے جو مانگتا' میں اسے دیتا۔ اے خادم اس کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دے اور اسے بہت کچھ عطا کر۔ خادم نے بدو کو بہت کچھ انعام دیا اور وہ اسے لے کر چلتا ہوا۔

- ابراہیم بن مہدی کی کہانی

منجملہ نفیس کہانیوں کے ہاروان الرشید کے بھائی ابراہیم بن مہدی کی بھی ایک کہانی ہے۔ جب اس کا بھتیجا اس کے بھائی ہارون الرشید کا بیٹا مامون خلیفہ ہوا تو اس نے مامون

کی بیعت نہیں کی بلکہ وہاں پہنچ کر خود خلافت کا دعویٰ کیا اور ایک ہی سال گیارہ مہینے اور دس دن تک اپنی بات پر اڑا رہا اور اس کا بھتیجا مامون اس امید میں رہا کہ وہ اس کی اطاعت کر لے گا اور اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا لیکن جس وقت اسے ناامیدی ہو گئی تو وہ سواروں اور پیادوں کے ساتھ آ ہی پہنچا اور اس کی تلاش کرنے لگا۔ ابراہیم کو یہ خبر ملی تو قتل کے ڈر سے بغداد میں جا چھپا۔ مامون نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس کا پتا دے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام ملے گا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب میں نے سنا کہ اتنی بڑی مقدار میرے سر کی بازی پر لگائی گئی ہے تو مجھے اپنی جان کا اور زیادہ ڈر ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو تہتروین رات

دو سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب مجھے اس مقدار کا علم ہوا تو جان کے لالے پڑ گئے اور اپنے متعلق میں بے حد حیران و پریشان ہو گیا۔ اسی تردد میں ظہر کے وقت بھیس بدل کر اپنے مکان سے نکلا مگر میری سمجھ میں نہ آتا تھا کدھر جاؤں۔ آخر میں ایک اندھی گلی میں گھس گیا اور کہنے لگا کہ انااللہ وانا الیہ راجعون۔ میں اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہوں۔ اگر میں یہاں سے پلٹا تو لوگوں کو میرے اوپر شبہ ہو گا کیونکہ میں بھیس بدلے ہوئے ہوں۔ گلی کے دوسرے سرے پر میری نظر ایک حبشی غلام پر پڑی جو اپنے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا کہ تیرے ہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں ایک گھڑی دن گزار سکوں؟ اس نے کہا کہ ہاں اور دروازہ کھول دیا۔ میں اندر داخل ہوا۔ دیکھا کہ مکان نہایت صاف ستھرا ہے' فرش اور قالین لگے ہوئے ہیں اور چمڑے کے تکیے رکھے ہیں۔ مجھے اندر داخل کر کے اس نے دروازہ بند کر دیا اور خود باہر چلا گیا۔ مجھے خیال ہوا کہ اس نے میرے متعلق انعام کا ذکر سن لیا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ ضرور میری خبر دینے گیا ہو گا۔ اب میری یہ حالت تھی جیسے کہ آگ پر ہانڈی ور میں بے حد متفکر تھا۔ یہی سوچ رہا تھا کہ اتنے میں وہ ایک حمال کو لیے ہوئے واپس آیا۔ جس کے سر پر روٹیاں' گوشت' نئی ہانڈیاں' کھانے پینے کا دوسرا سامان' ایک نیا گھڑا کورے کوزے اور باقی ضرورت کی چیزیں تھیں۔ حبشی نے وہ چیزیں حمال کے سر سے اتروا کر مجھ سے کہا کہ قربان جاؤں تیرے! میں حجام ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ میرے پیشے کی وجہ سے تجھے مجھ سے گھن آئے گی۔ لہٰذا ان چیزوں کو لے۔ ان پر ابھی تک کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہے' ان کو تو استعمال کر۔

ابراہیم نے کہا کہ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے لیے ایک ہانڈی میں کھانا پکایا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی ایسا کھانا کھایا تھا۔

جب میں کھا پی چکا تو اس نے کہا اے میرے آقا' خدا مجھے تیرے اوپر قربان کرے! تجھے شراب کا بھی شوق ہے؟ اس سے دل خوش ہوتا ہے اور غم غلط؟ میں نے حجام کی خاطر سے کہا کہ مجھے اس سے نفرت نہیں۔ یہ سن کر وہ بلور کے نئے پیالے لایا جن کو ابھی تک کسی نے چھوا نہ تھا اور ایک نفیس تھلیا اور کہنے لگا کہ جس طرح تجھے پسند ہو' خود چھان کر پی' میں نے نہایت عمدگی سے چھانا۔ اس کے بعد وہ ایک نیا جام لایا' مٹی کے کورے برتنوں میں پھل اور پھول۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک طرف بیٹھ کر اکیلا شراب پیوں تاکہ مجھے اور تجھے دونوں کو سرور ہو۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں پی۔ ہم دونوں پینے لگے اور شراب کا نشہ مجھ پر چڑھنے لگا۔ حجام اٹھ کر ایک کوٹھڑی میں گیا اور ایک ساز لا کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا یہ تو میری مجال نہیں کہ میں تجھ سے گانے کے لیے کہوں لیکن تیری انتہائی مروت کی وجہ سے تجھ پر احترام کا حق واجب ہو گیا ہے۔ اگر تیری مرضی ہو کہ تو اپنے غلام کو عزت بخشے تو میری سر آنکھوں پر۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ میں اچھا گاتا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ' ہمارے آقا کی شہرت اس سے بھی زیادہ ہے۔ تو میرا آقا' ابراہیم بن مہدی ہے جو کل تک ہمارا خلیفہ تھا اور جس کے متعلق مامون نے یہ منادی کرائی ہے کہ جو کوئی تیرا پتہ بتائے گا' وہ ایک لاکھ دینار پائے گا مگر میری طرف سے تجھے اطمینان ہونا چاہیے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جب اس نے یہ کہا تو اس کی عزت میرے دل میں بڑھ گئی' میں اس کی مروت کا قائل ہو گیا' اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے ساز لیا اور اس کے تار ملا کر گانا بجانا شروع کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوا' اسے نہایت لطف آیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ابراہیم کے پڑوسی اگر اس کی زبان سے یہ الفاظ بھی سن لیتے کہ

اے غلام' خچر پر زین رکھ تو انہیں وجد آنے لگتا تھا۔ جب حجام کا دل خوش ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے میرے آقا اجازت ہو تو جو کچھ میرے دل میں آیا ہے' میں بھی کہوں اگرچہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ ہاں ضرور کہہ۔ یہ تیرے اخلاق اور مروت کی دلیل ہے۔ اس پر وہ ساز لے کر گانے لگا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ اے دوست تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا اور میرا غم غلط کر دیا۔ ایسا ہی کوئی اور گیت گا اور وہ گانے لگا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ اس کے راگ سن کر مجھے حیرت ہو گئی اور میرے دل کو بڑا حظ حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں سو گیا اور جب میری آنکھ کھلی تو عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے منہ دھویا' میرے دل پر اس حجام کی نفاست اور اخلاق کا بڑا اثر تھا۔ میں نے اسے جگایا اور اپنے پاس سے ایک تھیلی نکال کر جس میں بہت سے دینار تھے' اس کی طرف پھینکی اور اس سے کہا کہ تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں' مجھ کو اب جانے دے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو' اس تھیلی میں سے اپنی ضروریات پر خرچ کر۔ اگر میرا خوف کا زمانہ جاتا رہا تو میں تجھے اور زیادہ عطا کروں گا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ اس نے وہ تھیلی واپس کر دی اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا گو ہمارے جیسے فقیروں کی تیرے آگے کوئی قدر و منزلت نہیں لیکن میری مروت یہ گوارا نہیں کرتی کہ قسمت نے جو تیرا قرب اور تیری مہمانی مجھ کو عطا کی ہے اس کی تجھ سے قیمت لوں۔ اگر تو نے اس بارے میں اور کوئی بات کی اور میری طرف پھر یہ تھیلی پھینکی تو میں خودکشی کر لوں گا۔ ابراہیم نے بیان کیا کہ میں نے وہ تھیلی اپنی آستین میں رکھ لی۔ اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## دو سو چوہترویں رات

دو سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ میں نے تھیلی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی اور وہاں سے چل دیا۔ میں دروازے پر پہنچا تھا کہ اس نے آواز دے کر کہا کہ اے میرے آقا یہ مکان تیرے لیے دوسری جگہوں سے زیادہ محفوظ ہے اور تیرے کھلانے پلانے میں مجھ پر کوئی بار نہیں۔ بہتر ہے کہ جب تک خدا تیری مصیبت دور کر دے یہیں ٹھہر۔ یہ سن کر میں پلٹ آیا اور بولا کہ محض اس شرط پر کہ تو اس تھیلی میں سے لے کر خرچ کرے۔ اس کی باتوں سے مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ اس شرط پر راضی ہے اور میں ایک زمانے تک اس کے ہاں نہایت عیش و عشرت کے ساتھ رہا لیکن اس نے اس تھیلی میں سے کچھ خرچ نہ کیا۔ مجھ پر یہ گراں گزرا کہ اس کی روٹی کھاؤں اور اسے تکلیف ہو۔ اس لیے میں نے ایک دن عورتوں کا لباس پہنا۔ مثلاً جوتیاں اور نقاب اور اس کے گھر سے چل دیا۔ سڑک پر پہنچا تو مجھے بہت ڈر لگا اور جب میں پل پر سے گزر رہا تھا جس پر چھڑکاؤ کیا ہوا تھا تو ایک سپاہی کی نظر مجھ پر پڑی جو پہلے میرے پاس نوکر تھا۔ مجھے پہچانتے ہی اس نے چلا کر کہا کہ مامون اسی شخص کی تلاش میں ہے اور مجھے گھیر لیا لیکن چونکہ مجھے جان پیاری تھی میں نے اسے اور اس کے گھوڑے کو اس زور سے دھکیلا کہ دونوں کیچڑ میں گر پڑے اور ان سے عبرت حاصل کرنے والوں کو عبرت ہوئی۔ لوگ اس کی طرف دوڑے۔ اتنے میں میں بھاگ کر پل کے پار ہو گیا اور ایک گلی میں جا گھسا۔ وہاں دیکھا کہ ایک مکان کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ایک عورت دہلیز پر کھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا میرے اوپر رحم کر اور میری جان بچا۔ میں موت کے ڈر سے یہاں آیا ہوں۔ وہ بولی میں مرحبا کہتی ہوں اور تیرا خیر مقدم کرتی ہوں' اندر آ جا۔ یہ کہہ

کر وہ مجھے بالا خانے پر لے گئی اور وہاں فرش بچھا کر میرے آگے کھانا پیش کیا اور کہنے لگی کہ اپنا ڈر دل سے نکال دے کیونکہ کسی کو کانوں کان تیری خبر نہ ہو گی۔

وہ یہ کہہ رہی تھی کہ کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس عورت نے جا کر کواڑ کھول دیئے۔ میں نے دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میں نے پل پر دھکیلا تھا۔ اس کا سر بندھا ہوا ہے اور خون بہہ رہا تھا اور گھوڑا ندارد تھا۔ عورت نے کہا کہ اے فلاں شخص تجھ پر کیا مصیبت گزری ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص کو پکڑ لیا تھا مگر وہ نکل بھاگا۔ اس کے بعد اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ عورت نے جلے ہوئے چیتھڑے نکالے اور انہیں پٹی پر رکھ کر اس کا سر باندھ دیا۔ اس کے لیے فرش بچھا دیا اور وہ بیمار ہو کر لیٹ گیا۔ پھر وہ میرے پاس آ کر کہنے لگی کہ میرے خیال میں یہ تیرا ہی قصہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ وہ بولی خیر پروا نہ کر اور وہ میری نئے سرے سے دل دہی کرنے لگی۔ تین دن میں اس کے ہاں ٹھہرا۔ بعد ازاں وہ مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ شخص تجھے دیکھ نہ لے اور تیری چغلی نہ کھا دے لہٰذا تو یہاں سے چل دے۔ میں نے کہا کہ مجھے رات تک مہلت دے۔ اس نے کہا کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ جب رات ہوئی تو میں عورتوں کا لباس پہن کر اس کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور اپنی ایک پرانی کنیز کے پاس پہنچا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رونے' آہیں بھرنے اور میری سلامتی پر خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔ دو چار لمحے کے بعد وہ باہر گئی گویا وہ بازار جا کر مہمانی کی تیاری کرنا چاہتی ہے۔ میرا گمان اس کی طرف سے اچھا تھا مگر تھوڑی ہی دیر میں ابراہیم موصلی اس کے غلاموں اور لشکر نے مجھے آ لیا اور وہ خود آگے آگے تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی کنیز ہے اور مکان کی مالکہ بھی ساتھ ہے۔ وہ ان کے آگے آگے برابر چلتی رہی یہاں تک کہ اس نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور میں نے موت کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔

لوگ مجھے پکڑ کر اسی زنانہ لباس میں' مامون کے پاس لے گئے۔ مامون نے ایک عام دربار

منعقد کیا اور مجھے بلایا۔ جب میں داخل ہوا تو میں نے اسے خلیفہ کہہ کر سلام کیا۔ اس نے جواب دیا کہ نہ خدا تجھے سلامت رکھے اور نہ تیرے اوپر رحم کرے۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین جیسی تیری مرضی ہو۔ بدلہ لینے والا خواہ بدلہ لے خواہ معاف کر دے لیکن معاف کرنا پارسائی سے قریب تر ہے جس طرح خدا نے میرا گناہ اوروں کے گناہ سے بڑا بنایا ہے تیرے عفو کو بھی اوروں سے زیادہ بلند رتبہ دیا ہے۔ اگر تو سزا دے تو تیرا حق ہے اور اگر معاف کر دے تو یہ تیرا فضل ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ مامون نے اپنا سر اٹھایا اور پھر نیچا کر لیا۔ مجھے اس کے چہرے سے معافی کی جھلک نظر آئی۔ اس نے اپنے بیٹے عباس اور اپنے بھائی ابواسحٰق اور باقی حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ سب نے میرے قتل کا مشورہ دیا۔ اختلاف محض اس بات میں تھا کہ کس طرح قتل کیا جاؤں۔ مامون نے احمد بن خالد سے کہا کہ احمد تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے اسے قتل کر دیا تو تیری طرح اور بھی بہت سے لوگ ہوں گے جنھوں نے ایسے شخص کو قتل کر دیا ہو گا اور اگر تو نے اسے معاف کر دیا تو اس جیسے شخص کو معاف کر دینے میں تیری طرح اور کوئی نہ ملے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو پچھترویں رات

جب دو سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------ امیرالمومنین مامون نے احمد بن خالد کی باتیں سن کر سر جھکا لیا۔ ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ اب میں نے نقاب اپنے سر سے اٹھا دی اور بڑے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم امیرالمومنین نے مجھے معاف کر دیا۔ مامون بولا چچا ڈر کی کوئی بات نہیں۔ میں نے کہا کہ امیرالمومنین میرا گناہ معافی سے بڑا ہے اور تیرا عفو ہر شکر سے بالاتر۔ مامون نے کہا کہ میں وہی کہتا ہوں جو ہمارے آقا یوسف علی نبینا علیہ الصلوہ والسلام نے کہا تھا کہ لاتثریب علیکم الیوم یغفراللہ لکم وھو الرحم الراحمین۔ اے چچا! میں نے تجھے معاف کر دیا اور تیرا مال اور جاگیریں تجھے واپس دے دیں۔ اب کچھ پروا نہ کر۔ میں نے اسے بڑی بڑی دعائیں دیں اور مامون میرے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور مجھ سے کہا کہ چچا ابواسحٰق اور عباس نے تیرے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین انہوں نے تجھے رائے دی تھی لیکن تو نے وہ کیا جو تیری شان کے شایان ہے اور میرے خوف کو امید سے بدل دیا۔ مامون نے کہا کہ چچا تو نے اپنے با حیا عذر سے میرے غصے کو ٹھنڈا کر دیا اور میں نے بھی تجھے بغیر اس کے کہ سفارش کرنے والوں کا احسان اٹھائے' معاف کر دیا۔

اس کے بعد مامون بڑی دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا کہ چچا تجھے معلوم ہے کہ میں نے کیوں سجدہ کیا۔ میں نے جواب دیا کہ شاید تو نے اس وجہ سے سجدہ کیا کہ خدا نے تجھے تیرے دشمن پر فتح دی۔ مامون نے کہا کہ اس وجہ سے نہیں بلکہ میں نے اس بات پر خدا کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ میں تجھے معاف کر دوں اور تیری طرف سے دل کو صاف کر لوں۔ اب تو اپنا قصہ مجھ سے بیان کر۔ میں نے تشریح کے ساتھ وہ ساری باتیں کہیں جو حجام اور لشکری اور اس

کی بیوی اور اس کی کنیز کے ساتھ مجھے پیش آئی تھیں جس نے میرا راز فاش کیا تھا۔ اس پر اس نے پہلے کنیز کو طلب کیا جو انعام کے انتظار میں گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ مامون کے سامنے حاضر ہوئی تو اس نے سوال کیا کہ تو نے اپنے آقا کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ دولت کے لالچ سے۔ مامون نے پوچھا تیرا کوئی بیٹا یا شوہر ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ مامون نے حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور وہ دائم الحبس کی جائے۔ اس کے بعد اس نے لشکری اور اس کی بیوی اور حجام کو بلوایا۔ جب وہ تینوں حاضر ہوئے تو مامون نے لشکری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مال میں طمع میں۔ مامون نے کہا کہ تو آج سے حجام کا پیشہ کیا کر اور اس کی بیوی کو عزت و احترام کے ساتھ محل میں بھیج دیا اور کہا کہ یہ عقل مند عورت ہے۔ مشکل کاموں میں اس سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے حجام سے کہا کہ تو نے ایسی مروت کا اظہار کیا ہے کہ تیری بہت زیادہ عزت کی جائے اور حکم دیا کہ لشکری کا سارا گھر بار اس کے سپرد کر دیا جائے اور اسے خلعت دیا اور اس کے علاوہ پانچ ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیئے۔

○ عبداللہ بن ابی قلابہ کی کہانی

کہتے ہیں کہ ایک بار عبداللہ بن ابی قلابہ کا اونٹ کھو گیا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلا۔ یمن کے جنگلوں اور سبا کے ملک میں پھرتا پھراتا ایک عظیم الشان شہر کے پاس پہنچا جس کے گرد بڑا مضبوط قلعہ تھا اور قلعے کے چاروں طرف اونچے اونچے محل۔ جب وہ اس شہر کے قریب پہنچا تو اس نے خیال کیا کہ اس میں لوگ رہتے ہوں گے اور وہ ان سے اپنے اونٹ کے متعلق دریافت کرے گا۔ وہ اس شہر کی طرف روانہ ہو گیا لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ خالی ہے' نہ وہاں آدم نہ آدم زاد۔

اس کا بیان ہے کہ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چھترویں رات

جب دو سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ ایک نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ بن ابی قلابہ کہتا ہے کہ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا' اسے باندھ دیا اور دل کو مضبوط کر کے شہر کے اندر داخل ہوا۔ قلعے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کے دو دروازے ہیں جن سے بڑے اور اونچے دروازے دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ دونوں دروازوں میں سفید' سرخ اور سبز ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ میں سخت متعجب ہوا اور مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ڈرتے ڈرتے قلعے میں گیا۔ عقل دنگ تھی۔ وہ قلعہ کیا ایک لمبا چوڑا شہر تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے اونچے اونچے محل ہیں اور ہر محل کے آگے برآمدے۔ ساری عمارتیں سونے اور چاندی کی جن میں یاقوت' رنگ برنگ کے ہیرے۔ زبرجد اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور ان محلوں کے دروازوں کی جوڑیاں بھی ایسی خوبصورت ہیں جیسے کہ قلعے کی ڈیوڑھی کے کواڑ اور فرش پر بڑے بڑے موتی' مشک' عنبر اور زعفران کی گولیاں بجھی ہوئی ہیں۔ جب میں اس کے بیچوں بیچ جا پہنچا اور وہاں کوئی انسان نظر نہ آیا تو قریب تھا کہ میں چیخوں اور مارے ڈر کے مر جاؤں لیکن دل کو مضبوط رکھا اور پھرتے پھراتے محلوں پر چڑھ گیا۔ اونچے اونچے چھجوں اور محلوں پر سے نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھا کہ نہریں بہہ رہی ہیں۔ سڑکوں پر میوے دار درخت' اونچی اونچی کھجوریں ہیں اور دیواروں میں ایک ایک سونے کی اور ایک ایک چاندی کی اینٹ لگی ہوئی ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہو نہ ہو' یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے جو آخرت میں ملے گی۔ میں نے جس قدر سنگریزے اور جواہرات تھے اور جتنی مٹی جو مشک تھی اٹھا سکتا تھا اٹھا لی اور اپنے ساتھ وطن لے گیا۔ وطن پہنچ کر لوگوں سے یہ قصہ بیان کیا اور رفتہ رفتہ یہ خبر معاویہ بن ابی سفیان تک پہنچی جو اس وقت حجاز کا خلیفہ تھا۔ اس نے صنعایمن میں اپنے عامل کو لکھا کہ وہ مجھے بلا کر صحیح صحیح حالات دریافت

کرے۔ عامل نے طلب کر کے سارا ماجرا پوچھا تو میں نے اس سے کل باتیں بیان کر دیں جو میں نے دیکھی تھیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ' کے پاس

بھیجا اور میں نے اس سے بھی جو کچھ دیکھا تھا کہہ دیا۔ معاویہ کو میری باتوں کا یقین نہ آیا لیکن جب میں نے وہ موتی اور عنبر اور مشک اور زعفران کی گولیاں دکھائیں جن میں ابھی تک کسی قدر خوشبو باقی تھی' موتیوں کا رنگ البتہ بدل گیا تھا وہ زرد پڑ گئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو ستترویں رات

جب دو سو ستترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ بن ابی قلابہ کا بیان ہے کہ موتیوں کا رنگ بدل گیا تھا اور وہ زرد پڑ گئے تھے تو معاویہ رضی اللہ عنہ بن سفیان کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کعب الاحبار کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے کعب الاحبار! میں نے تجھے اس لیے بلایا ہے کہ ایک بات کی تحقیق کروں۔ مجھے امید ہے کہ تو اسے جانتا ہو گا۔ کعب نے کہا کہ امیرالمومنین وہ کیا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک ایسا شہر پایا جاتا ہے جو سونے اور چاندی سے بنا ہوا ہے جس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے ہیں اور جس کے سنگریزے موتیوں اور مشک عنبر اور زعفران کی گولیوں کے؟ اس نے جواب دیا ہاں اے امیرالمومنین اور وہ یہ ہے ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ اسے عاد اکبر کے بیٹے شداد نے بنایا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا کچھ حال بیان کر۔ کعب الاحبار نے کہا کہ عاد اکبر کے دو بیٹے تھے: شدید اور شداد۔ جب باپ کا انتقال ہو گیا تو شدید اور شداد حکمران ہوئے۔ دنیا کا کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کا مطیع نہ ہو۔ مگر شدید بن عاد کی زندگی نے وفا نہ کی اور شداد تنہا ساری دنیا کا حکمران ہو گیا۔ شداد کو پرانی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ جب اس نے آخرت اور جنت کا ذکر پڑھا اور یہ کہ جنت میں محل اور بارہ دریاں اور درخت اور میوے وغیرہ ہوں گے تو اس کے دل میں آیا کہ اسی شکل کی جنت دنیا میں بنائی جائے۔ اس کے ماتحت ایک لاکھ بادشاہ تھے اور ہر بادشاہ کے ماتحت ایک لاکھ سپہ سالار اور ہر سپہ سالا کے ماتحت ایک لاکھ فوج۔ اس نے لوگوں کو بلا کر کہا کہ میں نے پرانی کتابوں کو پڑھوا کر اس جنت کی تعریف سنی ہے جو آخرت میں ہو گی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں دنیا میں اس جیسی ایک جنت بنواؤں۔ لہٰذا تم ایک ایسا میدان تلاش کروں جو ہر لحاظ

سے بہتر اور سرسبز و شاداب ہو اور وہاں میرے لیے سونے چاندی کا شہر بنواؤ۔ اس کے سنگ ریزے زبرجد، یاقوت اور موتی ہوں۔ اس شہر کی محرابوں کے نیچے زبرجد کے ستون ہوں اور شہر میں بے شمار محل، محلوں کے اوپر بالاخانے اور محلوں کے نیچے سڑکوں پر اور گلیوں میں مختلف پھلوں پھولوں کے درخت اور سونے چاندی کے نلوں میں پانی جاری ہو۔ سب کہنے لگے کہ ہم ایسی چیز کس طرح بنا سکتیں گے جس کی تو نے تعریف کی ہے اور اتنے زبرجد، یاقوت اور موتی کہاں سے لائیں گے!

اس نے جواب دیا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ دنیا کے سارے بادشاہ میرے فرمانبردار اور ماتحت ہیں اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو میری مخالفت کرے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں یہ معلوم ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو انہترویں رات

جب دو سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہے۔ شداد نے کہا تو بس میرا حکم ہے' سمندروں کو چھانو' پہاڑوں کے کلیجے چیر ڈالو' سونا چاندی' زبرجد' یاقوت اور موتی نکالو۔ اور دنیا کی ساری چیزیں جمع کرو' کوئی کوشش نہ اٹھا رکھو۔ اس کے علاوہ اس قسم کی جتنی چیزیں لوگوں کے پاس ہوں۔ انہیں لے لو اور کسی کے پاس نہ چھوڑو اور میری فرمانبرداری سے قدم نہ ہٹاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے تمام بادشاہوں کو خطوط لکھے اور فرمان جاری کر دیئے کہ اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں' انہیں جمع کریں اور قیمتی پتھروں کی کانوں میں جا کر انہیں نکالیں خواہ سمندروں کی اتھاہ میں کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ بیس سال میں انہوں نے یہ سب چیزیں جمع کیں۔ اس وقت دنیا کے سارے بادشاہوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ اس کے بعد شداد نے سارے ملکوں اور خطوں سے مہندس' حکماء' مزدور اور کاریگر بلوائے اور وہ سارے جنگل اور بیابانوں میں چاروں طرف گھومنے لگے یہاں تک کہ وہ ایک صحرا میں پہنچے جو بہت بڑا اور صاف ستھرا تھا اور جہاں نہ پہاڑیاں تھیں نہ ریگستان' چپے چپے پر سبزہ زار اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ بس یہی وہ مقام ہے جس کا بادشاہ نے حکم دیا اور جس کی تلاش میں ہم پھر رہے ہیں۔

اب وہ اتنا لمبا چوڑا شہر بنانے میں مشغول ہو گئے جتنا کہ دنیا کے حکمران بادشاہ شداد نے انہیں حکم دیا تھا۔ پانی کے نل لگائے گئے اور اس طرح کی نیو ڈالی جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ دنیا بھر کے بادشاہوں نے اس شہر کے لیے جواہرات اور پتھر اور بڑے اور چھوٹے موتی' عقیق' سونا چاندی اونٹوں پر لاد کر جنگلوں اور بیابانوں کے راستے بھی بھیجے اور کشتیوں میں لاد کر سمندر سے بھی۔ مہندسوں اور مزدوروں کے پاس یہ چیزیں اس مقدار اور اس خوبی سے پہنچیں جن کی نہ تعریف ہو سکتی ہے اور نہ شمار اور نہ کسی

کا خیال وہاں تک جا سکتا ہے۔ تین سو سال تک کاریگر اس کام میں مشغول رہے اور جب وہ اس سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر خبر دی کہ شہر تیار ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اب جا کر وہاں ایک بڑا عالیشان قلعہ بناؤ اور قلعے کے چاروں طرف ایک ہزار محل جن میں ہر محل ایک ہزار ستونوں کے اوپر ہو تا کہ ہر محل میں ایک وزیر رہے۔ انہوں نے فوراً جا کر کام شروع کر دیا اور بیس سال میں تمام کیا۔
اس کے بعد وہ پھر شداد کے پاس آئے اور کہا کہ اب تیرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔
اب اس نے وزیروں کو حکم دیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی اور اسی طرح اپنے خاص معتمد لوگوں سے بھی کہا کہ سفر کی تیاری کریں اور دنیا کے بادشاہ شداد بن عاد کے ہمرکاب ہو کر ارم ذات العماد میں منتقل ہونے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور جو اپنی بیویوں اور اپنے گھر والوں یعنی کنیزوں اور غلاموں کو ساتھ لے جانا چاہیں' انہیں اختیار ہے۔
اس تیاری میں اور بیس سال لگ گئے۔ بالاخر وہ دن آیا کہ شداد سارے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # دو سو اناسی ویں رات

جب دو سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نیا شہر بسانے اور اپنی مراد بر آنے سے بے حد خوش شداد لاؤ لشکر سمیت روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے اور ارم ذات العماد کے درمیان ایک پڑاؤ کی مسافت باقی رہ گئی۔ خدا نے اپنی قدرت سے آسمان سے اس کے اور اس کے کافر نافرمان ساتھیوں کے اوپر ایک کڑک بھیجی' جس کی آواز اتنی سخت تھی کہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ نہ شداد اور نہ اس کا کوئی ساتھی اس شہر تک پہنچ سکا حتیٰ کہ دیکھ بھی نہ سکا۔ پھر خدا نے ان راستوں کے آثار تک مٹا دیئے جو اس شہر کو جاتے تھے اور وہ شہر قیامت تک اسی حالت میں باقی رہے گا۔ کعب الاحبار کے بیان سے معاویہ کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ کسی بشر کی اس تک رسائی ہوئی ہے؟ کعب نے کہا کہ ہاں ایک صحابی جس کا حلیہ ہو بہو اسی شخص کا سا تھا جو یہاں بیٹھا ہوا ہے۔

شعبی کا بیان ہے کہ یمنی حمیز کے علماء روایت کرتے ہیں کہ جب اس کڑک سے شداد اور اس کے ساتھ ہلاک ہو گئے تو شداد اکبر کا بڑا بیٹا شداد اصغر تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کی جگہ سبا اور حضر موت پر حکمرانی کرنے لگا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کا باپ ارم پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں مر گیا تو اس نے حکم دیا کہ اس کی لاش جنگل میں سے حضرت موت لائی جائے اور ایک غار کے اندر قبر کھودی جائے۔ جب لوگ قبر کھود چکے تو اس نے ایک سونے کے تخت پر لٹا کر اور ستر پوشاکیں پہنا کر جو سونے سے بنی ہوئی تھیں اور جس میں نفیس ہیرے ٹنکے ہوئے تھے قبر میں دفن کیا۔

تعلبی کا بیان ہے کہ اتفاق سے دو شخص اس غار میں داخل ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ اس کے صدر میں ایک زینہ ہے' وہ نیچے اترے اور انہوں نے ایک گڑھا دیکھا جو سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا اور سو گز گہرا تھا اس کے بیچ میں سونے کے تخت پر ایک

لمبا تڑنگا شخص لیٹا ہوا تھا جس کی لمبائی چوڑائی تخت کے برابر تھی اور اس کے سرہانے سونے کی ایک تختی تھی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ تختی لے لی اور اس جگہ سے جتنے سونے اور چاندی کے ٹکڑے وغیرہ لا سکتے تھے لے آئے۔

○ اسحٰق موصلی کی کہانی

اسحٰق موصلی سے روایت ہے کہ ایک رات میں مامون کے پاس سے اپنے گھر جا رہا تھا کہ پیشاب کی حاجت ہوئی' میں ایک گلی میں گیا اور کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا کیونکہ اگر میں دیوار کے قریب بیٹھتا تو مجھے ڈر تھا کہ کسی چیز سے ایذا نہ پہنچے میں نے دیکھ اکہ مکان کی دیوار میں کوئی چیز لٹکی ہوئی ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا چیز ہے میں نے اسے چھوا' مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑا ٹوکرا ہے جس میں چار کنڈے ہیں جو مخمل سے منڈھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہو گا۔ اس وقت نشہ مجھے زیادہ تھا۔ نہ جانے کیا دھن بندھی کہ میں اس میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں مکان والوں نے مجھ کو مع ٹوکرے کے اوپر کھینچ لیا۔ وہ سمجھے کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کا انہیں انتظار تھا۔ ٹوکرا آہستہ آہستہ دیوار کی منڈیر پر پہنچا اور چار لڑکیوں نے مجھ سے کہا کہ اتر مرحبا خوش آمدی! ایک لڑکی شمع لے کر میرے آگے آگے چلنے لگی اور کمرے میں پہنچی۔ جہاں ایسا نفیس فرش بچھا ہوا تھا جس کی نظیر خلیفہ کے محل کے سوا میں نے کہیں نہ دیکھی تھی۔ میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیوار کی ایک طرف کے پردے اٹھے اور کئی لڑکیاں ایک ساتھ داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھوں میں شمعیں تھیں اور قاقلی عود کی انگیٹھیاں اور ان کے درمیان ایک لڑکی جیسے چودھویں رات کو نکلتا ہوا چاند۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ مرحبا! اے مہمان پھر وہ بولی کہ بیٹھ جا اور میرا حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ ایک دوست کے گھر

سے لوٹ رہا تھا کہ راہ میں مجھے پیشاب لگا اور میں اس کوچے میں داخل ہوا۔ یہاں میں نے ایک ٹوکرا لٹکا ہوا دیکھا۔ نیند کے نشے میں اندر بیٹھ گیا اور ٹوکرے نے مجھے لا کر اس گھر میں پہنچا دیا۔ یہ ہے میرا سارا قصہ۔ اس نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں' مجھے امید ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ تیرا پیشہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں بغداد کے بازار میں تاجر ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ تجھے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں تھوڑے بہت یاد تو ہیں۔

وہ بولی کہ اچھا سنا۔ میں نے کہا کہ اجنبی کو شرم معلوم ہوتی ہے لیکن تو شروع کر۔ اس نے جواب دیا کہ تو ٹھیک کہتا ہے' یہ کہہ کر اس نے پرانے اور نئے شاعروں کے عمدہ عمدہ شعر سنائے جو ان کا بہترین کلام تھا۔ میں سن رہا تھا اور میری سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ میں اس کے حسن و جمال پر تعجب کروں یا اس کی شیریں بیانی پر۔ اس نے کہا کہ اگر مرضی ہو تو کچھ سنا دے اور میں نے پرانے شاعروں کا اتنا کلام سنایا کہ اس سے زیادہ ہو نہ سکتا تھا۔ اسے بہت پسند آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں یہ نہ جانتی تھی کہ بازار والوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر اس نے کھانا منگوایا۔

دنیا زاد نے اپنی بہن سے کہا کہ تیری کہانی کیسی میٹھی اور عمدہ اور نفیس ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا تو میں کل تمہیں وہ چیزیں سناؤں گی جو اس سے بدرجہا بہتر ہیں۔

اور اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو اسی ویں رات

جب دو سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ میں نے کہا تھا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو میں آج وہ بیان کروں گی جو کل کے بیان سے بدرجہا بہتر ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اپنی کہانی ختم کر۔

اس نے کہا کہ بہت خوب۔ اے نیک نہاد بادشاہ اسحٰق موصلی نے بیان کیا کہ لڑکی نے کھانا منگوایا اور جب کھانا آیا تو اس نے خود بھی کھایا اور میرے آگے بھی بڑھایا۔ اس کمرے میں طرح طرح کے پھول اور ایسے ایسے عجیب میوے تھے جو بادشاہوں کے گھر کے سوا اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ کھانے کے بعد اس نے شراب منگوائی۔ ایک پیالہ خود پیتی اور ایک مجھے پلاتی اور کہتی کہ یہ وقت باتیں کرنے اور کہانیاں سنانے کا ہے۔ میں نے سوچ سوچ کر کہنا شروع کیا کہ فلاں اور فلاں بات پیش آئی اور ایک شخص نے یہ کہا اور وہ کہا۔ یہاں تک کہ میں نے بہت سی اچھی اچھی کہانیاں سنائیں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ ایک تاجر کو ایسے قصے کہانیاں کہاں سے یاد ہو گئیں۔ یہ تو بادشاہوں کے آگے بیان کرنے کے قابل ہیں۔

میں نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا جو بادشاہوں کے ساتھ رہتا اور انہیں کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ جب وہ بیکار ہوتا تو میں اس کے گھر جاتا وہ اکثر یہی کہانیاں کہتا جو تو نے ابھی سنی ہیں۔ وہ بولی کہ بات تو یہ ہے کہ تو نے یاد بھی خوب رکھیں غرض کہ اسی طرح باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ چپ ہوتی تو میں کچھ کہنے لگتا' میں چپ ہوتا تو وہ شروع کر دیتی یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔

عود کی خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔ عجب لطف کی صحبت تھی اور میں اس مزے میں تھا کہ اگر مامون کو اس کا پتہ لگ جاتا تو وہ مارے اشتیاق کے اڑ کر وہاں پہنچ جاتا۔ اس

نے کہا کہ تو نہایت لطیف اور نازک شخص ہے اور آداب محفل سے بھی تجھے اچھی واقفیت ہے۔ اب ایک چیز کے سوا اور کوئی کمی نہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ کاش تو' یہ اشعار کسی ساز پر گا کر سناتا۔ میں نے کہا کہ بہت دن ہوئے کہ مجھے اس کا شوق تھ اجی بھر گیا تو چھوڑ دیا لیکن اس وقت پھر کچھ جی پھڑپھڑانے لگا ہے۔ واقعی لطف کی تکمیل تو اس کے بغیر ہوتی نہیں۔ اس نے کہا کہ اس اشارے سے تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ عود منگایا جائے۔ میں نے کہا کہ جیسی تیری مرضی۔ تو نے مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے اور میں تیرا بے حد شکر گزار ہوں۔ پھر اس نے عود منگوا کر ایسی میٹھی آواز سے گایا کہ اگر وہ اس کے اخلاق اور بجانے کی خوبی اور کمال سے ملا دیا جائے تو اس کا جواب نہ تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی تو جانتا ہے کہ یہ راگ کس کا بنایا ہوا ہے اور اشعار کس کے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اشعار فلاں شاعر کے ہیں اور راگ اسحٰق کا۔ میں بولا واللہ! کیا اسحٰق میں اتنی قابلیت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واہ واہ! اسحٰق تو اس میں کمال رکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ پاکی ہے اللہ کے لیے جس نے اس شخص کو وہ چیز عطا کی جو کسی دوسرے کو نہیں دی۔ اس نے کہا مزہ تو جب آتا کہ یہ راگ تو اس کے منہ سے سنتا۔ انہیں باتوں میں سویرا ہو گیا اور ایک بڑھیا نے جو ماما معلوم ہوتی تھی آ کر کہا کہ وقت ہو چکا ہے۔ یہ سنتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا اور لڑکی نے مجھ سے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھیو کیونکہ مجلسیں راز کی باتیں ہوتی ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو اکیاسی ویں رات

جب دو سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی نے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھیو کیونکہ مجلسیں راز کی باتیں ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میری جان تجھ پر فدا اس بات میں مجھے نصیحت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد میں اس سے رخصت ہوا اور اس نے ایک کنیز کو میرے ساتھ دروازے تک بھیجا۔ اس نے دروازہ کھولا اور میں نے نکل کر اپنے گھر کا راستہ لیا۔ گھر پہنچ کر فجر کی نماز پڑھی اور سو گیا۔ تھوڑی دیر میں میرے پاس مامون کا قاصد آیا اور میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشاء کا وقت ہوا تو میں کل کی باتیں سوچنے لگا کیونکہ وہ ایسی باتیں تھیں جن پر نادان کے سوا اور کوئی صبر نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے میں اٹھ کر پھر ٹوکرے کے قریب آیا اور اس میں بیٹھ کر پھر اسی جگہ پہنچ گیا جہاں میں کل تھا۔

لڑکی بولی کہ تو بالکل ٹھیک وقت پر پھر آ گیا۔ میں نے کہا کہ مجھے تو یہ خیال ہے کہ میں نے بہت دیر لگائی اور ہم پھر گزشتہ رات کی طرح بات چیت کرتے رہے اور صبح تک ایک دوسرے کو قصے کہانیاں سنایا کیے۔ اس کے بعد میں نے گھر جا کر صبح کی نماز پڑھی اور سو رہا اور پھر مامون کا فرستادہ مجھے بلانے آیا تو میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشاء کے وقت امیرالمومنین نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب تک میں ایک کام کے لیے جا کر لوٹ آؤں' تو یہیں ٹھہریو۔ خلیفہ چل دیا اور میری نظروں سے اوٹ ہو گیا تو میرے خیالات بہکنے لگے۔ مجھے گزشتہ صحبتیں یاد آنے لگیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ خلیفہ جو چاہے میرے ساتھ کرے میں برداشت کر لوں گا۔ یہ کہہ کر میں الٹے پاؤں پھرا' ٹوکرے کے پاس پہنچا اس میں بیٹھ کر مجلس میں پہنچ گیا۔ لڑکی کہنے لگی کہ تو' تو پرانا یار نکلا۔ میں نے کہا کہ درست

ہے۔ وہ بولی کہ تو نے ہمارے گھر کو اپنا گھر بنا لیا ہے۔ میں نے کہا میری جان تجھ پر تصدق! مہمانی تین دن کی ہوتی ہے اگر اس کے بعد آؤں تو میرا خون تجھ پر حلال ہے۔ وہ جلسہ بھی اسی طرح ختم ہوا اور جب جانے کا وقت آیا تو مجھے یقین تھا کہ مامون ضرور مجھ سے پوچھے گا اور جب تک تفصیل کے ساتھ نہ سن لے گا اسے چین نہ آئے گا۔ اب میں نے لڑکی سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تجھے گانے سے بہت دلچسپی ہے۔ میرا ایک چچیرا بھائی ہے جو مجھ سے زیادہ خوبصورت' بلند مرتبہ' باسلیقہ اور اسحٰق کا سب سے بڑا دوست ہے۔ وہ کہنے لگی کہ تو طفیلی اور فالتو ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا کہ تیرا چچیرا بھائی ایسا ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو ہمیں اس کے تعارف سے انکار نہیں۔ اس کے بعد روانگی کا وقت آ گیا اور میں اٹھ کر اپنے گھر چل دیا۔ ابھی میں گھر چل دیا۔ ابھی میں گھر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے آ کر گھیر لیا اور مجھے زبردستی پکڑ کر لے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

دو سو بیاسی ویں رات

جب دو سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ میں گھر تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے مجھے آ گھیرا اور زبردستی پکڑ کر اس کے پاس لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہے اور مجھ سے ناراض ہے۔ اس نے کہا کہ اسحٰق کیا تو میری نافرمانی کرتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین' خدا جانتا ہے کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ تیرا کیا قصہ ہے؟ سچ سچ بتا۔ میں نے عرض کیا کہ بہت خوب لیکن تنہائی میں۔ اس نے حاضرین کو اشارہ کیا وہ ایک طرف ہو گئے۔ میں نے ماجرا بیان کیا اور کہا کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ تجھے بھی لاؤں گا۔ مامون بولا تو نے خوب کہا! اس دن بھر ہم مزے میں رہے مگر مامون کا جی اس لڑکی میں لگا رہا اور ابھی وقت بھی نہ آیا تھا کہ ہم چل دیئے اور میں اس سے کہتا جاتا تھا کہ خبردار اس کے آگے میرا نام لے کر نہ پکاریو بلکہ میرے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کیجیو۔ اس پر ہم دونوں متفق ہو گئے اور چلتے چلتے ٹوکرے کی جگہ پہنچے۔ دیکھا کہ اب وہاں دو ٹوکرے ہیں۔ ایک میں' میں اور دوسرے میں وہ بیٹھ گیا اور اس جگہ پہنچ گئے جہاں میں روز جایا کرتا تھا۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر ہم دونوں کو سلام کیا۔ جب مامون کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا اور وہ اسے کہانیاں اور اشعار سنانے لگی۔ اس کے بعد اس نے نبیذ پیش کی۔ لڑکی اس کی طرف مائل تھی اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔ وہ بھی لڑکی کی طرف مائل تھا اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ پھر عود لے کر اس نے خاص ادا سے گایا اور مامون کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہنے لگی کہ کیا یہ تیرا چچیرا بھائی بھی تاجر ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ تم دونوں کی شکل ملتی جلتی ہے۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔ ابھی مامون نے تین ہی رطل پیے

ہوں گے کہ مزے میں آ گیا اور پکار کر کہنے لگا کہ اے اسحٰق! میں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین حاضر ہوا۔ اس نے کہا تو' بھی اسی انداز سے گا۔ لڑکی کو جو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ ہے تو جا کر ایک کمرے میں چھپ گئی۔ جب میں گا چکا تو مامون نے مجھ سے کہا کہ پوچھ اس مکان کا مالک کون ہے؟ ایک بڑھیا نے نکل کر جواب دیا کہ یہ حسن بن سہل کا مکان ہے۔ مامون نے کہا کہ اسے بلا۔ بڑھیا تھوڑی دیر کے بعد حسن کو لے کر پہنچی۔ مامون نے کہا کہ تیری کوئی بیٹی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اس کا نام خدیجہ ہے۔ مامون نے پوچھا کہ وہ شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ مامون نے کہا کہ میں تجھ سے اس کے ساتھ نکاح کی درخواست کرتا ہوں۔

اس نے کہا کہ امیرالمومنین وہ تیری لونڈی ہے اور تیرے حکم کی فرمانبردار۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے نقد تیس ہزار دینار پر اس سے شادی کر لی۔ کل صبح آ کر دام لے جائیو اور جب مال مل جائے تو شام کو اسے ہمارے پاس پہنچا دیجیو۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے نکلے اور خلیفہ نے کہا کہ اے اسحٰق یہ بات کسی سے مت کہیو۔ چنانچہ مامون کے مرتے تک میں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ جیسی زندگی ان چاروں تک میری گزری کسی اور کی نہ گزری ہو گی کیونکہ دن کے وقت مامون کی صحبت ہوتی اور رات کے وقت خدیجہ کی۔ واللہ نہ میں نے کوئی مرد مامون کی طرح دیکھا' نہ کوئی عورت خدیجہ جیسی بلکہ سمجھ' عقل اور گفتگو میں خدیجہ کی لونڈیوں کے برابر بھی کسی کو نہ پایا۔ باقی خدا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

○ ایک اور کہانی

حج کے زمانے میں جب لوگ طواف کر رہے تھے اور بڑی بھیڑ تھی ایک شخص کعبے کا پردہ پکڑے یہ کہہ رہا تھا کہ یااللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہو کہ وہ اپنے شوہر سے

ناراض ہو جائے اور میں اپنی حسرت پوری کروں۔ جب حاجیوں نے یہ سنا تو پہلے اسے خوب مارا پھر پکڑ کر امیرالحاج کے پاس لے گئے اور امیرالحاج سے کہا کہ ہم نے اس شخص کو ان متبرک مقامات پر یہ کہتے سنا ہے۔ امیرالحاج نے اسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ وہ کہنے لگا کہ اے امیر میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں کہ پہلے میرا قصہ اور ماجرا سن لے اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ اس نے کہا کہ بیان کر۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر میں بھنگڑی ہوں' کھتے پر نوکر ہوں خون اور گندگی ادھر سے ادھر لے جانا اور لانا میرا کام ہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنے گدھے کو لادے ہوئے لیے جا رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ بھاگ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ اس گلی میں گھس جا ورنہ لوگ تجھے قتل کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ آخر معاملہ کیا ہے' بھاگ کیوں رہے ہو؟ ایک شخص بولا کہ کسی بڑے آدمی کی بیوی یہاں سے گزر رہی ہے۔ اس کے غلام رہ گیروں کو مارتے اور سب کو بھگاتے ہیں۔ اس کی پروا نہیں کرتے کہ کون ہے؟ یہ سن کر میں بھی گدھا لے کر ایک گلی کے اندر چلا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو تراسی ویں رات

جب دو سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- اس شخص نے کہا کہ میں اپنا گدھا لے کر ایک گلی میں چلا گیا اور انتظار کرنے لگا کہ

یہ بلا ٹل جائے تو اپنا راستہ لوں۔ میں نے دیکھا کہ نوکروں کے ہاتھوں میں ڈنڈے ہیں اور تقریباً تیس عورتوں کے جھرمٹ میں ایک عورت ہے بید کی شاخ کی مانند۔ پیاسے نازک غزال کی طرح سبک خرام' نہایت حسین و جمیل۔ جب وہ اس موڑ کے پاس پہنچی جہاں میں تھا تو دائیں بائیں دیکھنے لگی اور ایک غلام کو بلایا۔ غلام حاضر ہوا اس کے کان میں چپکے چپکے کچھ کہا اور غلام نے آ کر مجھے پکڑ لیا۔ اور مجھے ایک رسی سے باندھ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوئے۔ لوگ ہمارے پیچھے بلند آواز سے کہنے لگے کہ اس کی خدا نے کب اجازت دی! یہ شخص ایک غریب بھنگڑی ہے' اسے رسی سے کیوں باندھتے ہو؟ اور انھوں نے غلاموں سے بھی کہا کہ اس پر رحم کرو' بیچارے کو چھوڑ دو۔ خدا تم پر رحم کرے گا۔ مگر وہاں کون سنتا تھا؟ میں نے اپنے دل میں کہا کہ غالباً نوکروں نے مجھے اس وجہ سے گرفتار کیا ہے کہ ان کی مالکہ کو کہیں بدبو پہنچ گئی اس کا جی متلانے لگا۔ یا وہ حاملہ ہے یا بیمار لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ غرض کہ میں ان کے پیچھے پیچھے گھسٹتا ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچا وہ مجھے لے کر اس میں داخل ہو گئے اور ایک بڑے کمرے میں پہنچے جس کی میں تعریف نہیں کر سکتا۔ جس میں نہایت نفیس فرش بچھا ہوا تھا۔ سب عورتیں وہاں آئیں۔ غلام میری مشکیں کسے کھڑے تھے۔ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ وہ یہاں مجھے ضرور سزا دیں گے۔ میں مر جاؤں گا اور کسی کو میری موت کی کانوں کان خبر نہ ہو گی لیکن سزا دینے کے بدلے وہ مجھے ایک نفیس حمام میں لے گئے جو اسی محل سرا کے اندر تھا۔ میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ

تین کنیزیں اندر آئیں اور میرے اردگرد بیٹھ گئیں اور مجھ سے کہنے لگیں کہ اپنے یہ گندے چیتھڑے اتار ڈال۔ میں نے اپنے پھٹے پرانے کپڑے اتار ڈالے۔ اب ان میں سے ایک کنیز میرے پاؤں ملنے لگی اور دوسری نے سر دھونا شروع کیا اور تیسری کے ہاتھ میرے بدن کی مالش کرنے لگے۔

نہلانے دھلانے سے فارغ ہو کر انہوں نے میرے آگے پہننے کے کپڑوں کا ایک بقچہ رکھ دیا اور بولیں انہیں پہن لے۔ میں نے کہا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کپڑے کس طرح پہنے جاتے ہیں۔ اس پر انہوں نے مجھے وہ کپڑے پہنائے اور برابر میرا مذاق اڑاتی رہیں۔ اس کے بعد گلاب پاش لا کر مجھ پر گلاب چھڑکا اور میں' ان کے ساتھ وہاں سے نکل کر ایک دوسرے کمرے میں پہنچا جہاں ایسے نقش و نگار اور فرش و فروش تھے کہ ان کی خوبی مجھ سے بیان نہیں ہو سکتی۔ دیکھا کہ ایک خیزران کا تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک عورت بیٹھی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو چوراسی ویں رات

جب دو سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس شخص نے کہا کہ میں کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ خیزران کے تخت پر ایک عورت بیٹھی ہے۔ تخت کے پائے ہاتھی دانت کے ہیں اور اس عورت کے آگے بہت سے کنیزیں کھڑی ہوئی ہیں۔ اس عورت نے مجھے دیکھا تو کھڑی ہو گئی اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں قریب پہنچا تو اس نے کہا کہ بیٹھ اور میرے برابر بیٹھ۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں اور وہ میرے لیے ایسا نفیس اور اتنی قسم کا کھانا لائیں جن کا نہ میں نے عمر بھر کبھی نام سنا تھا' نہ ان کی گنتی مجھے یاد ہے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ جب کھانا بڑھایا گیا اور ہم ہاتھ دھو چکے تو اس نے میوے منگوائے۔ وہ بھی فوراً حاضر کیے گئے اور ہم دونوں نے نوش جان کیے۔ میووں سے بھی فراغت پائی تو اس نے ایک کنیز سے کہا کہ شراب نوشی کا سامان لا اور وہ جا کر مختلف رنگوں کی کوئی چیز لے آئی۔ طرح طرح کی خوشبوئیں انگیٹھیوں میں جلائی گئیں اور ایک چاند سی کنیز ہمیں شراب پلانے اور گانے بجانے لگی۔ یہاں تک کہ میں اور مکان کی مالکہ جو بیٹھی ہوئی تھی دونوں مدہوش ہو گئے میں خیال کر رہا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ اس نے بعض کنیزوں سے کہا کہ فلاں کمرے میں ہمارے لیے فرش بچھاؤ۔ وہ جا کر وہاں فرش بچھا آئیں۔ اب اس عورت نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس کمرے میں لے گئی جہاں فرش بچھایا گیا تھا اور ہم دونوں ساتھ صبح تک سوئے۔ جب میں اسے سینے سے لگاتا تو اس سے مشک اور عطر کی خوشبو آتی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ میں جنت میں ہوں یا خواب کی کیفیت طاری ہے۔ سویرا ہوا تو اس نے پوچھا کہ تیرا مکان کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ فلاں محلے میں۔ اس کے بعد اس نے مجھے رخصت کیا اور ایک رومال دیا جس پر سونے چاندی کا کام

تھا اور اس میں کچھ بندھا ہوا تھا اور کہنے لگی کہ یہ تیرے حمام جانے کا خرچ ہے۔
میں خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اس میں پانچ ٹکے بھی ہوں گے

تو وہ میرے آج کے ناشتے کے لیے کافی ہیں۔
اب میں اس کے پاس سے نکلا گویا جنت سے باہر آیا اور اپنی جھونپڑی میں پہنچ کر رومال کھولا تو دیکھا کہ اس کے اندر پچاس مثقال سونا ہے۔ میں نے اسے زمین میں گاڑ دیا اور دو فلوس کی روٹی اور سالن خرید کر ناشتہ کرنے دروازے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔
اسی حالت میں عصر کا وقت آ گیا۔ اتنے میں ایک کنیز آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ تجھے بلاتی ہے۔ میں ڈیوڑھی کے دروازے تک اس کے ساتھ گیا اور وہ اندر جا کر اجازت لائی۔ میں نے مکان میں داخل ہو کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ اور کھانا اور شراب منگوائی۔ کھانا پینا ہنسی مذاق ہوتا رہا اور گزشتہ رات کی طرح اس کے ساتھ سویا۔ جب سویرا ہوا تو اس نے مجھے ایک اور رومال دیا جس میں پچاس مثقال سونا تھا۔ میں نے اسے بھی لے کر اپنی جھونپڑی میں دفن کر دیا۔ سات دن تک یہی صورت رہی کہ میں روزانہ عصر کے وقت اس کے پاس جاتا اور علی الصباح اس سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آتا۔ آٹھویں دن' رات کے وقت سونے کی تیاری تھی کہ ایک کنیز دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اٹھ اور اس بالا خانے پر چلا جا۔ بالاخانے پر پہنچا تو وہاں سے گلی دکھائی دیتی تھی۔ وہاں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شور و غل اٹھا اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ بالاخانے پر ایک کھڑکی تھی جہاں سے دروازہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کھڑکی میں سے میں نے دیکھا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک جوان سوار چلا آ رہا ہے۔ آگے آگے اس کے غلام اور پیچھے پیچھے لشکری ہیں۔ دروازے کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور مکان میں آ کر کمرے کے اندر گیا۔ دیکھا کہ وہ عورت تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔
پہلے اس نے اس سے کوئی بات نہ کی اور وہ برابر خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو منا لیا اور اس رات وہ اس کے ساتھ سویا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو پچاسی ویں رات

دو سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکی کے شوہر نے اسے منا لیا تو وہ باقی رات اس کے ساتھ سویا۔ صبح کی اذانیں ہونے لگیں

تو پھر لشکری اس کے پاس پہنچے اور وہ دروازے سے نکل کر سوار ہو گیا۔ اب وہ میرے پاس اوپر آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ تو نے اسے دیکھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ وہ میرا شوہر ہے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ایک دن ہم دونوں اپنے مکان کے اندر باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ میرے پاس سے اٹھ کر چل دیا اور دیر تک غائب رہا۔ جب اسے دیر ہو گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا شاید وہ پاخانے گیا ہو گا۔ میں اٹھ کر پاخانے پہنچی لیکن اسے وہاں نہ پایا۔ اس کے بعد میں باورچی خانے گئی اور میری نظر ایک کنیز پر پڑی۔ میں نے اپنے شوہر کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے اشارے سے بتایا اور میں نے دیکھا کہ وہ باورچی خانے کی ایک لونڈی کو لیے پڑا ہے۔ اس پر میں نے قسم کھائی کہ میں بھی ضرور ایک ایسے شخص کے ساتھ زنا کروں گی جو سب سے زیادہ گندہ اور پلید ہو۔ جس روز غلام نے تجھے پکڑا ہے مجھے شہر میں ایسے شخص کو ڈھونڈتے چار دن ہو چکے تھے مگر مجھے تجھ سے زیادہ گندہ اور پلید نہ ملا تھا۔ اس لیے میں نے تجھے بلوا بھیجا اور تقدیر میں جو ہونا تھا ہوا۔ اب میں نے جو قسم کھائی تھی پوری کر لی ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ جب میرا شوہر پھر لونڈی کے ساتھ لیٹے گا اور اس سے ہم بستر ہو گا تو میں بھی تجھے بلا کر پھر وہی کچھ کروں گی۔ جب میں نے اسے یہ کہتے سنا اور اس کی نظروں کے تیر میرے دل پر چلنے لگے تو میں اتنا رویا کہ میرے پپوٹے زخمی ہو گئے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ چلا جا۔ مجھے چار سو مثقال سونا مل چکا تھا میں اسے خرچ کر رہا ہوں اور یہاں آیا ہوں تا کہ خدا

سے دعا کروں کہ اس کا شوہر ایک بار اور لونڈی کے پاس جائے اور میری پھر وہی پہلی سی حالت ہو۔ امیر الحاج نے اس شخص کا قصہ سنا تو اسے چھوڑ دیا اور حاضرین سے کہا کہ خدا کے لیے اس کے واسطے دعا کرو' اس لیے کہ وہ معذور ہے۔

○ خلیفہ ہارون الرشید اور دوسرے خلیفہ کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کا جی بہت گھبرا رہا تھا۔ اس ے اپنے وزیر جعفر برمکی کو بلا کر کہا کہ آج رات مجھے سخت گھبراہٹ ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ بغداد کے گلی کوچوں کی سیر کروں اور لوگوں کی حالت دیکھوں لیکن شرط یہ ہے کہ ہم سب سوداگروں کا بھیس بدل لیں تا کہ ہمیں کوئی شخص پہچان نہ سکے۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ خلیفہ نے بھی شاہانہ پوشاک اتار کر سوداگروں کا لباس پہن لیا۔ یہ تین شخص تھے: خلیفہ' جعفر اور مسرور جلاد۔ وہ جگہ جگہ سیر کرتے پھرتے پھراتے دجلے پر پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو ایک کشتی میں بیٹھا دیکھا۔ اس کے پاس جا کر اسے سلام کیا اور کہنے لگے کہ بڑے میاں تیرا بڑا احسان و کرم ہو گا اگر تو ہمیں اپنی کشتی میں بٹھا کر سیر کرا لائے۔ لے یہ دینار تیری اجرت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو چھیاسی ویں رات

دو سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب انہوں نے بوڑھے سے کہا کہ ہم تیری کشتی میں بیٹھ کر سیر کرنا چاہتے ہیں اور اسے دینار دیا تو اس نے کہا کہ کس کی مجال ہے کہ جو اس وقت کشی میں بیٹھ کر سیر کرے۔ خلیفہ ہارون الرشید ہر رات اپنے بجرے میں بیٹھ کر دجلے میں آتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ڈھنڈورا پیٹنے والا ڈھنڈورا پیٹتا ہے کہ اے لوگو بڑے یا چھوٹے خاص ہو یا عام' بچے ہو یا جوان جو کوئی کشتی میں بیٹھ کر دجلے میں آئے گا' میں اس کی گردن اڑا دوں گا یا کشتی کے مستول پر الٹا لٹکا دوں گا۔ اس وقت اگر تم کشتی میں بیٹھے تو ضرور تمہاری اور اس کی مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ اس کا بجرا آنے والا ہے۔ خلیفہ اور جعفر نے کہا بڑے میاں یہ دو دینار لے اور ہمیں ان محرابوں میں سے ایک کے اندر لے چل تاکہ ہم خلیفہ کے بجرے کو گزرتے ہوئے دیکھ سکیں۔ بوڑھا بولا کہ اچھا لاؤ دینار دو اور خدا پر بھروسہ کرو۔ دینار لے کر وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک بجرا بیچ دجلے میں سے آتا ہوا نظر آیا جس میں شمعیں اور مشعلیں جل رہی تھیں۔ بوڑھے نے کہا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ خلیفہ ہر رات کشتی میں آتا ہے اور پھر کہنے لگا کہ اے پردہ پوش خدا پردہ دری نہ کیجیو اور انہیں لے کر ایک محراب میں گھس گیا اور ان پر ایک سیاہ چادر ڈال دی۔ وہ چادر کے نیچے سے دیکھنے لگے۔

انہوں نے دیکھا کہ بجرے کے آگے کے حصے میں ایک شخص ہے جس کے ہاتھ میں سرخ سونے کی ایک مشعل ہے جسے وہ قاقلی عود سے روشن کرتا جاتا ہے۔ یہ شخص سرخ اطلس کی قبا پہنے ہوئے ہے اور اس کے ایک کندھے پر ایک زرد رنگ کی زردوزی چادر پڑی ہوئی ہے اور سر پر موصلی پگڑی۔ دوسرے کندھے پر ریشم کا ایک تھیلا ہے

جس میں قاقلی عود بھرا ہوا ہے۔ ہجرے کے پچھلے حصے میں ایک ایسا ہی لباس پہنے اور ایسی ہی مشعل لیے ایک دوسرا شخص کھڑا دیکھا۔ ہجرے کے اندر دو سو غلام دائیں بائیں کھڑے نظر آ رہے ہیں اور ان غلاموں کے حلقے میں سرخ سونے کی ایک کرسی رکھی ہوئی ہے اور اس پر چاند سا خوبصورت جوان بیٹھا ہوا ہے۔ سیاہ لباس پہنے جس پر زرد سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے وزیر جعفر جیسا ایک شخص بیٹھا ہے اور اس کے پیچھے ایک دوسرا شخص کھڑا ہے جس کی شکل مسرور سے ملتی جلتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ ان کے علاوہ بیس اور ندیم ہیں۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ اے جعفر! اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین حاضر ہوں۔

خلیفہ نے کہا کہ شاید میرے بیٹوں میں سے کوئی ہے۔ مامون یا امین۔ اب اس نے جوان کو غور سے دیکھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دیکھا کہ اس کا حسن و جمال اور قد و قامت لاجواب ہے۔ غور سے دیکھنے کے بعد وہ وزیر کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے جعفر۔ اس نے جواب دیا کہ لبیک! اس نے کہا کہ اس شخص کی شکل جو بیٹھا ہوا ہے بالکل میری سی ہے اور جو شخص اس کے سامنے ہے وہ تیری طرح ہے اور جو نوکر اس کے پیچھے کھڑا ہے ہو بہو مسرور معلوم ہوتا ہے اور یہ ندیم ایسے ہیں جیسے خود میرے ندیم۔ میری عقل دنگ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو ستاسی ویں رات

جو دو سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ یہ دیکھ کر دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے جعفر واللہ میں اس بات سے سخت حیران ہوں۔ جعفر بولا واللہ اے امیرالمومنین میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ اتنے میں بجرا چلتے چلتے نظر سے غائب ہو گیا اور بوڑھا اپنی کشتی لے کر چل دیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا ہماری کس سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور ہم صحیح و سلامت نکل آئے۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں کیا خلیفہ ہر رات دجلے میں آیا کرتا ہے؟ اس نے کہا' ہاں میرے آقا اور اسی حالت میں ایک سال ہو چکا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں تیری بڑی مہربانی ہوں گی اگر تو کل رات یہیں ہمارا انتظار کرے۔ ہم تجھے پانچ دینار دیں گے۔ ہم پردیسی ہیں۔ سیر کرنے آئے ہیں اور الخندق میں رہتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد خلیفہ اور جعفر اور مسرور بوڑھے کے پاس سے چل دیئے اور محل پہنچ کر سوداگروں کا لباس اتار ڈالا اور شاہی کپڑے پہن لیے اور اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھ گئے۔ امراء' وزرا' حاجب اور عامل آئے۔ دربار منعقد ہوا۔ جب دن ختم ہوا اور سب نے اٹھ کر اپنی اپنی راہ لی تو خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ اے جعفر چل دوسرے خلیفہ کا تماشہ دیکھیں۔ اس پر جعفر اور مسرور ہنس پڑے اور سوداگروں کا لباس پہن کر نہایت خوش خوش چور دروازے سے نکل کر روانہ ہو گئے۔ جب وہ دجلے پر پہنچے تو دیکھا کہ بوڑھا کشتی لیے ان کا انتظار کر رہا ہے۔ یہ تینوں کشتی میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ دوسرے خلیفہ کا بجرا ان کے سامنے آ گیا۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا تو اس میں کل کے علاوہ دوسرے دو سو غلام تھے اور ڈھنڈورا پیٹنے والے ہی ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے۔ خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر میں ان کو سن لیتا تو ہرگز یقین نہ کرتا لیکن اب میں انہیں

خود آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد خلیفہ ے کشتی بان سے کہا بڈھے یہ دس دینار لے اور ہماری کشتی کو ان کے پہلو بہ پہلو لے چل۔ وہ روشنی میں ہیں اور ہم اندھیرے میں۔ ہم ان کا تماشہ دیکھیں گے اور وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں گے۔ بوڑھے نے وہ دس دینار لیے اور اپنی کشتی کو ان کے پہلو میں لگا دیا اور اس بجرے کے سائے میں کھینے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ◯ ○

- دو سو اٹھاسی ویں رات

جب دو سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ ہارون الرشید نے بوڑھے سے کہا کہ یہ دس دینار لے اور ان کے پہلو بہ پہلو چل۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم اور دینار لے کر انہیں لے چلا اور بجرے کے سائے میں باغوں تک جا پہنچا۔ وہ باغوں تک پہنچ گئے تو انہیں ایک بڑا کٹہرا نظر آیا۔ بجرا ٹھہر گیا۔ وہاں کئی غلام ایک خچر کو لیے کھڑے تھے جس پر زین کسا ہوا تھا۔ دوسرا خلیفہ نیچے اتر کر خچر پر سوار ہوا اور اپنے ندیموں کے ساتھ آگے بڑھا' منادی کرنے والے منادی کرنے لگے' نوکر چاکر اپنے دھندوں میں مشغول تھے۔ ہارون الرشید اور جعفر اور مسرور بھی خشکی پر اترے اور غلاموں کو چیرتے پھاڑتے ان کے آگے نکل گئے۔ اب مشعل برداروں کی نظر ان پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ تین شخص ان کے ساتھ ہیں جو سوداگروں کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور پردیسی ہیں۔ انہیں یہ برا معلوم ہوا اور انہوں نے ان کو اشارے سے بلا کر دوسرے خلیفہ کے سامنے حاضر کیا۔ جب اس نے انہیں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تم اس جگہ کیسے آئے ہو اور اس وقت یہاں پہنچنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے آقا ہم پردیسی سوداگر ہیں اور آج ہی ہمارا یہاں آنا ہوا ہے۔ رات کو سیر کرنے نکلے تھے کہ ان لوگوں نے ہمیں پکڑ لیا۔ اور تیرے آگے لا کھڑا کیا۔ بس یہی ہے ہمارا قصہ۔

دوسرے خلیفہ نے کہا کہ ڈرو نہیں کیونکہ تم پردیسی ہو۔ اگر تم بغداد کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد اپنے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ انہیں اپنے ساتھ رکھ وہ آج ہمارے مہمان ہیں۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے ہمارے آقا۔ اب وہ انہیں ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ ایک محل کے پاس پہنچا جو نہایت خوبصورت' عظیم الشان اور ایسا مضبوط تھا کہ کسی بادشاہ

کے پاس نہ ہو گا اور زمین سے لے کر بادلوں تک بلند اس کا دروازہ ساگوان کی لکڑی کا تھا اور اس میں چمک دار سونے کی پچی کاری تھی۔ اس محل میں داخل ہوتے ہی ایک ایوان دکھائی دیا جس میں ایک حوض تھا جس کے چاروں طرف پشتے بنے ہوئے تھے۔ ایوان میں فرش بچھے ہوئے' تکیے رکھے ہوئے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ فرش اس قدر صاف تھا کہ عقل دنگ ہو جائے اور زبان اس کی تعریف نہ کر سکے۔

سب لوگ وہاں داخل ہوئے اور دوسرا خلیفہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا جو سونے کی تھی اور جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اور جس کے اوپر زرد ریشم کا سجادہ بچھا ہوا تھا۔ ندیم بیٹھ گئے اور جلاد دوسرے خلیفہ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر دسترخوان بچھایا۔ جب وہ کھا چکے تو برتن بڑھائے گئے۔ لوگوں نے ہاتھ دھوئے اور شراب نوشی کا سامان آیا' صراحیاں اور پیالے ایک قطار میں رکھے۔ دور چلنا شروع ہوا اور چلتے چلتے خلیفہ ہارون الرشید تک پہنچا لیکن اس نے پینے سے انکار کیا۔ دوسرے خلیفہ نے جعفر سے پوچھا کہ تیرا دوست کیوں نہیں پیتا۔ وہ بولا اے میرے آقا' اس نے مدت سے اس کا پینا ترک کر دیا ہے۔ دوسرے خلیفہ نے کہا کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور بھی پینے کی چیز ہے جو تیرے دوست کے قابل ہے اور وہ سیب کا شربت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے منگوایا جو فوراً حاضر کیا گیا۔ دوسرے خلیفہ نے ہارون الرشید کے پاس جا کر کہا کہ جب دور تیرے پاس آئے تو تو اس میں سے پیجیو۔ وہ پیتے اور لطف اٹھاتے اور ایک دوسرے کو جام دیتے رہے یہاں تک کہ شراب نے انہیں رنگ لیا اور ان پر غالب آ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو نواسی ویں رات

جب دو سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ دوسرا خلیفہ اور اس کے ساتھی برابر پیتے رہے یہاں تک کہ شراب نے انہیں رنگ لیا اور ان کی عقل زائل کر دی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر سے کہا کہ اے جعفر واللہ میرے پاس بھی ایسا سامان نہیں ہے۔ کاش کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ جوان کون ہے اور اسی طرح چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے کہ جوان ان کی طرف متوجہ ہوا اور دیکھا کہ وزیر اور خلیفہ کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ کہنے لگا کہ کانا پھوسی کرنا بری بات ہے۔ وزیر نے کہا کہ کوئی بری بات نہیں ہو رہی ہے۔ میرا یہ ساتھی محض یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اکثر ملکوں کی سیر کی ہے اور بڑے بڑے بادشاہوں کی صحبت میں رہا ہوں' لشکروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے' میں نے کہیں نہ ایسا عمدہ انتظام دیکھا اور نہ ایسی لطف کی رات گزاری لیکن بغداد والے کہتے ہیں کہ شراب بے گانے بجانے کے سر میں درد پیدا کر دیتی ہے۔ یہ سن کر دوسرا خلیفہ مسکرانے لگا اور خوش ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا وہ اس نے ایک گھڑیال پر مارا فوراً ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر برآمد ہوا جس کے پاس ایک ہاتھی دانت کی کرسی تھی جس پر سونے کا کام تھا اس کے پیچھے ایک لڑکی تھی جو حسن و جمال میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ نوکر نے کرسی رکھ دی اور وہ لڑکی اس پر بیٹھ گئی جیسے کہ آسمان پر چمک دار سورج۔ اس کے ہاتھ میں ایک ساز تھا جسے ہندوستانی کاری گروں کی دستکاری کہنا چاہیے۔ اس نے وہ ساز اپنی گود میں رکھا اور اس پر اس طرح جھکی جیسے ماں بچے کے اوپر اور تمہید کے بعد چوبیس راگ سنائے اس خوبی کے ساتھ کہ لوگوں کی عقلیں دنگ ہو گئیں۔

راگوں کا سننا تھا کہ دوسرے خلیفہ نے ایک چیخ ماری اور اپنے لباس کو دامن تک پھاڑتا

چلا گیا۔ لوگوں نے اس پر پردہ گرا دیا اور دوسرا لباس لائے جو پہلے سے زیادہ خوبصورت تھا اور وہ اسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آ کر بیٹھ گیا۔ اب جب دوبارہ دور اس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر ڈنڈا گھڑیال پر مارا اور فوراً دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر سونے کی کرسی لیے نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکی جو پہلی سے بھی زیادہ حسین تھی' ہاتھ میں دوسرا ساز لیے ہوئے آئی جسے اگر حاسد دیکھ لیں تو ان کے دل میں آگ لگ جائے اور وہ گانے بجانے لگی۔ اس کا گانا سن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور دامن تک اپنے کپڑے چاک کر دیئے۔ پھر اس پر پردہ گرا دیا گیا اور لوگ دوسری پوشاک لائے اور وہ اسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آ بیٹھا۔ مزے مزے کی باتیں کرنے لگا۔ جب پھر دور اس تک پہنچا تو پھر اس نے گھڑیال بجایا اور ایک خادم نکلا جس کے پیچھے پیچھے لڑکی تھی جو پہلی دونوں لڑکیوں سے زیادہ حسین تھی۔ خادم اپنے ساتھ ایک کرسی لایا تھا جس پر وہ بیٹھ گئی اس کے ہاتھ میں ایک تیسری قسم کا ساز تھا۔ جس کے تار ملا کر وہ گانے لگی۔ جوان نے پھر چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ لوگ پھر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لائے اور وہ پھر اپنے ندیموں کے ساتھ آ بیٹھا اور دور چلنے لگا۔ جب پیالہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر گھڑیال پر چوٹ ماری۔ دروازہ کھلا اور ایک غلام کرسی لے کر آیا اور ایک لڑکی پیچھے پیچھے آئی۔ غلام نے کرسی بچھا دی اور لڑکی نے بیٹھ کر ساز لیا اور گانا شروع کیا۔ دوسرے خلیفہ کا پھر وہی حال ہوا چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو نوے ویں رات

جب دو سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ دوسرے خلیفہ نے لڑکی کا گانا سن کر پھر زور سے چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لوگ چاہتے تھے کہ پردہ گرا دیں لیکن رسی رک گئی اور ہارون الرشید کی نظر اس پر جا پڑی اس نے دیکھا کہ اس کے بدن پر کوڑوں کی مار کے نشان ہیں۔ ہارون الرشید نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ جعفر واللہ یہ بڑا خوبصورت جوان ہے مگر بڑا شاطر چور معلوم ہوتا ہے۔ جعفر بولا' امیرالمومنین یہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ کیا تو نے اس کے دونوں پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان نہیں دیکھے؟ اتنے میں لوگ اس پر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لے آئے تھے اور وہ انہیں پہن کر پہلے کی طرح اپنے ندیموں میں آ بیٹھا۔ اب اس کی توجہ خلیفہ اور جعفر کی طرف مبذول ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ دونوں کانا پھوسی کر رہے ہیں وہ ان سے کہنے لگا کہ اے جوانو یہ کیا ماجرا ہے؟ جعفر نے کہا کہ اے ہمارے آقا خیریت ہے لیکن یہ بات تجھ سے پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ یہ میرا ساتھی سوداگر ہے اور ہر ملک اور شہر میں گیا ہے اور بادشاہوں اور دوسرے بڑے لوگوں کی صحبت میں رہا ہے وہ کہتا ہے کہ جو کچھ آج ہمارے آقا خلیفہ نے کیا بڑی فضول خرچی ہے۔ میں نے کسی ملک میں کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا کیونکہ اس نے ایسے لباس پھاڑ ڈالے جن کی قیمت ایک ایک ہزار دینار ہو گی۔ دوسرے خلیفہ نے کہا کہ یہ مال میرا مال ہے اور لباس میرا لباس ہے اور یہ ایک معمولی سا انعام ہے جو میں اپنے نوکروں چاکروں کو دیا کرتا ہوں۔ ہر لباس جسے میں نے پھاڑا ہے کسی نہ کسی حاضر باش ندیم کے لیے ہے۔ میرا یہ حکم ہے کہ ہر لباس کے ساتھ انہیں پانچ سو دینار نقد بھی دیئے جایا کریں۔ وزیر جعفر بولا کہ خوب اے ہمارے آقا اور یہ دو شعر پڑھے "نیکیوں نے اپنا گھر تیری ہتھیلیوں

میں بنایا ہے اور تو نے اپنا مال لوگوں پر حلال کر دیا ہے۔ اگر نیکیوں کے دروازے بند ہو جائیں تو ان کے قفلوں کی کنجیاں تیرے دونوں ہاتھ ہیں۔"

جوان نے یہ دونوں شعر جعفر سے سنے تو حکم دیا کہ اسے ایک پوشاک اور ایک ہزار دینار عطا کئے جائیں۔ اب پھر دور چلنے لگے اور انہیں شراب میں لطف آنے لگا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ اے جعفر پوچھ تو سہی کہ اس کے بدن پر مار کے نشان کیسے ہیں؟ معلوم ہو کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ جعفر نے عرض کیا کہ اے ہمارے آقا جلدی نہ کر۔ ذرا ٹھہر جا صبر کرنا بہتر ہے۔ خلیفہ بولا قسم ہے اپنے سر کی اور عباس کی قبر کی اگر تو نے نہ پوچھا تو میں تیری جان نکال لوں گا۔ اتنے میں جوان وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا تجھے اور تیرے رفیق کو کیا ہو گیا' تم کانا پھوسی کیے جاتے ہو؟ اپنی باتیں مجھے بھی سناؤ۔ وزیر نے کہا خیر ہے۔ جوان نے کہا کہ خدا کے واسطے کہو اور مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ وزیر کہنے لگا کہ اے میرے آقا اس نے تیرے دونوں پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان دیکھے ہیں۔ اسے سخت تعجب ہے کہتا ہے کہ خلیفہ پر کیسے مار پڑ سکتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا سبب دریافت کرے جب جوان نے یہ سنا تو مسکرا کر بولا کہ سنو میرا ماجرا عجیب و غریب ہے۔ اگر وہ سوئیوں سے آنکھوں کے کونوں میں لکھا جائے تو عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ سنو اے میرے آقاؤ میں امیرالمومنین نہیں ہوں بلکہ میں نے اپنا یہ نام رکھ لیا ہے تا کہ شہر والوں سے جو میں چاہوں' مل جائے۔ میرا نام تو محمد علی بن علی جوہری ہے۔ میرا باپ بڑے امیر لوگوں میں سے تھا۔ اس نے ترکے میں بے حد سونا' چاندی' موتی' مرجان' یاقوت' زبرجد اور دوسرے جواہرات' جاگیریں' حمام' پڑاوے' باغ' دکانیں' بے شمار اینٹیں بنانے والے غلام اور کنیزیں چھوڑی تھیں۔

ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا اور نوکر چاکر میرے اردگرد تھے کہ ایک لڑکی خچر پر سوار تین ماہ رو کنیزوں کو ساتھ لیے آئی۔ میرے قریب پہنچ کر وہ اتر پڑی۔ دکان پر میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اور مجھ سے کہنے لگی کہ تیرا

ہی نام محمد علی جوہری ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں وہ تیرا مملوک اور غلام' میں ہی ہوں۔ وہ بولی کیا تیرے پاس کوئی جواہرات کا ہار ہے جو میرے قابل ہو؟ میں نے کہا کہ اے میری آقا جو کچھ میرے پاس ہے پیش کرتا ہوں' اگر ان میں سے کچھ تجھے پسند آیا تو یہ تیرے غلام کے لیے سعادت کا باعث ہے اور اگر پسند نہ آیا تو میری بدقسمتی کی علامت۔ میرے پاس جواہرات کے سو ہار تھے۔ میں نے سب اس کے آگے پیش کیے لیکن ان میں سے اسے کوئی پسند نہ آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں ان سے بہتر چاہتی ہوں۔ میرے پاس ایک اور چھوٹا سا ہار تھا جسے میرے باپ نے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا اور جس کی نظیر کسی بڑے بادشاہ کے پاس بھی نہ ہو گی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میری آقا ایک نگوں اور جواہرات کا ہار اور میرے پاس ہے جس کی مثل نہ کسی بڑے کے پاس ہو گی نہ چھوٹے کے۔ اس نے کہا دکھا۔ جب اس نے اسے دیکھا تو کہنے لگی کہ بس ایسا ہی چاہتی تھی اور ایسے ہی ہار کی تمنا مجھے عمر بھر رہی۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی قیمت؟ میں بولا کہ میرے باپ نے اسے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا۔ اس نے کہا کہ اور تیرا فائدہ پانچ ہزار دینار؟ میں نے عرض کیا کہ اے میری آقا ہار اور ہار کا مالک دونوں تیرے ہیں اور میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ اس نے کہا کہ تجھے فائدہ ضرور لینا ہو گا اور اس کے علاوہ میں تیری ممنون رہوں گی۔ یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھرتی سے خچر پر بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگی اے میرے آقا بسم اللہ میرے ساتھ چل کر قیمت لے آ کیونکہ آج کا دن تیرے لیے مثل دودھ کے سفید ہے۔

میں نے اٹھ کر دوکان میں قفل لگایا اور فی امان اللہ کہہ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ امارات کے نشان نمودار ہیں۔ مکان کا دروازہ سونے' چاندی اور لاجورد کا ہے۔ لڑکی اتر کر گھر میں چلی گئی اور مجھ سے کہا کہ دروازے کے چبوترے پر بیٹھ۔ میں وہاں کچھ دیر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک کنیز باہر آئی اور مجھ سے بولی اندر چل یہاں تیرا دروازے پر بیٹھنا برا معلوم ہوتا ہے۔ میں مکان کے اندر

جا کر چوکی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ ایک کنیز آئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا میری مالکہ کہتی ہے کہ اندر ایوان کے دروازے پر آ اور قیمت لے لے۔ اب میں وہاں سے اٹھ کر اندر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی بچھی ہوئی ہے اور اس پر ریشم کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ پردہ اٹھا اور وہ لڑکی نظر آئی جس نے مجھ سے ہار خریدا تھا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور چاند کے دائرے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ ہار اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ لڑکی کا حسن و جمال دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ مجھے دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میری طرف دوڑی اور کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور کیا تیری طرح ہر خوبصورت اپنی محبوبہ پر ترس نہیں کھاتا؟ میں نے کہا اے میری آقا حسن تو جان و دل سے تیرا ہے۔ تو نے یہ کیا کہا۔ وہ بولی اے جوہری میں تجھ پر مرتی ہوں اور مجھے اب تک یقین نہیں آتا کہ میں تجھے اپنے ساتھ یہاں لائی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا۔ میں نے بھی اس کا بوسہ لیا پھر اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- **دو سو اکیانوے ویں رات**

جب دو سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوہری نے کہا کہ وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا' مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا اور میری حالت دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ میں اس کے وصال کا طالب ہوں۔ مجھ سے کہنے لگی اے میرے آقا کیا تو چاہتا ہے کہ مجھ سے حرام کاری کرے۔ واللہ نیست و نابود ہو وہ شخص جو اس قسم کے گناہ کا مرتکب ہو یا ایسی بری بات زبان پر لائے! میں کنواری ہوں اور باکرہ۔ کوئی مرد میرے پاس اب تک نہیں آیا ہے اور شہر میں ہر ایک مجھے جانتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟ میں نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں' اے میری آقا۔ اس نے کہا کہ میں وزیر زادی ہوں۔ میرا نام دینا بنت یحییٰ بن خالد برمکی ہے اور میرا بھائی خلیفہ کا وزیر جعفر ہے۔ یہ سنا تو میں جھجک گیا اور اس سے کہا کہ اے میری آقا میری دراز دستی میں میرا کوئی گناہ نہیں۔ تو نے خود مجھے اپنے پاس بلا کر اپنے وصال کا خواہش مند کیا۔ اس نے کہا کہ گھبرا نہیں۔ تیرا مقصد پورا ہو کر رہے گا مگر خدا کی رضا مندی کے ساتھ کیونکہ میں خود مختار ہوں اور قاضی میرا نکاح کر دے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں تیری بیوی اور تو' میرا شوہر ہو۔ یہ کہہ کر اس نے قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور خوب تیاری کی۔ جب وہ آئے تو لڑکی نے کہا کہ محمد علی بن جوہری مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ مہر میں اس نے مجھے یہ ہار دیا ہے اور میں نے قبول کر لیا ہے۔ میں راضی ہوں۔ انہوں نے میرا نکاح نامہ اس کے ساتھ لکھ دیا اور میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ مئے نوشی کا سامان لایا گیا۔ جام چلنے لگے۔ ہر کام نہایت سلیقے سے ہو رہا تھا۔ نشہ چڑھنے لگا تو اس نے ایک مغنیہ کنیز کو گانے بجانے کا حکم دیا۔ اس کنیز نے ساز چھیڑ کر گانا شروع کر دیا اور ایسا عمدہ گایا بجایا کہ واہ وا۔ ایک کنیز کے بعد دوسری گاتی بجاتی رہی۔ دس

کنیزیں گا بجا چکیں تو وزیر زادی دینا نے خود ساز لے کر بجانا شروع کیا اور اس رنگ سے بجایا کہ سب دنگ ہو گئے۔ اس نے ساز رکھا تو میں نے اٹھا لیا اور طرح طرح کے راگ نکالے۔ میرے راگ سن کر وہ بہت خوش ہوئی اور اس کے بعد اس نے کنیزوں کو برخاست کیا اور ہم دونوں ایک خوبصورت کمرے میں گئے جہاں رنگ برنگ کے فرش بچھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ جس طرح کہ عاشق ہوا کرتے ہیں۔ میں نے بڑا لطف اٹھایا۔ اس سے زیادہ خوشی کی رات مجھے زندگی میں کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• دو سو بانوے ویں رات

دو سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ------- محمد بن علی جوہری کا بیان ہے کہ میں نے وزیر زادی دینا بنت یحییٰ بن خالد برمکی سے ہم بستری کی اور اس طرح میں پورے مہینے بھر تک اس کے ساتھ رہا۔ دکان' مکان اور خاندان کے پاس تک نہ پھٹکا۔ ایک روز اس نے مجھ سے کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور' اے میرے آقا محمد میں آج حمام جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ تو اس تخت پر بیٹھا رہیو اور جب تک میں لوٹ نہ آؤں یہاں سے نہ اٹھیو۔ اس نے مجھے قسم دی۔ میں نے تعمیل حکم کا وعدہ کیا پھر اس نے دوبارہ قسم دی کہ میں اپنی جگہ سے نہ ہٹوں اور اپنی کنیزوں کو لے کر حمام چلی گئی۔ اے میرے دوستو یقین کرو کہ وہ ابھی گلی کے دوسرے کنارے پر پہنچی ہو گی کہ دروازہ کھلا اور ایک بڑھیا اندر آئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا محمد شہزادی زبیدہ تجھے یاد کرتی ہے۔ اس نے تیرے ادب و تمیز' ظرافت اور نغمہ سرائی کی تعریف سنی ہے۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز یہاں سے نہ اٹھوں گا جب تک کہ وزیر زادی دینا نہ آ جائے۔ بڑھیا بولی اے میرے آقا شہزادی زبیدہ کو ناراض نہ کر اور اسے اپنا دشمن نہ بنا۔ اس سے دو دو باتیں کر کے ابھی لوٹ آئیو۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ بڑھیا میرے آگے آگے تھی حتیٰ کہ میں شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ گیا۔ جب وہاں پہنچا تو اس نے پوچھا کہ اے میری آنکھوں کے نور کیا تو ہی وزیر زادی دینا کا معشوق ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں تیرا بندہ اور غلام ہوں۔ اس نے کہا کہ جس نے تیرے حسن و جمال اور ادب و کمال کی تعریف کی ہے جھوٹ نہیں بولا تو' ہر تعریف سے برتر ہے لیکن اپنا گانا بھی ذرا مجھے سنا دے۔ میں نے کہا بسرو چشم۔

اس نے مجھے ساز دیا اور میں گانے بجانے لگا۔ جب میں گا بجا چکا تو وہ بولی کہ خدا

تجھے اور تیری آواز کو صحیح سلامت رکھے تو ادب و آداب حسن اور گانے بجانے سب میں کمال رکھتا ہے۔ اب اپنے گھر جا اگر وزیر زادی دینا آ گئی اور تجھے نہ پایا تو وہ تجھ سے ناراض ہو گی۔ میں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور بڑھیا کے ساتھ روانہ ہو گیا اور دروازے پر پہنچ گیا جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ اندر تخت کے پاس جا کر میں نے دیکھا کہ وہ حمام سے آ گئی ہے اور تخت پر سو رہی ہے۔ میں پائنتی بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پاؤں کھینچ لیے اور اس زور سے لات ماری کہ میں تخت پر سے گر پڑا اور مجھ سے کہنے لگی کہ اے خائن تو نے قسم توڑ دی اور دغابازی کی۔ تو نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ اٹھے گا مگر اس کے خلاف کیا اور شہزادی زبیدہ کے پاس گیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے بدنامی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کا محل ڈھا کر اسے اس کے نیچے دفن کر دیتی۔ اس کے بعد اس نے اپنے غلام سے کہا کہ اے صواب اٹھ اور اس خائن دروغ گو کی گردن اڑا دے۔ اب یہ میرے کام کا نہیں۔ غلام آگے بڑھا۔ اپنے دامن میں سے ایک دھجی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- دو سو ترانوے ویں رات

جب دو سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- محمد جوہری نے بیان کیا کہ غلام بڑھا اور اپنے دامن سے ایک دھجی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے کہ بڑی چھوٹی سب کنیزیں دوڑ پڑیں اور کہنے لگیں' اے ہماری آقا یہ پہلا شخص نہیں ہے جس نے جرم کیا ہے' اسے تیری عادت کی خبر نہ تھی اور اس نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ قتل کا سزاوار ہو۔ وہ بولی بہرحال میں کم از کم اس کے اوپر کوئی نشان ضرور چھوڑوں گی اور حکم دیا کہ مجھے کوڑے لگائے جائیں اور انھوں نے میری پسلیوں کو ادھیڑ دیا۔ یہ جو تم نے دیکھا ہے اسی مار کے نشان ہیں۔ کوڑے پڑ چکے تو اس نے حکم دیا کہ وہ مجھے باہر نکال دیں اور وہ مجھے باہر لے جا کر محل سے دور پھینک آئے۔ میں مشکل سے آہستہ آہستہ چل کر اپنے مکان میں پہنچا اور جراح کر بلا کر اسے مار کے نشان دکھائے۔ اس نے مجھے تسلی دی اور میرا علاج کرنے لگا۔ جب مجھے آرام ہوا میرا درد اور مرض جاتا رہا اور میں نے صحت کا غسل کیا تو میں دکان گیا۔ سارا مال بیچ ڈالا اور اس کے دام جمع کر کے چار سو غلام خریدے جو کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر روز دو سو میرے ساتھ سوار ہوتے ہیں۔ میں نے پانچ ہزار دینار خرچ کر کے یہ بجرا بنوایا اپنا نام خلیفہ رکھا اور ہر خادم کو ایک ایک کام سپرد کیا جیسا کہ خلیفہ کا دستور ہے ہر ایک کو اسی قسم کا لباس پہنایا اور یہ منادی کرا دی کہ جو کوئی دجلے میں سیر کرنے نکلے گا۔ اس کی فوراً گردن اڑا دوں گا۔ اس طرح مجھے پورا ایک سال گزر چکا ہے۔ لیکن اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کی باتیں سن کر ہارون الرشید کو یقین ہوا کہ یہ محبت کے کرشمے ہیں اور نوجوان کی تمناؤں کی کوئی حد نہیں۔ وہ کہنے لگا پاک ہے وہ ذات جس

نے ہر بات کے لیے کوئی نہ کوئی سبب بنایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جوان سے رخصت چاہی اور اس نے اجازت دی۔ رشید نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ انصاف کرے گا۔ اور اس کے ساتھ بڑے انعام و اکرام سے پیش آئے گا۔ یہ تینوں وہاں سے اپنے محل میں آئے اور جب خلیفہ اپنے شاہانہ کپڑے پہن کر بیٹھا۔ اس کے سامنے مسرور جلاد کھڑا ہوا تو اس نے جعفر سے کہا کہ اے وزیر اس جوان کو بلاؤ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• دو سو چورانوے ویں رات

جب دو سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ اس جوان کو بلوا جس کے ساتھ ہم نے رات گزاری۔ حکم کی دیر تھی۔ چوب دار دوڑے گئے اور جوان سے کہا کہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید نے تجھے بلایا ہے' چل۔ جوان فوراً چل کھڑا ہوا مگر اس طلبی پر دل میں خوفزدہ تھا۔ خلیفہ کے پاس پہنچ کر اس نے زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی کہ تیری عزت اور اقبال ہمیشہ قائم رہے۔ تیری امیدیں بر آئیں اور تو عیش و عشرت میں رہے اور برائی اور دشمنی تیرے پاس نہ پھٹکے۔ پھر اس نے نہایت سلیقے کے ساتھ السلام علیکم اے امیرالمومنین اور اے دین داروں کی پشت و پناہ کہا۔ خلیفہ نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا اور بڑی مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے سامنے بٹھا کر اس سے کہا کہ اے محمد علی میں چاہتا ہوں کہ تو کل رات والا واقعہ بیان کرے کیونکہ وہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ جوان نے کہا کہ اے امیرالمومنین مجھے معاف کر اور امان کا رومال عطا کر تاکہ میرا ڈر جاتا رہے اور میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے تجھے امان دی' نہ خوف کھا اور نہ غم زدہ ہو۔ یہ سن کر جوان نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ خلیفہ کو معلوم ہو گیا کہ جوان عاشق ہے اور معشوق کی جدائی کے صدمے اٹھا رہا ہے اور اس سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے کہ میں اس لڑکی کو تجھ سے پھر ملاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ امیرالمومنین کی کمال مہربانی ہو گی۔ اب خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے جعفر اپنی بہن وزیر زادی دینا بنت وزیر یحییٰ بن خالد کو یہاں بلا۔ اس نے سر آنکھوں سے امیرالمومنین کہہ کر اسے فوراً حاضر کیا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے پہنچی تو خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ تو جانتی ہے کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین

عورتیں مردوں کو کس طرح جان سکتی ہیں! خلیفہ نے مسکرا کر کہا کہ اے دینا تیرا محبوب جوہری کا بیٹا محمد علی ہے۔ ہمیں سارا حال معلوم ہو چکا ہے۔ ہم نے شروع سے آخر تک تمام ماجرا سن لیا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو سمجھ چکے ہیں۔ گو یہ راز کی باتیں تھیں مگر اب کھل گئی ہیں۔ دینا نے عرض کیا اے امیرالمومنین میں اپنی حرکت پر خدا سے مغفرت چاہتی ہوں اور تجھ سے معافی کی خواستگار ہوں۔ خلیفہ ہارون الرشید ہنس پڑا اور قاضی اور گواہوں کو بلا کر اس کے شوہر جوہری زادے محمد علی کے ساتھ اس کے نکاح کی تجدید کر دی۔ دونوں نہایت خوش وقتی کے ساتھ رہنے لگے اور دشمن ان پر جلا کیے۔

خلیفہ نے جوہری کو اپنا ندیم بنا لیا اور ان کے دن آرام و آسائش سے گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتربتر کرنے والی موت آ گئی۔

○ ایرانی علی کی کہانی

سنا ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کی طبیعت زیادہ گھبرائی تو اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ اے جعفر نہ نیند آتی ہے نہ کسی بات میں دل لگتا ہے۔ کوئی ایسا شغل مہیا کر کہ جی بہلے اور مزاج سکون پر آ جائے۔ جعفر نے عرض کیا' امیرالمومنین میرا ایک دوست ہے جس کو علی عجمی کہتے ہیں۔ اسے ایسی کہانیاں اور دل خوش کن قصے یاد ہیں کہ غم غلط اور طبیعت شاد ہو جاتی ہے۔ حکم ہو تو اسے حاضر کیا جائے۔

خلیفہ نے کہا کہ بلا۔ جعفر نے اس ایرانی کی تلاش میں آدمی دوڑا دیئے۔ جب وہ حاضر ہوا تو وزیر نے کہا کہ امیرالمومنین نے تجھے یاد کیا ہے چل اس کے پاس۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• دو سو پچانوے ویں رات

جب دو سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک بہاد بادشاہ! ------- ایرانی نے کہا کہ بسرو چشم اور اس کے ساتھ خلیفہ کے پاس آیا۔ خلیفہ نے بیٹھنے کا حکم دیا۔

وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ نے کہا کہ اے علی آج رات میرا جی بہت گھبراتا ہے اور میں نے سنا ہے کہ تجھے قصے کہانیاں یاد ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی چیز سنا جس سے غم غلط ہو۔ اس نے کہا کہ امیرالمومنین ایسی بات سناؤں جو میں نے آنکھ سے دیکھی ہے یا جو کان سے سنی ہے؟

اس نے کہا کہ وہ بات سنا جو تو نے خود دیکھی ہے۔ چنانچہ ایرانی نے اس طرح اپنا قصہ شروع کیا۔ اے امیرالمومنین ایک سال میں اپنے اس وطن یعنی بغداد سے چلا۔ میرے ساتھ ایک غلام تھا اور اس کے پاس ایک خوبصورت تھیلا۔ جب میں ایک دوسرے شہر میں پہنچا اور خرید و فروخت کرنے لگا تو ایک ظالم کرد میری طرف جھپٹا اور مجھ سے وہ تھیلا چھین کر کہنے لگا کہ یہ میرا تھیلا ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے میرا مال ہے۔ میں چلایا کہ مسلمانو مجھے اس ظالم کے ہاتھ سے بچاؤ۔ سب نے کہا کہ تم دونوں قاضی کے پاس جاؤ اور جو وہ فیصلہ کرے تو اسے مانو۔ مجھے قاضی کا فیصلہ منظور تھا۔ ہم دونوں اس کے پاس گئے۔ جب ہم قاضی کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے مدعی کون ہے؟ یہ سن کر کرد آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا رکھے! یہ میرا تھیلا ہے او رجو کچھ اس کے اندر ہے میرا مال ہے۔ یہ تھیلا کھو گیا تھا اور اب اس شخص کے پاس سے ملا ہے۔ قاضی نے پوچھا کہ کب کھو گیا تھا؟ کرد نے کہا کہ کل۔ اور اس کی وجہ سے مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ قاضی نے کہا کہ اگر تو اس تھیلے کو پہچانتا ہے تو بتا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ کرد نے کہا کہ میرے اس تھیلے میں سرمہ ہے' دو چاندی کی سلائیاں ہیں اور رومال اور

میں نے اس میں دو سنہری پیالے بھی رکھے ہیں اور دو شمع دان۔ اس کے علاوہ اس میں دو خیمے ہیں اور دو رکابیاں' دو چمچے' ایک تکیہ' دو کمبل' دو لوٹے' ایک سینی' دو تشت' ایک دیگچی' دو گھڑے' ایک دوئی' ایک سوجا' دو توشے دان' ایک بلی' دو کتیاں' ایک پیالہ' دو تھیلے' ایک جبہ' دو پوستین' ایک گائے' دو بچھڑے' ایک بکرا' دو بکریاں' ایک بھیڑ' دو اس کے بچے' دو سبز شامیانے' ایک اونٹ' دو اونٹنیاں' ایک بھینس' دو سانڈ' ایک شیرنی اور شیر' ایک ریچھنی' دو لومڑیاں' ایک دیوان' دو تخت' ایک محل' دو کمرے' ایک بالا خانہ' دو نشست گاہیں' ایک باورچی خانہ جس کے دو دروازے ہیں اور ایک جماعت کردوں کی جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا ہے۔

اب قاضی نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے فلاں شخص تو کیا کہتا ہے؟ اے امیرالمومنین میں آگے بڑھا۔ کرد کی باتوں سے میں پریشان تو ہو ہی چکا تھا' میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کی عزت قائم رکھے! میرے اس تھیلے میں محض ایک کھنڈر ہے اور دوسرا بغیر دروازے کا ایک گھر' ایک کتوں کی کوٹھڑی' لڑکوں کے لے ایک کتاب اور چند جوان' جو پانسوں سے کھیل رہے ہیں۔ علاوہ ان چیزوں کے اس میں خیمے طنابیں ہیں اور بصرہ بغداد' شداد بن عاد کا محل' لوہار کی بھٹی' صیاد کا جال' ڈنڈے' کھونٹیاں' لڑکے اور لڑکیاں اور ایک ہزار کٹنے جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ میرا تھیلا ہے۔ کرد یہ سن کر رونے اور آہیں بھرنے لگا اور اس نے کہا کہ اے ہمارے آقا قاضی اس میرے تھیلے کو سب لوگ جانتے ہیں اور اس میں جتنی چیزیں ہیں سب مشہور و معروف ہیں۔ اس میرے تھیلے میں قلعے اور گڑھیاں ہیں اور سارسیں اور درندے اور بہت سے مرد جو شطرنج اور پچیسی کھیل رہے ہیں اور اس میرے تھیلے میں ایک گھوڑی ہے اور دو بچھڑے' ایک اونٹ' دو اصیل گھوڑے' دو لمبے نیزے ان کے علاوہ اس میں ایک شیر اور دو خرگوش اور ایک شہر اور گاؤں' ایک رنڈی اور دو شاطر کٹنے اور ایک زنخہ اور دو جونکیں اور ایک اندھا' دو آنکھوں والے' ایک لنگڑا دو اپاہج' ایک پادری' دو پوپ' ایک بطریق' دو راہب' ایک قاضی اور دو گواہ جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا

ہے۔ پھر قاضی نے مجھ سے کہا کہ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟ امیرالمومنین میں غصے میں بھر گیا اور قاضی کی طرف بڑھ کر اس سے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا رکھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## دو سو چھیانوے ویں رات

جب دو سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ! ایرانی کہنے لگا کہ میں غصے میں بھر گیا اور قاضی کی طرف بڑھ کر میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا کرے! میرے اس تھیلے میں زرہ بکتر اور تلواریں ہیں اور پورا اسلحہ خانہ اور ایک ہزار لڑنے والے مینڈھے اور اس کے اندر بھیڑوں کے لیے ایک چراگاہ ہے' ایک ہزار بھونکنے والے کتے' باغ اور تاکستان' پھول اور جڑی بوٹیاں' انجیر اور سیب' تصویریں اور شکلیں' صراحیاں اور جام' حسین لڑکیاں اور ڈومنیاں' جشن شور اور ہنگامہ اور بڑے بڑے ملک اور نجاح کے دوست اور ساتھی اور ہمراہی اور رفیق اور قید خانے اور ہم پیالہ لوگ' طنبور اور بانسریاں اور جھنڈے اور جھنڈیاں' لڑکے اور لڑکیاں اور سجی ہوئی دلہنیں اور گانے والی کنیزیں' پانچ حبشنیں' تین ہندی اور چار مدینے والیاں' بیس رومی اور پچاس ترکنیں' ستر ایرانی اور اسی کرد' نوے گرجی عورتیں' دجلہ فرات اور صیاد کا جال' لوہا اور چقماق اور ارم ذات العماد اور ایک ہزار دلال اور کٹنے میدان اور اصطبل' مسجدیں اور حمام' معمار اور بڑھئی لکڑی اور کیلیں اور بانسری لیے ہوئے حبشی غلام' قافلہ سالار اور رکاب دار' شہر اور قریے اور ایک لاکھ دینار اور کوفہ اور الانبار اور کپڑوں سے بھرے ہوئے بیس صندوق' پچاس توشہ خانے اور غزہ' عسقلان اور دمیاط سے لے کر اصوان تک اور کسریٰ نوشیرواں کا محل اور سلیمان کی مملکت اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک' بلخ اور اصفہان اور ہند سے لے کر سوڈان تک اور خدا ہمارے آقا کی عمر دراز کرے! اس میں زرہ بکتریں اور اس کے نیچے پہننے کے کپڑے اور ایک ہزار تیز استرے جو قاضی کی داڑھی مونڈ ڈالیں گے بشرطیکہ وہ مجھے سزا دینے سے نہ ڈرے اور یہ فیصلہ نہ کرے کہ تھیلا میرا ہے۔

قاضی نے میری اور کرد کی باتیں سنیں تو دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم دونوں بڑے

منحوس اور بے دین معلوم ہوتے ہو۔ تم کو قاضیوں اور حاکموں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی اور لعنت ملامت سے نہیں ڈرتے۔ نہ کسی تعریف کرنے والے نے اس سے بڑھ کر تعریف کی اور نہ تمہاری جیسی باتیں کیں۔ واللہ جو کچھ تم نے بیان کیا وہ چین سے لے کر مغیلان تک اور ایران سے لے کر سوڈان تک اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک سما نہیں سکتا اور تمہارا دعوئی سچ نہیں ہو سکتا۔ یہ تھیلا کیا ہے بے قرار سمندر یا حشر کا دن جبکہ نیک اور بد سب جمع ہوں گے۔ یہ کہہ کر قاضی نے حکم دیا کہ تھیلا کھولا جائے اور جب میں نے اسے کھولا تو اس میں ایک روٹی' ایک نیبو کچھ پنیر اور زیتون نکلا۔ میں نے تھیلا کرد کے آگے پھینک دیا اور چلتا بنا۔ خلیفہ نے علی عجمی کی زبانی یہ کہانی سنی تو وہ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گیا اور اسے بہت انعام دیا۔

- ہارون الرشید اور کنیز اور امام یوسف کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات جب جعفر برمکی ہارون الرشید کے ساتھ شراب پی رہا تھا تو خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر' مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے فلاں کنیز خریدی ہے' میں مدت سے اس کا خواہش مند تھا کیونکہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور میرے دل میں اس کی محبت کی آگ لگی ہوئی ہے' اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیرالمومنین میں اسے بیچ نہیں سکتا۔ خلیفہ نے کہا کہ میری نذر کر دے۔ اس نے کہا کہ نذر بھی نہیں کروں گا۔ رشید نے کہا کہ اگر بیچتا بھی نہیں اور نذر بھی نہیں کرتا تو زبیدہ کو تین طلاقیں۔ جعفر بولا کہ اگر میں اسے تیرے ہاتھ بیچوں یا تیری نذر کروں تو میری بیوی کو تین طلاقیں۔ جب ان کا نشہ اترا اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ کسی مخمصے میں پھنس گئے ہیں اور اس کا علاج' دونوں میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا تو رشید نے کہا کہ اس مسئلے کا حل ابو یوسف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور انہیں بلوایا۔

یہ آدھی رات کا وقت تھا جب ایلچی ان کے پاس پہنچا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو اسلام کے متعلق کوئی حادثہ پیش آیا ہے ورنہ میں اس وقت بلایا نہ جاتا۔ اب وہ جلدی سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوئے اور غلام سے کہا کہ خچر کا "توبڑا" اس کے سامنے رکھ دیجیو تاکہ وہ باقی دانہ بھی کھا لے۔

غلام نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔

جب وہ رشید کے پاس پہنچے تو رشید اٹھ کھڑا ہو اور انہیں تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ابو یوسف کے علاوہ وہ کسی اور کو اپنے تخت پر نہ بٹھاتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے اس وقت نہایت اہم کام کے لیے طلب کیا ہے اور سارا قصہ بیان کر کے کہا کہ ہماری سمجھ میں اس کی تدبیر نہیں آتی۔ انہوں نے کہا کہ امیرالمومنین اس سے زیادہ آسان اور کوئی بات نہیں۔ اے جعفر لڑکی کا نصف۔ امیرالمومنین کے ہاتھ بیچ ڈال اور نصف نذر کر دے۔ اس طرح تم دونوں اپنی قسم سے بری ہو جاؤ گے۔ خلیفہ اس فیصلے پر بہت خوش ہوا۔ دونوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ رشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ◯ ○

• دو سو ستانوے ویں رات

جب دو سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے۔ وہ اس کے لیے بے تاب تھا۔ وہ آئی تو خلیفہ نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں اس سے اسی وقت ہم بستر ہونا چاہتا ہوں۔ عدت ختم ہونے تک میں صبر نہیں کر سکتا۔ اس کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

ابو یوسف نے کہا کہ امیرالمومنین کے ان غلاموں میں سے ایک حاضر کیا جائے جن پر ابھی تک آزاد کیے جانے کا حکم صادر نہیں ہوا۔ لوگ ایک ایسا غلام لے آئے اور

ابو یوسف نے کہا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اس کا نکاح کنیز سے کر دوں۔ اور وہ مباشرت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو اس کے ساتھ تیری ہم بستری بغیر عدت کے حلال ہو جائے گی۔ اس بات پر رشید پہلے سے زیادہ متعجب ہوا۔ جب غلام آیا تو خلیفہ نے قاضی سے کہا کہ میں تجھے نکاح کی اجازت دیتا ہوں۔ قاضی نے نکاح پڑھایا اور غلام نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد قاضی نے اس سے کہا کہ لڑکی کو طلاق دے اور سو دینار لے لے۔ غلام نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کروں گا۔ قاضی مقدار بڑھاتا جاتا اور غلام انکار کرتا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک ہزار دینار پیش کیے گئے۔ اب غلام نے قاضی سے کہا کہ طلاق میرے اختیار میں ہے یا تیرے یا امیرالمومنین کے؟ قاضی نے کہا کہ محض تیرے اختیار میں۔

غلام نے کہا کہ واللہ میں ہرگز طلاق نہ دوں گا۔ اس پر امیرالمومنین طیش میں آ گیا اور کہا کہ ابویوسف اب کیا کیا جائے؟ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ امیرالمومنین گھبرانے کی بات نہیں معاملہ آسان ہے۔ اس غلام کو کنیز کی ملکیت میں دے دے۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کی ملکیت میں دے دیا۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ کہہ کہ میں نے قبول کیا' اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ قاضی نے کہا کہ میں نے دونوں

کے درمیان علیحدگی کا حکم لگا دیا کیونکہ غلام اس کی ملکیت ہے اور نکاح فسخ ہو گیا۔ خلیفہ سروقد کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ آج کل کے زمانے میں قاضی ہو تو ایسا۔ اس کے بعد اس نے اشرفیوں کی سینیاں منگوا کر ابو یوسف کے سامنے الٹ دیں اور ان سے کہا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے جس میں تو یہ بھر لے۔ "توبڑا" یاد آ گیا اور اسے منگوا کر اشرفیاں اس میں بھر لیں اور انہیں لے کر گھر واپس گئے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ علم کے سوا اور کوئی راستہ نہ دین کا آسان ہے نہ دنیا کا۔ محض دو یا تین مسئلوں پر مجھے اتنی بڑی دولت مل گئی۔ اے بادشاہ' اس حکایت کے لطف پر غور کر۔ اس لیے کہ اس میں کئی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو وزیر کا خلیفہ پر ناز کرنا' دوسرا خلیفہ کی دانش مندی اور تیسرے اس سے بھی زیادہ قاضی کی عقلمندی۔ خدا ان سب کی روحوں پر رحمت بھیجے۔

○ خالد بن عبداللہ القشیری کی کہانی

خالد بن عبداللہ القشیری جن دنوں بصرے کا والی تھا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ایک جوان کو پکڑ کر اس کے پاس لائے جس کی صورت سے سلیقہ اور عقل مندی ٹپکتی تھی۔ آنکھ ناک سے درست' خوش وضع اور عطر میں بسا ہوا تھا۔ چہرے پر دبدبہ اور ایک قسم کی شان تھی۔ خالد نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ چور ہے اور ہم نے کل اسے اپنے گھر میں پکڑا ہے۔ خالد نے اس کی طرف نظر اٹھائی اور ظاہری حسن اور نفاست کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ لوگوں سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور خود اس کے پاس جا کر اس کا ماجرا پوچھا۔ جوان بولا کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں سچ ہے۔ واقعے کے خلاف نہیں۔ خالد نے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس صورت و شان پر یہ بد کرداری؟ وہ بولا اے امیر ان باتوں کو جانے دے جو خدا نے حکم دیا ہے' اس کی تعمیل کر۔ کیونکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی' خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

خالد چپ ہو کر جوان کے متعلق سوچ میں پڑ گیا اور اسے اپنے قریب بلا کر کہا کہ تو نے گواہوں کے سامنے اقرار کر کے مجھے شبے میں ڈال دیا ہے اور پھر بھی میرے خیال میں تو چور نہیں۔ شاید علاوہ چوری کے تیرا اور کوئی قصہ ہے۔ اگر ہے تو بیان کر۔ اس نے کہا کہ اے امیر جس چیز کا میں نے اعتراف کیا ہے' اس کے سوا اور کوئی بات تیرے دل میں گزرنی نہیں چاہیے۔ میرا اور کوئی قصہ نہیں جو بیان کروں۔ واقعہ یہی ہے کہ میں ان لوگوں کے گھر میں گیا اور جو کچھ چرا سکتا تھا چرایا لیکن انہوں نے مجھے پکڑ کر وہ چیزیں چھین لیں اور مجھے تیرے پاس لے آئے۔ خالد نے اسے قید کا حکم دے دیا اور بصرے میں منادی کرا دی کہ جو شخص فلاں چور کی سزا اور اس کا ہاتھ کاٹے جانے کا تماشا دیکھنا چاہے تو کل فلاں جگہ آ جائے۔ جب جوان قید خانے گیا اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑ گئیں تو اس نے ایک آہ بھری اور اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ یہ اشعار پڑھنے لگا: "خالد مجھے دھمکی دیتا ہے کہ اگر میں اس سے "اس" کا قصہ نہ بیان کروں تو وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے گا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ "اس" کی محبت کا بھانڈا پھوڑ دوں جو میرے دل کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ مجھے یہ گوارا ہے کہ میرا ہاتھ کٹ جائے لیکن "اس" کی بدنامی گوارا نہیں۔"

پہرے داروں نے اسے یہ گاتے سن کر خالد کو خبر کر دی۔ جب رات ہوئی تو خالد نے اسے بلوایا اور اس سے بات چیت کی۔ دیکھا کہ وہ عقل مند' باشعور اور فہمیدہ ہے۔ اس نے جوان کے لیے کھانا منگوایا' اسے کھلایا اور دیر تک ادھر ادھر کے قصوں کے بعد خالد نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ چوری کے سوا تیرا اور کوئی قصہ ہے۔ کل صبح جب لوگ جمع ہوں اور قاضی آ کر تجھ سے چوری کے بارے میں دریافت کرے تو تو انکار کر دیجیو اور وہ بات بیان کیجیو جس سے تجھے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ شبے کی حالت میں سزا دینے سے درگزر کرو۔ یہ کہہ کر خالد نے اسے قید خانے بھیج دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- دو سو اٹھانوے ویں رات

دو سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- خالد نے اس جوان سے باتیں کر کے اسے پھر قید خانے بھیج دیا اور وہ رات بھر وہاں رہا۔ صبح ہوئی تو لوگ اس جوان کے ہاتھ کٹنے کا تماشہ دیکھنے کے لیے آنے شروع ہوئے۔ بصرہ میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ تھا جو اس جوان کی سزا دیکھنے کے لیے نہ آیا ہو۔ خالد بھی سوار ہوا اور بصرے کے امرا کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا' قاضیوں کو بلوایا اور جوان کو لانے کا حکم دیا۔ وہ بیڑیوں کے بوجھ سے گرتا پڑتا حاضر ہوا جس نے اسے دیکھا اور رو پڑا اور عورتیں تو دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ قاضی نے عورتوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد اس نے جوان سے کہا لوگوں کا دعویٰ ہے کہ تو نے ان کے گھر میں گھس کر ان کا مال چرایا ہے غالباً تو نے نصاب سے کم چرایا ہو گا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں نے پورا نصاب چرایا ہے۔ قاضی نے پوچھا ایسا تو نہیں کہ ان کے کسی مال میں تیرا ساجھا تھا؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ سب انہیں کا مال تھا اور میرا اس میں کوئی حق نہ تھا۔

اس پر خالد کو غصہ آ گیا اور اس کے پاس جا کر اس کے منہ پر کوڑا مارا۔ بہرحال قصاب کو بلوانا پڑا تا کہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ جب قصاب آیا اور اس نے چھرا نکال کر جوان کا ہاتھ آگے کھینچا اور اس پر چھرا رکھا تو یکایک عورتوں کے بیچ میں سے ایک لڑکی پھٹے پرانے کپڑے پہنے نکلی اور ایک چیخ مار کر جوان کے اوپر گر پڑی۔ پھر اس نے اپنا چہرہ کھول دیا جو چاند کی طرح تھا۔ لوگ شور و غل مچانے لگے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس وجہ سے فتنہ بپا ہو جائے۔ لڑکی نے زور سے چلا کر کہا کہ اے امیر میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ جب تک تو واقعے سے آگاہ نہ ہو اس کا ہاتھ نہ کاٹ۔

خالد نے علیحدہ جا کر اس لڑکی کو بلوایا اور اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ جوان مجھ پر عاشق ہے اور میں اس پر۔ وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ میرے گھر میں پہنچ کر اس نے گھر میں ایک ڈھیلا پھینکا تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ آیا ہے۔ میرا باپ اور میرے بھائی ڈھیلے کے آواز سن کر اس کی طرف دوڑے۔ انہیں آتے دیکھا تو اس نے گھر کا سامان جمع کر کے یہ ظاہر کیا کہ وہ چور ہے تا کہ اس کی معشوقہ کی بدنامی نہ ہو۔ جب انہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو پکڑ لیا۔ وہ سمجھے کہ یہ چور ہے اور تیرے پاس لے آئے۔ اس نے چوری کا اقرار اور اس پر اصرار کیا تا کہ میری بدنامی نہ ہو۔ یہ اس کی انتہائی مروت اور شرافت تھی کہ اس نے چوری کا الزام لے کر اپنا ہاتھ کٹوانا قبول کیا۔

خالد نے کہا کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کی مراد پوری ہو۔ اس کے بعد اس نے جوان کو بلایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر حکم دیا کہ لڑکی کا باپ بلایا جائے اور اس سے کہا کہ بڑے میاں ہم اس بات پر تلے بیٹھے تھے کہ اس جوان کا ہاتھ کاٹا جائے لیکن خدا نے مجھے اس سے بچا لیا اور میں اسے اس وجہ سے دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس نے اپنا ہاتھ دے کر یہ چاہا کہ تیری اور تیری بیٹی کی بدنامی نہ ہو اور تم دونوں فضیحت سے بچ جاؤ اور تیری بیٹی کو اس صلے میں دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس نے مجھ سے سچ سچ واقعہ بیان کر دیا۔ اب تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اس بات کی اجازت دے کہ میں تیری بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔ بوڑھے نے کہا کہ اے امیر تجھے اجازت ہے۔ خالد نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے اس کا نکاح پڑھا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- دو سو ننانوے ویں رات

جب دو سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ خالد نے خدا کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے نکاح پڑھایا اور جوان سے کہا کہ میں نے فلاں لڑکی کے ساتھ جو یہاں موجود ہے تیری اجازت اور مرضی اور تیرے باپ کے اذن سے دس ہزار درہم پر تیرا نکاح پڑھا دیا ہے۔ جوان نے کہا کہ یہ نکاح مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد خالد نے حکم دیا کہ یہ مال سینیوں میں رکھ کر جوان کے گھر بھیج دیا جائے اور لوگ خوش خوش وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ اس سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا کیونکہ وہ رونے اور فتنہ و فساد سے شروع ہو کر خوشی اور خوش وقتی پر ختم ہوا۔

- پھلیاں بیچنے والے کے ساتھ جعفر برمکی کی سخاوت کی کہانی

لوگ ایک واقعہ کہانی کی طرح کہا کرتے ہیں کہ جب ہارون الرشید نے جعفر برمکی کو سولی دی تو ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ جو کوئی اس پر نوحہ کرے گا یا روئے پیٹے گا اسے بھی سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور سب نے اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ ایک بدو تھا جو دور ریگستان میں رہتا تھا۔ ہر سال ایک قصیدہ لے کر جعفر برمکی کے پاس آیا کرتا تھا اور جعفر اس کا صلہ ایک ہزار دینار دیتا۔ بدو سونے سے لدا پھندا اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جاتا اور خوش ہوتا۔ اتفاق کی بات یہ بدو قصیدہ لے کر دستور کے موافق پہنچا دیکھا کہ جعفر سولی پر چڑھا ہوا ہے۔ سولی کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی اونٹنی روکی' بلک بلک کر رویا' بے حد غمگین ہوا' قصیدہ پڑھا اور سو گیا۔ خواب میں اس نے جعفر برمکی کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ تو بڑی تکلیف اٹھا کر میرے

پاس آیا اور مجھے اس حالت میں پایا لیکن تو بصرے جا کر اس نام کے شخص کا پتہ پوچھ جو وہاں کے تاجروں میں سے ہے اور اس سے کہہ کہ جعفر برمکی نے تجھے سلام کے بعد یہ پیغام دیا ہے کہ پھلیوں کے سلسلے میں مجھے ایک ہزار دینار دے۔

جب بدو جاگا تو بصرے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس تاجر کا پتہ دریافت کیا اور اس سے مل کر وہ پیغام پہنچایا جو جعفر نے اسے خواب میں دیا تھا۔ تاجر سنتے ہی رونے پیٹنے لگا' اپنا برا حال کر لیا۔ ذرا ہوش درست ہوئے تو اس نے بدو کو عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ تین دن تک بدو اس کے پاس نہایت احترام سے رہا اور جب وہ لوٹنے لگا تو تاجر نے اسے ایک ہزار پانچ سو دینار دیئے اور اس سے کہا کہ ہزار تو وہ ہیں جن کا مجھے حکم ملا تھا اور پانچ سو میں نذر کرتا ہوں اور ہر سال تجھے ایک ہزار دینار ملیں گے۔ چلتے وقت اس نے تاجر سے کہا کہ خدا کے لیے پھلیوں کا قصہ تو بیان کر تاکہ میں اس حقیقت کو سمجھوں۔ اس نے جواب دیا کہ شروع میں' میں بہت غریب تھا۔ بغداد کے گلی کوچوں میں گرم پھلیاں لے کر پھیری لگاتا' انہیں بیچتا اور اس سے روزی کماتا۔ ایک دن جب میں نکلا تو بہت سردی تھی اور مینہ برس رہا تھا۔ میرے بدن پر سردی سے بچنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ ٹھنڈ اور بارش سے میرا بدن کانپا جا رہا تھا اور میری ایسی بری حالت تھی کہ رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

اس دن جعفر اپنے اس محل میں بیٹھا ہوا تھا جس کا چھجا سڑک پر نکلا ہوا ہے۔ اس کے دوست اور کنیزیں اس کے ساتھ تھیں۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اسے مجھ پر ترس آ گیا۔ اس نے ایک نوکر کو بھیج کر مجھے بلوایا۔ میں اس کے سامنے پہنچا تو کہا کہ اپنی پھلیاں' میرے ساتھیوں کے ہاتھ بیچ ڈال۔ میں انہیں اپنے پیمانے سے ناپتا جاتا اور جو انہیں لیتا وہ پیمانے کو اشرفیوں سے بھرتا جاتا۔ یہاں تک کہ سب پھلیاں ختم ہو گئیں اور ٹوکرا خالی ہو گیا۔ میں نے ساری اشرفیاں جمع کر لیں جو مجھے ملی تھیں۔ اب جعفر نے کہا کہ کچھ اور پھلیاں باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ معلوم نہیں ٹوکرے میں

ادھر ادھر تلاش کیا تو صرف ایک پھلی اور ملی۔ جعفر نے اسے لے کر دو حصوں میں پھاڑا ایک حصہ خود لے کر دوسرا حصہ اپنی کنیز کو دیا اور کہا کہ تو اس آدھی پھلی کو کتنے میں خریدتی ہے؟ وہ بولی کہ جتنی اشرفیاں ہیں ان کے دگنے میں۔ میں سخت حیران ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے۔ میں اسی حیرت میں تھا کہ کنیز نے اپنی ایک لونڈی کو حکم دیا اور وہ دگنی اشرفیاں لے آئی۔ اب جعفر نے کہا کہ جو آدھی پھلی میرے پاس ہے اسے میں ساری اشرفیوں سے دگنے میں خریدتا ہوں۔ یہ کہہ کر جعفر نے مجھ سے کہا کہ لے یہ تیری پھلیوں کے دام ہیں اور اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ تمام دام جمع کر کے میرے ٹوکرے میں رکھ دے۔ میں اسے لے کر وہاں سے چل دیا اور بصرے آ کر اس مال سے تجارت شروع کر دی۔ خدا کا شکر اور احسان کہ اس نے مجھے امیر کر دیا۔ اگر میں تجھے ہر سال ایک ہزار دینار دے دیا کروں جو جعفر کے احسان کا ایک شمہ ہے تو مجھے کوئی کمی محسوس نہ ہو گی۔ دیکھ جعفر کی بلند اخلاقی اور اس کی تعریف زندگی میں اور مرنے کے بعد۔ خدا کی رحمت ہو اس پر! اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ کاہل ابو محمد کی کہانی

یہ کہانی بھی مشہور ہے کہ ایک روز جب ہارون الرشید خلافت کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا ایک غلام آیا جس کے پاس سرخ سونے کا ایک تاج تھا۔ اس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے یاقوتوں اور جواہرات کی قیمت بیان میں نہیں آ سکتی۔ غلام نے خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے امیرالمومنین شہزادی زبیدہ.......

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔ اس کی بہن نے کہا کہ تیری کہانی کیسی پیاری اور میٹھی ہے! اس نے جواب

دیا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو جو میں کل بیان کروں گی وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہو گی۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ جب تک باقی کہانی نہ سن لوں اسے قتل نہ کروں گا۔

○○○

- ## تین سو ویں رات

تین سو ویں رات ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ بہن اپنی کہانی شروع کر۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں پر بشرطیکہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ بولا شہر زاد کہہ۔ اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ غلام نے خلیفہ سے کہا کہ شہزادی زبیدہ تیرے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہتی ہے تجھے معلوم ہے کہ میں نے یہ تاج بنوایا ہے اور اس کے لیے ایک بڑے ہیرے کی ضرورت ہے جو اس کے بیچ میں لگایا جائے۔ میں نے سارے ذخیرے ڈھنڈوا ڈالے اس مطلب کا بڑا ہیرا نہیں ملتا۔ خلیفہ نے حاجبوں اور نوابوں سے کہا کہ زبیدہ کے مطلب کا ہیرا تلاش کرو۔ سب نے تلاش کیا لیکن زبیدہ جیسا ہیرا چاہتی تھی نہ ملا۔ خلیفہ بہت بے چین ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں خلیفہ' ساری دنیا کے بادشاہوں کا حکمران اور ایک ہیرا مجھے نہ ملے۔ حیف ہو تم پر! جا کر تاجروں سے پوچھو۔ جب انھوں نے تاجروں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ایسا ہیرا ہمارے آقا خلیفہ کو بصرے میں ایک شخص کے پاس ملے گا جس کا نام کاہل ابو محمد ہے۔ یہ سن کر خلیفہ نے اپنے وزیر جعفر کو حکم دیا کہ بصرے کے والی امیر محمد زبیدی کو خط لکھا کہ وہ کاہل ابو محمد کے سفر کا انتظام کر کے اسے امیرالمومنین کے پاس بھیج دے۔

وزیر نے اس مضمون کا خط لکھ کر مسرور کے ہاتھ روانہ کیا۔ مسرور خط لے کر بصرے پہنچا اور امیر محمد زبیدی کے پاس گیا۔ محمد بہت خوش ہوا اور مسرور کو بہت عزت اور احترام سے رکھا۔ اس کے بعد مسرور نے اسے امیرالمومنین ہارون الرشید کا خط پڑھ کر سنایا۔ امیر نے مسرور کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ کاہل ابو محمد کے پاس بھیجا۔ وہ اس کے پاس گئے۔ دروازے پر دستک دی اور ایک غلام نے آ کر دروازہ کھولا۔ مسرور نے اس سے کہا کہ اپنے آقا سے کہہ کہ امیرالمومنین نے تجھے بلایا ہے۔ غلام نے اندر

جا کر یہ پیغام پہنچایا۔ ابو محمد نے باہر نکل کر مسرور اور امیر محمد زبیدی کے پیادوں کو دیکھا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہا کہ امیرالمومنین کا حکم سر آنکھوں

پر لیکن اندر تو آؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارے لیے زیادہ دیر تک ممکن نہیں کیونکہ یہ خلیفہ کا حکم ہے اور وہ تیری راہ دیکھ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اتنی تو مہلت دو کہ میں سفر کی تیاری کر لوں۔

الغرض بہت کہنے سننے کے بعد وہ اس کے ساتھ مکان کے اندر گئے اور دیکھا کہ دہلیز میں نیلی اطلس کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر سرخ سونے کا کام ہے۔ کاہل ابو محمد نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ مسرور کو حمام لے جائیں جو مکان کے اندر ہے۔

جب وہ ان کے ساتھ حمام گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی دیواریں اور فرش اعجوبہ روزگار ہیں۔ ان پر سونے اور چاندی کا کام ہے' پانی میں گلاب کا عرق ملا ہوا ہے۔ غلاموں نے مسرور اور اس کے ساتھیوں کو خوب نہلایا دھلایا۔ جب وہ حمام سے نکلے تو غلاموں نے انہیں اطلس کی پوشاکیں پہنائیں جن کا بانا سونے کا تھا۔ اب مسرور اور اس کے ساتھی اندر گئے اور انہوں نے دیکھا کہ کاہل ابو محمد اپنے ایوان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے اوپر قیمتی ریشم کے پردے لٹک رہے ہیں اور جن میں موتی اور ہیروں کی جھالر ٹنگی ہوئی ہے اور ایوان کے فرش پر ایسے تکیے لگے ہوئے ہیں جن پر خالص سونے کا کام ہے اور وہ ایک دیوان پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور دیوان ایک تخت پر ہے اور جواہرات سے مرصع ہے۔ جب مسرور اس کے پاس پہنچا تو اس نے مرحبا کہا اور اس کی طرف بڑھ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور دسترخوان منگوایا جسے دیکھ کر مسرور نے کہا کہ واللہ اس قسم کا دسترخوان میں نے امیرالمومنین کے پاس بھی کبھی نہیں دیکھا۔

دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے جو سب چینی کے برتنوں میں تھے۔ جن پر سنہرا کام تھا۔ مسرور کا بیان ہے کہ ہم کھا پی کر شام تک ہنسی مذاق کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے سب کو پانچ پانچ ہزار دینار دیئے اور دوسرے دن ہم سب کو سبز خلعت پہنائے جن پر سونے کے تاروں سے بیل بوٹے کڑھے ہوئے تھے اس نے

ہماری بڑی آؤ بھگت کی۔ مسرور نے کہا کہ ہم خلیفہ کے ڈر سے اب زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔ کاہل ابو محمد نے کہا کہ اے ہمارے آقا کل تک صبر کر تا کہ ہم تیار ہو کر تیرے ساتھ چلیں۔ اس لیے وہ اس دن بھی ٹھہر گئے اور رات وہیں گزاری۔ اس کے غلاموں نے کاہل ابو محمد کے لیے ایک خچر پر سونے کی کاٹھی کسی جو طرح طرح کے موتی اور جواہرات سے مرصع تھی۔ مسرور نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھیں جب ابو محمد خلیفہ کے پاس اس ہیبت سے پہنچے گا تو وہ پوچھتا ہے یا نہیں کہ یہ دولت تیرے پاس کہاں سے آئی؟

الغرض سب لوگ محمد زبیدی سے رخصت ہو کر بصرے سے چل دیئے اور بغداد پہنچے۔ جب وہ خلیفہ کے پاس آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے تو خلیفہ نے ابو محمد کو بیٹھنے کا حکم دیا اور وہ بیٹھ گیا اور نہایت سلیقے اور تمیز سے گفتگو کی اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین میں تیری خدمت میں ایک ہدیہ لایا ہوں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ رشید نے کہا کیا مضائقہ ہے! اب اس نے ایک صندوق منگوا کر کھولا اور مختلف تحفے نکالے ان میں کئی سونے کے درخت تھے جن کے پتے زمرد کے تھے۔ پھل لال اور زرد یاقوت اور سفید موتیوں کے۔ خلیفہ انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ ابو محمد نے دوسرا صندوق منگوایا اور اس میں سے ایک خیمہ نکالا جو اطلس کا تھا اور جس کے اوپر موتیوں‘ یاقوت‘ زمرد اور زبرجد اور طرح طرح کے دوسرے جواہرات کا تاج بنا ہوا تھا۔ خیمے کے کھمبے عود ہندی کے تھے اور اس کے حاشیوں میں سبز زمرد ٹنکے ہوئے تھے اور اس پر تمام جانوروں‘ پرندوں‘ چرندوں اور درندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور ان تصویروں پر ہیرے‘ یاقوت‘ زمرد‘ زبرجد ملنجش اور قسم قسم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔

رشید خوش ہو گیا۔ کاہل ابو محمد نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ خیال نہ کریں کہ میں یہ چیزیں کسی ڈر سے یا لالچ سے تیرے پاس لایا ہوں بلکہ محض اس وجہ سے کہ میں ایک معمولی شخص ہوں اور یہ چیزیں امیرالمومنین کے سوا اور کسی کے قابل نہیں۔ اگر تو اجازت دے تو میں ایک آدھ کرتب بھی دکھا کر تجھے خوش کروں۔

رشید نے کہا دیکھیں تو کیا کرتب دکھاتا ہے۔ ابو محمد نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر محل کی فصیل کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس کی طرف جھک کر آئی۔ پھر دوبارہ اشارہ کیا' وہ اپنی جگہ پر چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنی آنکھ سے اشارہ کیا اور کئی کوٹھڑیاں آموجود ہوئیں جن کے دروازوں میں قفل پڑے ہوئے تھے اس نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کچھ کہا اور جواب میں چڑیوں کی بولیاں سنائی دیں۔ رشید کو اور بھی زیادہ اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ تجھے یہ ساری باتیں کہاں سے آئیں تو تو کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہے اور لوگوں کا بیان ہے کہ تیرا باپ حجام تھا اور ایک حمام میں نوکر تھا اور اس کے ترکے میں تجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میرا قصہ سن۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- تین سو کے بعد پہلی رات

جب تین سو راتوں کے بعد پہلی رات آئی تو اس نے کہا کہ نیک نہاد بادشاہ -------
کاہل ابو محمد نے خلیفہ سے کہا' امیرالمومنین میرا قصہ سن۔ وہ نہایت عجیب و غریب ہے۔

اگر وہ سوئیوں کی نوکوں سے آنکھوں کے کونوں میں لکھا جائے تو عبرت پکڑنے والے اس سے عبرت پکڑیں گے۔ رشید نے کہا کہ اچھا بیان کر۔ ابو محمد نے سنانا شروع کیا کہ اے امیرالمومنین خدا تیری عزت اور دبدبہ قائم رکھے! سن۔ لوگوں کا کہنا کہ میں کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہوں اور میرے باپ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا' درست ہے کیونکہ جیسا تو نے کہا کہ میرا باپ حمام میں حجام تھا اور میں بچپن میں اتنا کاہل اور ست تھا کہ دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ میری سستی کی حالت یہ تھی کہ گرمیوں میں جب سوتا اور میرے اوپر دھوپ آ جاتی تو سستی کی وجہ سے مجھ سے اتنا نہ ہوتا کہ میں دھوپ سے اٹھ کر سائے میں چلا جاؤں۔

پندرہ برس کی عمر تک میری یہی حالت رہی۔ اس کے بعد میرے باپ کا انتقال ہو گیا' خدا اس پر رحمت کرے! اور میرے لیے اس نے کچھ نہ چھوڑا۔ میری ماں لوگوں کے پاس نوکری کرتی اور مجھے کھانے پینے کو دیتی اور میں پڑا دندناتا۔ ایک دن یہ اتفاق ہوا کہ میری ماں چاندی کے پانچ درہم لے کر میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی بیٹا! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ شیخ ابو المظفر چین کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ شیخ فقیروں کو دوست رکھتا ہے اور اس کی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میری ماں نے کہا کہ بیٹا' یہ پانچ درہم لے کر میرے ساتھ اس کے پاس چل تاکہ ہم اس سے درخواست کریں کہ ان درہموں سے تیرے لیے چین سے کوئی چیز خرید لائے شاید خدا کے فضل سے تجھے اس میں فائدہ ہو مگر مارے سستی کے میں نہ اٹھا اور اس نے خدا کی قسم کھائی کہ اگر تو نہ اٹھے گا تو میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گی اور تیرے پاس کبھی نہ

آؤں گی بلکہ تجھے بھوکا پیاسا مار ڈالوں گی۔

اے امیرالمومنین جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ایسا کیے بغیر نہ رہے گی۔ وہ میری سستی اور کاہلی سے بیزار ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دے۔ اس نے بٹھا دیا۔ میں رونے لگا کہ میرے جوتے لا وہ لے آئی۔ میں نے کہا کہ پہنا دے اور اس نے پہنا دیے۔ میں نے کہا کہ مجھے پکڑ کر اٹھا' اس نے اٹھا کر کھڑا کیا۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے سہارا دے تاکہ میں چلوں اور اس نے سہارا دیا اور میں اس طرح چلا کہ میرے پاؤں دامن میں پھنستے جاتے تھے۔ آخر خدا خدا کرکے ہم سمندر کے کنارے پہنچے اور شیخ کو سلام کیا اور کہا کہ چچا تو ہی ابوالمظفر ہے؟ اس نے کہا کہ لبیک۔ میں نے کہا کہ یہ درہم لے کہ میرے لیے چین سے کوئی چیز خریدتا لائیو ممکن ہے کہ خدا اس میں فائدہ دے۔ شیخ ابوالمظفر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم اس جوان کو جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہے اور آج سے پہلے ہم نے کبھی اسے گھر سے نکلتے نہیں دیکھا۔ شیخ ابوالمظفر نے کہا کہ بیٹا لا درہم' خدا برکت دے! اس کے بعد اس نے بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ سے درہم لے لیے۔ میں اپنی ماں کے ساتھ گھر چلا آیا اور شیخ ابوالمظفر روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ اور اس کے ساتھی چین پہنچے۔

وہاں شیخ نے خرید و فروخت کی اور اپنی ضروریات پوری کر کے واپس لوٹے۔ تین دن سمندر کی راہ طے کرنے کے بعد شیخ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جہاز روکو۔ سوداگروں نے کہا کہ کیا ضرورت پیش آئی؟ اس نے جواب دیا کہ کاہل ابو محمد نے جو کام میرے سپرد کیا تھا' وہ میں بھول گیا۔ الٹے چلو تاکہ ہم اس کے لیے کوئی چیز خرید لیں۔ جس سے اسے فائدہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے لیے واپس نہ چل' ہم بڑی مسافت طے کر چکے ہیں اور اس میں بڑی مصیبت اور مشقت اٹھا چکے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ لوٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے پانچ درہم کا پانچ گنا دس گنا جتنا چاہے لے لے مگر ہمیں واپسی پر مجبور نہ کر۔ شیخ نے ان کی تجویز منظور کر

لی اور انہوں نے بہت سا مال جمع کر کے اس کے حوالے کیا۔
اب چلتے چلتے وہ ایک جزیرے کے پاس پہنچے جہاں بہت بڑی آبادی تھی۔ لنگر ڈال دیئے

اور سوداگر اتر کر معدنیات' جواہرات' موتی اور دوسرے تجارت کا مال خریدنے لگے۔ وہاں ابوالمظفر نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے آگے بہت سے بندر لیے بیٹھا ہے۔ ان میں سے ایک بندر کے بال نچے کھچے ہیں۔ جب ان کے مالک کی توجہ کسی دوسری طرف ہوتی تو دوسرے بندر اس کو مارتے اور اسے مالک پر دھکیل دیتے۔ مالک اٹھ کر اسے مارتا باندھتا اور سزا دیتا۔ اس پر دوسرے بندر اس بندر پر اور زیادہ خفا ہوتے اور اس کو مارتے۔ شیخ ابوالمظفر کی نظر اس بندر پر پڑی تو اسے ترس آ گیا اور اس نے مالک سے کہا کہ اس بندر کو میرے ہاتھ بیچے گا؟ مالک نے کہا کہ ہاں بیچوں گا۔ شیخ نے کہا کہ میرے پاس ایک یتیم لڑکے کے پانچ درہم ہیں کیا انہیں لے کر تو بندر میرے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ اس نے کہا کہ ہاں بیچ ڈالوں گا' خدا تجھے اس میں برکت دے!
اب اس نے مالک کو درہم حوالے کیے اور بندر لے لیا۔ شیخ کے غلاموں نے بندر کو لے کر جہاز سے باندھ دیا' لنگر اٹھا دیئے گئے اور جہاز جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔
ایک اور جزیرے پر اترے وہاں تاجروں نے غوطہ مارنے والوں کو چند درہم اجرت دی کہ وہ غوطہ مار کر معدنیات اور موتی وغیرہ نکالیں انہوں نے غوطہ مارا۔ جب بندر نے انہیں یہ کرتے دیکھا تو اس نے بھی رسی تڑوا کر چھلانگ ماری اور غوطہ خوروں کے ساتھ پانی میں چھلانگ ماری اور غوطہ خوروں کے ساتھ پانی میں غوطہ لگایا۔ ابوالمظفر نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ جس مسکین کے لیے میں نے بندر لیا تھا اس کی بدبختی سے وہ بندر جاتا رہا اور سب کے سب ناامید ہو گئے لیکن جب غوطہ خور اوپر نکلے تو بندر بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اس کے ہاتھوں میں نفیس جواہرات تھے اور اس نے وہ سب ابوالمظفر کے سامنے ڈال دیئے۔ شیخ کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا اور اس نے کہا کہ اس بندر میں ضرور کوئی نہ کوئی بڑا بھید ہے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے لنگر اٹھا کر روانہ ہو گئے اور ایک جزیرے کے پاس پہنچے جس کا نام جزیرہ زنوج تھا۔ وہاں

کے باشندے سیاہ فام تھے اور انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ جونہی ان مردم خور حبشیوں نے انہیں دیکھا تو وہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر ان کی طرف دوڑے اور ان کے پاس پہنچ کر جہاز میں جتنے لوگ تھے سب کو پکڑ' مشکیں باندھ اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان میں سے جو زیادہ موٹے تازے ہوں' ذبح کیا جائے جن کی قضا تھی۔ وہ حلال ہو گئے ان کا گوشت کھایا گیا۔ باقی تاجروں کو قید خانے میں بند کر دیا۔ جب رات ہو گئی تو بندر اٹھا اور ابوالمظفر کے پاس آیا اور اس کی بیڑیاں کھول دیں۔ جب دوسرے تاجروں نے دیکھا کہ ابوالمظفر آزاد ہو گیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ اے ابوالمظفر قریب ہے کہ خدا تیرے ہاتھ سے ہمیں بھی رہائی دے۔ شیخ نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو کے بعد دوسری رات

جب تین سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابوالمظفر نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا ہے اور میں اس کے بدلے اسے ایک ہزار دینار دیتا ہوں۔ تاجروں نے کہا کہ علیٰ ہذا القیاس ہم میں سے بھی ہر ایک اسے ایک ہزار دے گا اگر وہ ہمیں بھی چھڑا دے۔ یہ سن کر بندر اٹھا اور ایک ایک کر کے انہیں کھولنے لگا یہاں تک کہ سب کی بیڑیاں کھول دیں اور سب وہاں سے روانہ ہو کر جہاز میں پہنچ گئے دیکھا کہ وہ بالکل صحیح سالم ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی۔ انہوں نے جہاز کے لنگر اٹھا دیئے اور چل کھڑے ہوئے۔ ابوالمظفر نے کہا کہا کہ اے تاجرو! جو تم نے بندر سے وعدہ کیا تھا' اسے پورا کرو۔ وہ بولے ہم تیار ہیں اور ہر ایک نے اسے ایک ایک ہزار دینار دیئے اور ابوالمظفر نے بھی اپنے مال میں سے ایک ہزار دینار نکال کر اس کے حوالے کیے۔ بندر کے لیے بڑی دولت جمع ہو گئی۔ اب وہ وہاں سے چلتے چلتے بصرے پہنچے اور ان کے دوست ان سے ملنے آئے۔ جب وہ جہاز سے اترے تو ابوالمظفر نے کہا کہ کاہل ابو محمد کہاں ہے۔ جب یہ خبر میری ماں کو ملی تو وہ میرے پاس آئی۔ میں سو رہا تھا وہ مجھے جھنجھوڑ کر کہنے لگی کہ بیٹا شیخ ابوالمظفر لوٹ کر شہر میں آ گیا ہے۔ اٹھ اور اس کے پاس جا کر اسے سلام کر اور پوچھ کہ وہ تیرے لیے کیا لایا ہے؟ ممکن ہے کہ خدا تیری رزق کشائی کرے۔ میں نے کہا کہ مجھے اٹھا اور سہارا دے تاکہ میں یہاں سے نکل کر سمندر کے کنارے جاؤں۔ اب میں لٹکتا ٹپکتا وہاں سے چلا اور شیخ ابوالمظفر کے پاس پہنچا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ مرحبا! تیرے درہموں کی وجہ سے ہم اور یہ تاجر خدا کے فضل سے صحیح و سلامت لوٹے ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا کے لے یہ بندر اسے میں نے تیرے لیے خریدا ہے اور اسے لے کر گھر جا اور میرا انتظار

کر۔ میں بندر کو اپنے ساتھ لے کر گھر گیا اور اپنے دل میں کہا کہ واللہ یہ تو واقعی بڑی تجارت ہے! گھر پہنچ کر میں نے ماں سے کہا کہ جب کبھی میں سوتا ہوتا تو تو مجھ سے کہتی کہ اٹھ اور تجارت کر۔ دیکھ اس تجارت کو اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لے۔

یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا اور ابھی میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ابوالمظفر کے غلام میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ کاہل ابو محمد تو ہی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اتنے میں ان کے پیچھے پیچھے ابوالمظفر بھی آ گیا۔ میں نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے کہا کہ میرے گھر چل۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم اور اس کے ساتھ روانہ ہو کر اس کے گھر پہنچا۔ اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ مال لاؤ۔ جب وہ لے آئے تو اس نے کہا کہ بیٹا پانچ درہم سے خدا نے تجھے اتنا فائدہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مال کے صندوق ان کے سروں پر رکھوا دیئے اور ان کی کنجیاں میرے حوالے کر کے کہا کہ غلاموں کو لے کر اپنے گھر جا اور یہ سارا مال تیرا ہے۔ میں انہیں لے کر ماں کے پاس آیا۔ وہ خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا خدا نے یہ سارا مال تجھے دیا ہے۔ اب کاہلی چھوڑ دے اور بازار جا کر خرید و فروخت کر۔ میں نے کاہلی چھوڑ کر بازار میں ایک دکان کھولی۔ بندر میرے ساتھ گدی پر بیٹھتا اور جب میں کھاتا تو وہ میرے ساتھ کھاتا اور جب پیتا تو وہ میرے ساتھ پیتا لیکن ہر روز صبح سے لے کر دوپہر تک وہ غائب رہتا۔ جب آتا تو ایک تھیلی لے کر آتا جس میں ایک ہزار دینار ہوتے۔ اور اسے میرے پاس رکھ کر بیٹھ جاتا۔ بہت دنوں تک یہی حالت رہی اور میرے پاس بے شمار دولت جمع ہو گئی۔

اے امیرالمومنین میں نے بہت سی زمینیں اور مکان خرید ڈالے' باغ لگائے' گورے اور کالے غلام اور کنیزیں خریدیں۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور بندر دونوں بیٹھے تھے کہ یکایک وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ اتنے میں بندر نہایت شیریں لہجے میں کہنے لگا اے ابو محمد۔ یہ سن کر میرے رونگٹے

کھڑے ہو گئے۔ اس نے کہا کہ ڈر نہیں۔ میں اپنا حال تجھ سے بیان کرتا ہوں۔ میں خدا کی درگاہ سے راندہ ہوا جن ہوں۔ تیری زدہ حالت دیکھ کر میں تیرے پاس آیا تھا اور آج تیری یہ حالت ہے کہ تجھے اپنے مال کی بالکل قدر نہیں۔ تجھ سے میری ایک ضرورت ہے اور اس میں تیری بھلائی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں تیری شادی ایک لڑکی سے کرانا چاہتا ہوں جو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کس طرح؟ وہ بولا کہ کل اپنا بہترین لباس پہنیو اور خچر پر سونے کا زین رکھ کر اس پر سوار ہوجیو اور گھسیاروں کی منڈی جا کر شریف کی دکان کا پتہ پوچھیو اور اس کے پاس بیٹھ کر کہیو کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ کہے کہ تیری گرہ میں نہ تو دام ہیں اور نہ تیرا کوئی حسب نسب ہے تو اسے ایک ہزار دینار دے دیجیو۔ اگر وہ کہے کہ اور دے تو اور دے دیجیو اور اسے مال کا لالچ دلائیو۔ میں نے کہا کہ بسرو چشم' کل میں انشاء اللہ یہ کروں گا۔ ابو محمد کا بیان ہے کہ جب سویرا ہوا تو میں نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور خچر پر سونے کی زین رکھ کر سوار ہوا۔ اس کے بعد گھسیاروں کی منڈی میں پہنچ کر شریف کی دکان کا پتہ پوچھا اور دیکھا کہ وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو کے بعد تیسری رات

جب تین سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ -------
ابو محمد کسلان کہتا ہے کہ میں نے اتر کر اسے سلام کیا اور اس کے پاس جا بیٹھا۔ اس وقت میرے ساتھ دس گورے اور کالے غلام تھے۔ شریف نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے تیری کوئی ضرورت ہے جسے میں پورا کروں۔ میں نے کہا کہ ہاں میں تیرے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا حاجت ہے؟ میں نے کہا کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرے پاس نہ تو دولت ہے نہ حسب نسب۔ میں نے ایک تھیلی نکال کر اس کے آگے رکھ دی' جس میں ایک ہزار دینار سرخ تھے اور اس سے کہا کہ یہ ہے میرا حسب نسب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ بہترین حسب نسب مال ہے۔ یہ سن کر شریف نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر بولا اگر یہی ہے تو میں تجھ سے تین ہزار دینار اور چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ابھی لے۔ یہ کہہ کر میں نے اپنے ایک غلام کو اپنے گھر بھیجا اور وہ جا کر اتنے دینار لے آیا جتنے اس نے مانگے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ مال بھی اسے مل گیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے غلاموں سے کہا کہ دکان میں قفل لگا دو۔ پھر وہ اپنے دوستوں کو لے کر گھر گیا اور میرا نکاح نامہ اپنی بیٹی کے ساتھ لکھوا دیا اور مجھ سے کہا کہ دس دن کے بعد میں اسے رخصت کر دوں گا۔ یہ سن کر میں خوش خوش گھر لوٹا اور بندر سے تنہائی میں سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ تو نے بہت خوب کیا۔
جب شریف کی مقرر کردہ میعاد قریب آئی تو بندر نے کہا کہ میری تجھ سے ایک حاجت ہے اگر تو اسے پورا کر دے تو تو جو مانگے گا میں دوں گا۔ میں نے کہا کہ وہ حاجت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جس کمرے میں تو شریف کی لڑکی سے ہم بستری کرے گا اس کے صدر کی طرف ایک کوٹھڑی ہے جس کی پیتل کی زنجیر ہے اور کنجیاں زنجیر

کے نیچے ہیں۔ انہیں لے کر دروازہ کھولیو اور اس کے اندر تجھے ایک لوہے کا صندوق ملے گا جس کے چاروں کونوں پر جادو کے چار جھنڈے ہوں گے اور بیچ میں ایک تشت مال سے بھرا ہوا۔ تشت کے پاس گیارہ سانپ اور اس کے اندر ایک سفید مرغ ہو گا' صندوق کے پاس ایک چھری ہو گی' چھری کو لے کر اس مرغ کو ذبح کر ڈالیو اور جھنڈوں کو کاٹ کر صندوق الٹ دیجیو۔ اس کے بعد دلہن کے پاس جا کر سو جائیو۔ بس یہ تجھ سے میری درخواست ہے۔ اس کے بعد میں شریف کے مکان گیا اور کمرے میں جا کر دیکھا کہ وہ کوٹھڑی موجود ہے جس کا ذکر بندر نے کیا تھا پھر میں دلہن کے پاس گیا تو اس کے حسن و جمال اور قد و قامت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ زبان اس کی خوبصورتی بیان کرنے سے عاجز ہے اور بے حد خوش ہوا۔ جب آدھی رات ہوئی اور دلہن سو گئی تو میں اٹھا اور کنجیاں لے کر کوٹھڑی کھولی' چھری لے کر مرغ ذبح کیا اور جھنڈیوں کو پھینک کر صندوق الٹ دیا۔ اتنے میں لڑکی کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی کھلی ہوئی ہے اور مرغ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اس نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ اب وہ مردود مجھے لے جائے گا۔ ابھی وہ یہ فقرہ تمام نہ کرنے پائی تھی کہ ایک مردود دیو نے گھر کو گھیر لیا اور لڑکی کو اٹھا کر لے گیا۔ ایک چیخ و پکار مچ گئی۔ شریف سر پیٹتا آیا اور کہنے لگا اے ابو محمد یہ تو نے کیا کیا؟ کیا تجھے ہمارے ساتھ یہی سلوک کرنا تھا؟ اسی ڈر سے تو کہ کہیں یہ ملعون دیو میری بیٹی کو اٹھا کر نہ لے جائے' میں نے اس کوٹھڑی میں یہ جادو کر رکھا تھا کیونکہ وہ چھ برس سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا مگر اس کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اب تو میرے ہاں نہیں ٹھہر سکتا' چل دور ہو۔

شریف کے مکان سے روانہ ہو کر میں اپنے گھر آیا اور بندر کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ نہ ملا اور اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اب مجھے یقین ہوا کہ وہی وہ ملعون دیو تھا جو میری بیوی کو اڑا لے گیا اور مجھے دھوکا دے کر میرے ہاتھ سے مرغ ذبح کرایا اور جادو اتروایا۔

اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا اور میں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔ دنیا سے بیزار ہو گیا اور فوراً نکل کر جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے شام ہو گئی اور مجھے کچھ معلوم نہ ہوا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا کہ ایک زرد اور ایک سفید سانپ لڑتے ہوئے میرے قریب پہنچے میں نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر زرد سانپ کو مارا اور وہ مر گیا کیونکہ وہی سفید سانپ کو دق کر رہا تھا۔ اب سفید سانپ وہاں سے چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد دس اور سفید سانپوں کو لے کر آیا۔ انہوں نے مردہ سانپ کے پاس جا کر اس کی تکا بوٹی کر ڈالی۔ یہاں تک کہ سوائے سر کے اور کچھ باقی نہ رہا اور چلتے بنے۔ تھکن کی وجہ سے میں وہیں لیٹ گیا۔ میں لیٹا ہوا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا کہ میں نے کسی کو کہتے سنا مگر اس کی شکل دکھائی نہ دی کہ "تقدیر کو اپنا کام کرنے دے اور آرام سے سو کیونکہ اتنی دیر میں کہ انسان آنکھ بند کرے اور کھولے خدا کچھ کا کچھ کر دیتا ہے۔"

اے امیرالمومنین جب میں نے یہ سنا تو میری حالت دگرگوں ہو گئی اور مجھے بے حد پریشانی ہوئی اتنے میں پیچھے سے مجھے یہ آواز سنائی دی کہ " اے مسلم تیرا رہنما قرآن ہے۔ خوش ہو کہ اب امان میں آ گیا ہے۔ شیطان کی دغابازی سے نہ ڈر کیونکہ ہم لوگ ایمان والے ہیں۔" میں نے کہا کہ خدا کے واسطے یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟ یہ سن کر ہاتف نے انسان کی صورت اختیار کر لیا اور مجھ سے کہا کہ ڈر نہیں تیرے احسان کی خبر ہم کو مل چکی ہے۔ ہم مسلمان جن ہیں۔ اگر تجھے کوئی حاجت ہو تو بیان کر تاکہ ہم اسے پورا کریں۔ میں نے کہا کہ میری حاجت بہت بڑی ہے مجھ پر ایسی مصیبت آ بنی ہے کہ کسی اور پر نہ گزری ہو گی۔ اس نے کہا کہ تو ابو محمد الکسلان تو نہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ وہ بولا اے ابو محمد میں اس سفید سانپ کا بھائی ہوں جس کے دشمن کو تو نے قتل کیا ہے۔ ہم سگے بھائی ہیں اور سب کے سب تیری مہربانی کے شکر گزار ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو جن بندر کی صورت میں تھا اور جس نے تیرے ساتھ دغابازی کی ہے وہ مردود جنوں میں سے ہے اور وہ یہ چھل فریب نہ

کرتا تو لڑکی ہرگز اس کے قابو میں نہ آتی۔ ایک زمانے سے وہ اس لڑکی پر عاشق تھا اور اسے لے جانا چاہتا تھا مگر وہ جادو اسے روکے ہوئے تھا۔ اگر جادو نہ ٹوٹتا تو وہ جن اس کے پاس پھٹک نہ سکتا۔ خیر پریشان نہ ہو ہم تجھے اس لڑکی تک پہنچا دیں گے اور اس ملعون کو قتل کر دیں گے جو احسان تو نے ہمارے ساتھ کیا ہے وہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے زور سے آواز دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو چوتھی رات

جب تین سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جن نے یہ کہہ کر کہ تیرا احسان جو ہم پر ہے ضائع نہیں ہو سکتا' بہت زور سے ایک آواز دی۔ بہت سے جن آموجود ہوئے اور اس نے ان سے بندر کے متعلق دریافت کیا۔ ایک جن نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتا ہے؟ اس نے پوچھا کہ کہاں رہتا ہے؟ جن نے کہا کہ تانبے کے شہر میں جہاں کبھی سورج نہیں نکلتا۔ وہ بولا اے ابو محمد تمہارے غلاموں میں سے ایک غلام کو اپنے ساتھ لے جا وہ تجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر لے جائے گا اور تجھے لڑکی کو واپس لے آنے کی تدبیر بتا دے مگر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جن کافر جنوں میں سے ہے اور جب تک تو اس پر سوار رہے خدا کا نام نہ لیجیو۔ ورنہ وہ تجھے چھوڑ کر بھاگ جائے گا اور تو گر کر ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ اچھا۔ ان کے غلاموں میں سے ایک سامنے آیا اور جھک کر بولا کہ سوار ہو۔ میں سوار ہو گیا تو وہ مجھے لے کر ہوا میں اڑا یہاں تک کہ وہ دنیا سے غائب ہو گیا اور مجھے ستارے' مضبوط پہاڑوں کی طرح دکھائی دینے لگے اور آسمان پر فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر وہ دیو مجھ سے بات چیت کر کے خدا کی یاد بھلا رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک شخص دکھائی دیا اس کا لباس سبز تھا۔ بال لمبے لمبے اور چہرہ نورانی۔ اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس میں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا اے ابو محمد کہہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ورنہ میں یہ نیزہ ابھی کھینچ کر مارتا ہوں۔ خدا کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے میں برداشتہ خاطر تو ہو ہی رہا تھا فوراً میں نے کہہ دیا کہ لا الہ اللہ محمد سول اللہ اور اس شخص نے دیو پر نیزہ مارا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا اور میں اس کی پیٹھ پر سے زمین کی طرف چلا اور زمین میں پہنچ کر متلاطم سمندر میں جا پڑا۔ وہاں میں نے ایک ناؤ دیکھی

جس میں پانچ ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے مجھے اٹھا کر ناؤ میں بٹھا لیا اور مجھ سے ایک ایسی زبان میں باتیں کرنے لگے جس کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے انہیں اشارے سے بتایا کہ میں تمہاری بولی نہیں سمجھتا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی' انہوں نے جال ڈال کر ایک مچھلی پکڑی اور اسے تل کر مجھے کھلایا۔

اب وہ اپنے شہر میں پہنچے اور مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے جا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس نے مجھے خلعت عطا کیا۔

بادشاہ عربی جانتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اپنا مدد گار بناتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ شہر کا نام ہناد ہے اور وہ چین میں ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے مجھے اپنے وزیر کے سپرد کر کے کہا کہ اسے شہر کی سیر کرا لا۔ اس شہر کے باشندے پہلے کافر تھے۔ اس لئے خدا نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا تھا۔ میں نے وہاں کی سیر کی اور اتنے درخت اور پھل دیکھے جتنے کہیں اور نہ دیکھے ہوں۔ ایک مہینے کے بعد ایک روز میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سوار آیا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تو کاہل ابو محمد ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ بے خوف رہ تیری بھلائی کی خبر مجھے ملی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں سانپ کا بھائی ہوں اور اب تو اس جگہ کے قریب ہے جہاں لڑکی ہے اور جہاں تو جانا چاہتا ہے۔ اب اس نے اپنے کپڑے اتار کر مجھے پہنا دیئے اور مجھ سے بولا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں جو غلام تیری سواری میں مارا گیا ہے ہمارا ہی غلام تھا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر لیا اور جنگل کی راہ لی۔ ایک مقام پر پہنچ کر اس نے کہا کہ اتر کر ان دونوں پہاڑوں کے درمیان چلا جا۔ جب تجھے پیتل کا شہر دکھائی دے تو اس سے دور ٹھہرا رہیو۔ جب تک میں نہ آؤں اس کے اندر نہ جائیو۔ میں آ کر بتاؤں کا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے بہت خوب کہا اور اتر کر روانہ ہوا۔ شہر کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شہر پناہ پیتل کی ہے اور میں اس کے گرد چکر لگانے لگا کہ کہیں اس کا دروازہ نظر آئے لیکن کہیں

نظر نہ آیا۔ میں ابھی چکر لگا ہی رہا تھا کہ سانپ کا بھائی آ پہنچا اور اس نے مجھے ایک جادو کی تلوار دی تا کہ مجھے کوئی دیکھ نہ سکے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چل دیا مگر ابھی اسے گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک شور سنائی دیا اور بہت سے لوگ دکھائی دیئے جن کی آنکھیں سینوں میں تھیں۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو کہنے لگے کہ تو کون ہے اور تجھے اس جگہ کون لایا ہے؟ میں نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ کہنے لگے کہ جس لڑکی کا تو نے ذکر کیا ہے وہ ہے تو دیو کے ساتھ اسی شہر میں مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور ہم لوگ سانپ کے بھائی ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس چشمے کے پاس جا کر دیکھ کہ پانی کہاں سے اندر جاتا ہے وہیں سے تو بھی اندر چلا جا اور پانی تجھے شہر کے اندر پہنچا دے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جب میں پانی کے ساتھ بدرو میں داخل ہو کر اوپر نکلا تو میں شہر کے بیچ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے چاروں طرف دیباج کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ پردوں کے چاروں طرف ایک باغ ہے جس کے درخت سونے کے ہیں اور پھل یاقوت' زبرجد' موتی اور مرجان اور قیمتی جواہرات کے۔ لڑکی نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا۔ پہلے خود سلام کیا اور کہا کہ اے میرے آقا تجھے یہاں کون لایا؟ میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ بولی اس ملعون کو مجھ سے اتنی محبت ہے کہ اس نے مجھے بتا دیا کہ ہے کس چیز سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے اور کس چیز سے فائدہ۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اس شہر میں ایک طلسم ہے۔ میں چاہوں تو اس کے ذریعے سے سینکڑوں کو ہلاک کر سکتا ہوں اور جب میں دیوں کو حکم دوں تو وہ میری اطاعت کریں گے اور یہ طلسم چند کھمبوں کے اندر ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کھمبے کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ فلاں جگہ۔ میں نے کہا کہ اور وہ طلسم کیا ہے؟ وہ بولی کہ ایک گدھ کی مورت ہے اور اس پر کچھ لکھا ہوا

ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ اس گدھ کو لے کر اپنے آگے رکھیو اور ایک انگارا لے کر اس پر تھوڑا سا مشک ڈالیو۔ جب اس میں سے دھواں نکلنے لگے گا تو دیو آ کر جمع ہو جائیں گے اگر تو نے ایسا کیا تو سارے کے سارے دیو آجائیں گے اور ایک بھی غیر حاغیر نہ رہے گا اور وہ سب تیری فرمانبرداری کریں گے جو تو حکم دے گا اسے بجا لائیں گے۔ اب جا اور ایسا ہی کر خدا برکت دے! میں نے کھمبوں کے پاس جا کر اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔ دیو آ پہنچے اور میرے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اے آقا ہم سب حاضر ہیں جو تو کہے گا ہم عمل کریں گے۔ میں نے کہا کہ اس مردود دیو کو باندھ کر لے آؤ جو اس لڑکی کو اس کے گھر سے چرا لایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم۔

اور وپ اس ملعون کے پاس گئے اور اسے بیڑیوں میں جکڑا اور مشکیں کس کر لا حاضر کیا اور کہنے لگے کہ لے ہم تیرا حکم بجا لائے۔ میں نے کہا کہ اب تم چلے جاؤ۔

پھر میں نے لڑکی کے پاس جا کر اس سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اے میری بیوی کیا تو میرے ساتھ چلے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ اب میں اس بدرو میں سے نکلا جس سے کہ داخل ہوا تھا اور چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچا جنھوں نے مجھے راستہ بتایا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو پانچویں رات

تین سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- وہ کہنے لگا کہ ہم چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچے جنھوں نے ہمیں لڑکی تک پہنچنے کا راستہ بتایا تھا اور میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس راستے پر لگا دو جہاں سے میں اپنے وطن واپس پہنچ جاؤں۔ انہوں نے مجھے راستے پر لگا دیا اور میرے ساتھ سمندر کے کنارے تک گئے اور مجھے ایک کشتی میں بٹھا دیا۔ ہوا موافق تھی' کشتی نے ہمیں لا کر بصرے پہنچا دیا۔ جب لڑکی اپنے باپ کے گھر پہنچی تو اس کے خاندان والے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے پھر گدھ کو مشک کی دھونی دی اور ہر طرف سے دیو آپہنچے۔ انہوں نے کہا کہ لبیک' کیا حکم ہے تا کہ ہم بجا لائیں۔ میں نے کہا کہ پیتل کے شہر میں جو کچھ مال و دولت اور معدنیات اور ہیرے جواہرات ہیں' انہیں بصرے میں میرے گھر لے آؤ۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ اس کے بعد میں نے حکم دیا کہ اس بندر کو لاؤ اور وہ اسے نہایت ذلت اور حقارت سے لائے۔ میں نے اس سے کہا کہ اے ملعون تو نے مجھ سے دغا بازی کی؟ اور انہیں حکم دیا کہ اسے پیتل کی بوتل میں بند کر دو۔ انہوں نے اسے ایک پیتل کی تنگ بوتل میں داخل کر کے اس کا منہ سیسے سے بند کر دیا اور میں اور میری بیوی خوش خوش زندگی بسر کرنے لگے۔ اے امیر المومنین اس وقت میرے پاس اس قدر قیمتی ذخیرے ہیں جن کا حد و حساب نہیں اگر تجھے مال و دولت یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو میں جنات کو حکم دوں گا کہ وہ فوراً تیرے پاس لا کر حاضر کریں۔ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ امیر المومنین کو اس پر سخت اچنبھا ہوا اور اس کے ہدیے کے عوض اس نے اسے شاہانہ عطیات اور اس کے لائق انعامات دیئے۔

○ یحییٰ بن خالد برمکی اور منصور کی کہانی

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے ایک سردار کو بلوایا جس کا نام صالح تھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ ابھی تک وہ برمکیوں سے ناراض نہیں ہوا تھا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو ہارون الرشید نے کہا کہ اے صالح تو منصور کے پاس جا کر کہہ کہ میرے تجھ پر دس لاکھ درہم نکلتے ہیں۔ میرا حکم ہے کہ فوراً یہ رقم میرے پاس پہنچا دے اور اے صالح تجھے میں یہ حکم دیتا ہوں کہ اگر اس وقت سے لے کر مغرب تک تجھے یہ رقم نہ مل جائے تو اس کا سر جسم سے جدا کر دیجیو اور اسے میرے پاس لے آئیو۔ صالح نے منصور کے پاس جا کر امیر المومنین کا پیغام پہنچا دیا۔ منصور نے کہا کہ اب میری جان گئی واللہ اگر میں اپنی ساری جاگیر اور دوسرا مال مہنگے سے مہنگا بھی بیچوں تو اس کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ نہ آئے گی مگر اے صالح باقی نو لاکھ درہم میں کہاں سے لاؤں گا! صالح نے کہا کہ جلد سے جلد کوئی تدبیر سوچ جس سے تیرا چھٹکارا ہو جائے ورنہ تو مارا جائے گا کیونکہ خلیفہ نے جو میعاد مقرر کی ہے اس سے ایک لمحہ بھی میں دیر نہیں کر سکتا اور نہ امیر المومنین کے حکم کی نافرمانی کر سکتا ہوں۔ اس لئے وقت ختم ہونے سے پہلے اپنی جان چھڑانے کی تدبیر نکال۔ منصور بولا اے صالح، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے میرے گھر لے چل تاکہ میں اپنے بال بچوں اور خاندان والوں کو خدا حافظ کہہ لوں اور اپنے رشتہ داروں کو وصیت کر دوں۔ صالح کا بیان ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا اور اس نے اپنے خاندان والوں کو خدا حافظ کہنا شروع کیا اور گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور خدا کی دہائی دینے لگے۔ صالح نے اس سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ برمکیوں کے ہاتھ سے خدا تجھے خوشی دے سکتا ہے تو میرے ساتھ یحییٰ بن خالد کے گھر چل چنانچہ وہ یحییٰ کے پاس گیا اور اپنی حالت سنائی۔

یحییٰ بہت غمگین ہوا اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر اپنے خزانچی کو بلایا اور پوچھا کہ ہمارے خزانے میں کتنے درہم ہیں؟ اس نے کہا کہ تقریباً

پانچ ہزار۔ یحییٰ نے حکم دیا کہ انہیں لا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے فضل کے پاس ایک قاصد کو یہ خط دے کر بھیجا کہ ایک ایسی عالی شان جاگیر بکنے کو میرے پاس آئی ہے جو کبھی بنجر نہ ہو گی کچھ درہم میرے پاس بھیج دے۔ اس نے دس لاکھ درہم بھیج دیئے۔ پھر اس نے اپنے دوسرے بیٹے جعفر کے پاس ایک اور شخص کو خط دے بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے اور مجھے کچھ درہموں کی ضرورت ہے۔ جعفر نے بھی فوراً دس لاکھ درہم اس کے پاس بھیج دیئے۔

اسی طرح یحییٰ برمکیوں کے پاس مختلف لوگوں کو بھیجتا رہا یہاں تک کہ اس نے منصور کے لئے بہت دولت جمع کر لی۔ صالح اور منصور کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔ منصور نے یحییٰ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ میں نے تیرا دامن پکڑا ہے اور میرے خیال میں تیرے سوا اور کسی سے اتنی رقم نہیں مل سکتی کیونکہ تو سخاوت کا عادی ہے لہٰذا میرا باقی قرضہ اتار دے اور مجھے اپنا زر خرید بندہ بنا لے۔ یحییٰ سر نیچا کر کے رونے لگا اور اپنے غلام سے بولا کہ امیر المومنین نے ہماری کنیز دنانیر کر ایک بار ایک بیش بہا ہیرا دیا تھا۔ اس کے پاس جا کر کہہ کہ وہ اس ہیرے کو میرے پاس بھیج دے۔ غلام جا کر اس ہیرے کو لے ایا۔ یحییٰ نے کہا کہ اے صالح میں نے یہ ہیرا امیر المومنین کے لئے تاجروں سے دولاکھ دینار میں خریدا تھا۔ اس نے میری کنیز دنانیر کو بخش دیا جو عود بجانے والی ہے۔ اگر وہ اس ہیرے کو تیرے پاس دیکھے گا اور اسے پہچان لے گا تو ہماری خاطر تیری جان بخشی کر دے گا کیونکہ ہمارے ساتھ وہ احسان کرتا ہے اور اے منصور تیرے قرضے کے دام پورے ہو گئے ہیں۔

صالح کا بیان ہے کہ میں نقدی اور اس ہیرے کو لے کر منصور کے ساتھ رشید کے پاس روانہ ہو گیا۔ ابھی ہم راہ ہی میں تھے کہ میں نے اسے یہ شعر پڑھتے سنا۔ ”میں

محبت کی وجہ سے ان کے پاس نہیں گیا بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مجھ پر تیر نہ پڑیں۔" مجھے اس کی بد طینتی' رذالت' شرارت اور خباثت پر تعجب ہوا اور میں نے پھر کر اس سے کہا کہ دنیا میں ہر مکیوں سے زیادہ شریف اور تجھ سے زیادہ رذیل موجود نہیں۔ انہوں نے تجھے موت سے چھڑایا' ہلاکت سے بچایا اور تجھے نجات دے کر تجھ پر احسان کیا۔ اس کے بدلے تو نے نہ ان کا شکریہ ادا کیا نہ ان کی تعریف کی اور نہ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا بلکہ اس کے احسان کے بدلے یہ شعر پڑھا۔ رشید کے پاس پہنچ کر میں نے اس سے یہ قصہ بیان کیا اور ساری سر گزشت سنائی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو چھٹی رات

جب تین سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ صالح بیان کا ہے کہ میں نے یہ قصہ رشید سے بیان کیا اور اسے ساری سرگزشت سنائی۔ رشید کو یحییٰ کی سخاوت اور منصور کی رذالت اور کمینے پن پر سخت تعجب ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ ہیرا یحییٰ بن خالد کو واپس کر دیا جائے اور کہا کہ جو چیزیں ہم نے اسے عطا کی ہیں' ان کا واپس ہلینا ہمارے لئے جائز نہیں۔ صالح نے یحییٰ بن خالد کے پاس جا کر منصور کا قصہ اور اس کی رذالت بیان کی۔ یحییٰ نے کہا اے صالح جب انسان نادار اور دل آزردہ اور متفکر ہو تو اگر اس سے کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو اسے اس کی سزا نہیں دی جاسکتی کیونکہ وہ اس کے دل سے نہیں نکلتی اور وہ منصور کی طرف سے صالح سے معذرت کرنے لگا۔ صالح رو پڑا اور کہنے لگا کہ دنیا تیرا جیسا اور شخص پیدا نہ کرے گی۔ افسوس ہے کہ ایسا شخص جس کی سخاوت تیری سخاوت کی طرح ہو اور خلق تیرا سا' وہ ایک دن زمین کے اندر چھپ جائے گا۔

- ### یحییٰ بن خالد اور جعلی خط کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ یحییٰ بن خالد بن مالک خزاچی آپس میں پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے مگر اسے ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ دونوں میں دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ امیر المومنین ہارون الرشید کو عبداللہ بن مالک سے بڑی محبت تھی حتیٰ کہ یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ نے امیر المومنین پر جادو کر دیا ہے۔ یہ دشمنی دونوں کے دلوں میں ایک زمانے تک رہی۔ اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ رشید نے عبداللہ بن مالک کو

ارمینیہ کا والی بنا کر وہاں روانہ کر دیا۔ جب اسے والی ہوئے ایک مدت گزر گئی تو اس کے پاس ایک عراقی گیا۔ وہ بڑا فاضل و ادیب' ذکی اور فہیم تھا لیکن غریب ہو چکا تھا۔ اس کی دولت ختم ہو چکی تھی اور اس کے حالات ابتر تھے۔ یحیٰی بن خالد کی طرف سے عبداللہ بن مالک کے نام ایک جعلی خط لکھ کر اس کے پاس ارمینیہ بھیجا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر وہ خط اس کے ایک حاجب کے حوالے کر دیا۔ حاجب نے خط لے کر عبداللہ بن مالک خزاعی کو دے دیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھا غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خط جعلی ہے۔

پھر اس شخص کو اندر بلوایا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوا تونے اسے دعا دی اور اس کے مجلس والوں کی تعریف کی۔ عبداللہ بن مالک نے کہا کہ تجھ پر ایسی کیا مصیبت پڑی جو تو اتنی مشقت اٹھا کر ایک جعلی خط لایا ہے؟ مگر اطمینان رکھ ہم تیری محبت کو رائیگاں نہ کریں گے۔ اس شخص نے کہا کہ خدا ہمارے والی کی عمر میں برکت دے! اگر میرا آنا تجھ پر گراں گزرا ہے تو اپنے انکار کے لئے کوئی سبب نہ ڈھونڈ کیونکہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے اور رزق دینے والا زندہ ہے اور جو خط میں یحیٰی بن خالد کے پاس سے تیرے نام لایا ہوں اصلی ہے جعلی نہیں۔ عبداللہ نے کہ کہا میں اپنے نمائندے کو جو بغداد میں ہے ایک خط لکھتا ہوں اور اسے حکم دیتا ہوں کہ جو خط تو لایا ہے اس کی تحقیق کرے اگر وہ خط اصلی ہے اور جعلی نہیں تو میں تجھے اپنے کسی صوبے کا حاکم بنا دوں گا یا اگر تیری مرضی ہو گی تو تجھے دو لاکھ درہم' گھوڑے اور اصیل اونٹ اور خلعت عطا کروں گا اور اگر خط جعلی نکلا تو حکم دوں گا تجھے دو سو ڈنڈے مارے جائیں‌اور تیری داڑھی مونڈ ڈالی جائے۔ اس کے بعد عبداللہ نے حکم دیا کہ جب تک اس بات کی تحقیق نہ ہو لے اسے ایک کمرے میں بند رکھا جائے اور اس کے لئے ضرورت کی چیزیں مہیا کی جائیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے نمائندے کے نام بغداد اس مضمون کا خط لکھا کہ میرے پاس ایک شخص ایک خط لے کر آیا ہے اور کہتا

ہے کہ وہ یحییٰ بن خالد کی طرف سے ہے مگر مجھے اس میں شک ہے۔ تجھے چاہیے کہ فوراً خود جا کر اس خط کے بارے میں تحقیق کرا اور مجھے جلد جواب دے تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ شخص سچا ہے یا جھوٹا۔ یہ خط بغداد میں نمائندے کے پاس پہنچا تو وہ سوار ہو کر گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو ساتویں رات

تین سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب بغداد میں عبداللہ بن مالک خزاعی کے وکیل کو یہ خط ملا تو وہ فوراً سوار ہو کر یحیٰ بن خالد کے مکان پر پہنچا۔ دیکھا کہ وہ اپنے ندیموں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سلام کر کے وہ خط اسے دے دیا۔ خط پڑھ کر یحیٰ بن خالد نے نمائندے سے کہا کہ کل آ کر مجھ سے جواب لے جائیو۔ جب نمائندہ چلا گیا تو یحیٰ نے اپنے ندیموں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو میری طرف سے ایک جعلی خط لے جا کر میرے دشمن کے ہاتھ میں دے۔ ہر ندیم اپنی اپنی ہانکنے اور طرح طرح کی سزا تجویز کرنے لگا۔ یحیٰ نے کہا تم سب غلطی پر ہو اور تمہاری تجویزیں کم ہمتی اور چھچھورے پن پر دلالت کرتی ہیں تمہیں معلوم ہے کہ عبداللہ کو امیر المومنین کا قرب حاصل ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے ناراض اور آپس میں دشمن ہیں۔

اب خدا نے اس شخص کو میرے اور اس شخص کے درمیان صلح کا سبب بنایا ہے۔ اس کی اس بارے میں مدد کی ہے اور اسے اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ ہمارے دلوں سے نفرت کی آگ بجھا دے جو بیس سال سے شعلہ زن ہے اور اس کے ذریعے سے ہماری اصلاح کر دے۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ اس شخص کے گمان کو یقین کے درجے تک پہنچا دوں اور اس کی حالت سدھارنے کی کوشش کروں اور عبداللہ بن مالک خزاعی کو ایک خط لکھوں جس کا مضمون یہ ہو کہ اس شخص کی اور زیادہ تعظیم اور تکریم کر اور اسے عزت و احترام سے رکھ۔ ندیموں نے یہ سنا تو وہ اس کے حق میں بھلائی کی دعا مانگنے لگے اور انہیں اس کی بلند حوصلگی اور با مروتی پر تعجب ہوا۔

اس کے بعد یحیٰ نے کاغذ اور دوات منگوا کر اپنے ہاتھ سے عبداللہ بن مالک کو یہ خط

لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تیرا خط پہنچا۔ خدا تیری عمر میں برکت دے! میں نے اسے پڑھا تیری خیریت معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی اور تیرے استقلال اور سعادت مندی سے میں مسرور ہوا۔ تیرا خیال ہے کہ اس شریف آدمی نے میری طرف سے ایک جعلی خط لکھا ہے کہ وہ میری طرف سے اس پیغام کے لئے جانے کا مجاز نہ تھا۔ یہ درست نہیں۔ اس خط کو میں نے ہی لکھا ہے اور وہ جعلی نہیں ہے۔ مجھے تیرے اکرام و احسان اور خوش خلقی سے امید ہے کہ تو اس شریف اور بزرگ شخص کی امیدیں اور آرزوئیں پوری کر دے گا اور اس کا احترام کر کے اس کی مطلب برآری کرے گا اور اس کے ساتھ احسان و اکرام کر کے اسے اپنے خاص لوگوں میں شامل کرے گا۔ یہ تیری خوش سلوکی میرے ساتھ ہو گی اور میں اس کا شکر گزار ہوں گا۔" اس کے بعد اس نے خط پر پتہ لکھا اور مہر لگا کر نمائندے کو دے دیا اور نمائندے نے اسے عبداللہ کے پاس بھیج دیا۔

جب عبداللہ نے یہ خط پڑھا تو اس کا مضمون دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور اس شخص کو بلا کر کہا کہ دونوں باتوں میں سے جو میں نے کہی تھی تجھے کون سی زیادہ پسند ہے تا کہ میں اس کو حاضر کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اور چیزوں میں مقابلے میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ تو مجھے انعام دے۔ اس پر عبداللہ نے حکم دیا کہ اسے دو لاکھ درہم اور دس عربی گھوڑے جن میں سے پانچ پر ریشمی جھولیں ہوں اور پانچ کی زینیں جلوسانہ اور مرصع ہوں اور بیس صندوق کپڑوں کے اور دس اسپ سوار گورے اور غلام اور ان سب چیزوں کی رعایت سے قیمتی جواہرات دے دیئے جائیں۔ بعد ازاں اس نے اسے خلعت پہنایا اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور اسے بڑی شان و شوکت سے روانہ کر دیا۔ بغداد پہنچ کر قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر جائے' پہلے یحیٰی بن خالد کے دروازے پر پہنچا اور اس سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حاجب نے اندر جا کر یحیٰی سے کہا کہ اے میرے مولی دروازے پر ایک شخص ہے جو بڑی شان و شوکت سے آیا ہے خوبصورت ہے اور خوش حال معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ بہت سے غلام ہیں۔

وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ یحییٰ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے یحییٰ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ اے آقا میں ایک شخص ہوں جو زمانے کے ظلم سے مر چکا تھا لیکن تو نے مجھے مصیبتوں کی قبر سے نکال کر دوبارہ زندہ کر دیا اور مقاصد کی جنت میں پہنچا دیا۔ میں وہی ہوں شخص ہوں جو تیری طرف سے عبداللہ بن خزاعی کے نام جعلی خط لے گیا تھا۔ یحییٰ نے پوچھا کہ اس نے تیرے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور تجھے کیا دیا؟ اس نے کہا کہ عبداللہ نے تیری بخشش اور خوش خلقی اور نعمتوں اور عام سخاوت اور بلند ہمتی اور وسیع مہربانی میں سے اتنا کچھ دیا کہ میں امیر ہو گیا۔ میں اس کی ساری بخششیں اور ہدیئے لے کر آیا ہوں اور سب تیرے دروازے پر تیرے حکم کے منتظر ہیں۔

یحییٰ نے کہا جو نیکی تو نے میرے ساتھ کی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو میں نے تیرے ساتھ کی۔ تیرا مجھ پر بڑا احسان اور کرم ہے تو نے اس دشمنی کو جو میرے اور اس بڑے شخص کے درمیان تھی دوستی اور محبت میں بدل دیا۔ جتنا مال عبداللہ بن مالک نے تجھے دیا ہے' اتنا میں بھی دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میری طرف سے اتنا مال اور گھوڑے اور صندوق دیئے جائیں جتنے اسے عبداللہ سے ملے ہیں۔ الغرض ان دو سخی آدمیوں کی بدولت وہ پھر پہلے کی طرح خوش حال اور امیر ہو گیا۔

○ مامون اور پردیسی فقیہ کی کہانی

لوگ کہتے ہیں کہ عباسی خلفاء سے مامون کے برابر کوئی خلیفہ مختلف علوم میں دسترس نہ رکھتا تھا۔ اس نے ہفتے میں دو دن مقرر کیے تھے اور جب کہ وہ بیٹھ کر علماء سے مناظرہ کرتا۔ ان مجلسوں میں مناظرہ کرنے والے فقہاء اور متکلمین اس کے حضور میں درجہ بدرجہ بیٹھتے۔ ایک دن وہ ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ مجلس میں ایک پردیسی پہنچا جس کے

کپڑے سفید مگر پھٹے پرانے تھے۔ وہ آ کر فقہا کی پشت پر تمام لوگوں کے پیچھے ایک پوشیدہ جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب مشکل مسئلوں پر بحث مباحثہ شروع ہوا۔ ان کا دستور تھا کہ ہر مسئلے کو ایک ایک کے سامنے باری باری پیش کرتے اور جو کوئی اس میں زیادہ لطافت پیدا کرتا یا عجیب و غریب نکتہ نکالنا چاہتا' بیان کرتا۔ چنانچہ ایک مسئلہ چلتے چلتے اس پر دیسی کے پاس پہنچا اور اس نے اس کا جواب تمام فقہا سے بہتر دیا۔ خلفیہ کو اس کا جواب بہت پسند آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ◯ ○

• تین سو آٹھویں رات

تین سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ مامون الرشید کو اس کی گفتگو بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ اسے اس جگہ سے اٹھا کر بلند تر جگہ پر بٹھایا جائے۔ جب اس شخص کے پاس دوسرا مسئلہ پہنچا تو اس کا جواب اس نے پہلے سے بھی اچھا دیا اور مامون کے حکم سے اسے زیادہ بلند رتبے پر بٹھایا گیا۔ پھر تیسرا مسئلہ اس تک پہنچا تو اس نے اس کا جواب پہلے دو جوابوں سے بھی بہتر دیا۔ مامون نے حکم دیا کہ اسے میرے قریب بٹھایا جائے۔

مناظرہ ختم ہوا تو پانی لایا گیا اور لوگوں نے ہاتھ دھوئے۔ کھانا آیا اور سب نے کھایا۔ اس کے بعد فقہا اٹھ کر چل دیئے مگر مامون نے اس شخص کو ان کے ساتھ جانے سے روک لیا۔ اسے اپنے قریب بٹھا کر بڑی مہربانی سے پیش آیا اور احسان و اکرام کا وعدہ کیا۔ اب شراب کی مجلس گرم ہوئی' حسین حسین ساقی حاضر ہوئے' دور چلنے لگا۔ جب دور اس شخص کے پاس پہنچا تو وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر امیر المومنین اجازت دے تو میں ایک بات کہوں۔ مامون بولا کہ جو کہنا چاہتا ہے کہہ۔ اس نے کہا کہ تیری بلند خیالی پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ (خدا اس کی بلندی قائم رکھے) کہ میں آج اس اعلیٰ مجلس میں سب سے زیادہ جاہل اور ذلیل ہو کر آیا تھا' امیر المومنین نے میری ذرا سی سمجھ اور عقل کی بنا پر مجھے اپنا قرب عطا کیا۔ بلند تر رتبہ دیا اور اس درجے پر پہنچا دیا جہاں میری ہمت کی بھی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔ اب تو چاہتا ہے کہ مجھ میں اور اس کم مایہ عقل میں جس کی وجہ سے میری ذلت عزت سے بدل گئی ہے اور قلت کثرت سے پھر جدائی ہو جائے۔ خدا نہ کرے کہ امیر المومنین کو اس تھوڑی سی عقل اور قدر اور فضل پر حسد آئے کیونکہ جب یہ غلام شراب پیئے گا تو

اس کی عقل جاتی رہے گی اور جہالت عود کر آئے گی۔ شعور و سلیقہ سلب ہو جائے گا اور میں اس حقیر درجے پر پہنچ جاؤں گا جس پر کہ پہلے تھا اور لوگوں کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے تیری دانشمندی سے امید ہے کہ تو اپنے فضل و کرم اور بزرگی اور خوش اخلاقی کی بنا پر مجھ سے یہ جو ہر زائل نہ کرے گا۔ اس کی یہ باتیں سن کر خلیفہ مامون نے اس کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا اور اس کے مرتبے پر برقرار رکھا بلکہ اور زیادہ احترام کیا اور اسے ایک لاکھ درہم' سواری کے لئے ایک عمدہ گھوڑا اور عمدہ عمدہ لباس عطا کئے۔ ساری مجلسوں میں وہ اس کی بڑائی بیان کرتا اور فقیہوں سے بڑھ کر اسے اپنا قرب عطا کرتا یہاں تک کہ اس کا مرتبہ ان سب سے بلند اور اونچا ہو گیا اور خدا بہتر جاننے والا ہے۔

○ علی شار اور زمرد کی کہانی

سنتے ہیں کہ پرانے زمانے میں خراسان میں ایک تاجر تھا جس کا نام مجد الدین تھا۔ اس کے پاس بہت مال و دولت' حبشی اور گورے غلام اور نوکر چاکر تھے مگر ساٹھ برس کی عمر تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ جب اس کی امیدیں منقطع ہونے لگیں تو خدا نے اپنی رحمت کی۔ ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے علی رکھا۔ بڑا ہو کر یہ لڑکا چودھویں رات کے چاند جیسا خوبصورت نکلا لیکن ادھر تو بیٹا جوان ہوا اور کمال کے درجے تک پہنچا۔ ادھر باپ موت کے مرض میں گرفتار ہو گیا اور اس نے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا اب میرے مرنے کا وقت آ گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تجھے ایک وصیت کروں۔ اس نے پوچھا' ابا جان وہ کیا وصیت ہے؟ باپ نے جواب دیا کہ میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ کسی شخص سے زیادہ خلط ملط نہ رکھیو۔ جس چیز سے نقصان اور ضرر پہنچتا ہو اس سے بچ کر رہیو اور برے دوست سے پرہیز کیجیو۔ اس کی مثال لوہار کی سی ہے کہ اگر اس کی آگ تجھے نہ بھی جلائے تو اس کا دھواں کم از کم

ضرور نقصان پہنچائے گا۔
بیٹے نے کہا کہ ابا جان میں تیرے حکم کی اطاعت کروں گا۔ بتا اور کیا کروں؟ اس نے جواب دیا کہ جب تک تجھ سے ہو سکے بھلائی کیجیو اور لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ رکھیو، نیکی کرنے کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیو کیونکہ موقع ہمیشہ نہیں ملتا۔
اس نے کہا کہ میں یہ بھی منظور کرتا ہوں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ооо

- تین سو نویں رات

جب تین سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکے نے اپنے باپ سے کہا کہ تیرا کہنا سر آنکھوں پر اور فرمایئے؟ اس نے کہا کہ بیٹا خدا کو یاد رکھیو' وہ بھی تجھے یاد رکھے اور اپنے مال کی حفاظت کیجیو اور فضول خرچی سے بچیو کیونکہ جو شخص فضول خرچی کرتا ہے وہ رذیل سے رذیل کا محتاج بنتا ہے۔ سن! آدمی کی عزت اس کے مال سے ہے۔ لڑکے نے کہا۔ اور؟ باپ نے کہا کہ اپنے سے بڑے آدمی کا مشورہ لیجیو' جس کام کا ارادہ ہو اس میں جلدی نہ کیجیو۔ اپنے سے چھوٹے پر رحم کھائیو تا کہ تجھ سے بڑا تجھ پر رحم کھائے۔ کسی پر ظلم مت کیجنو ورنہ خدا تیرے اوپر کوئی ظلم کرنے والا مسلط کر دے گا اور شراب پینے سے بچیو وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے پینے سے عقل ضائع ہو جاتی ہے اور پینے والا حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ ہے میری وصیت تیرے لئے۔ اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیو۔ خدا میرے بعد تیرا نگہبان ہے۔ اتنا کہہ کر وہ بے ہوش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر ہوش میں آیا تو اس نے استغفار کی' تشہد کا کلمہ پڑھا اور دنیا کو چھوڑ دیا' خدا اس پر رحمت کرے! اس کا بیٹا گریہ و زاری کرنے اور آہیں بھرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دستور کے موافق تجہیز و تکفین کی اور سب چھوٹے بڑے اس کے جنازے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قاری تابوت کے ارد گرد قرآن پڑھنے لگے اور جو کچھ میت کے لئے ضروری تھا' سب کیا گیا۔ پھر جنازے کی نماز پڑھ کر اسے دفن کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا علی شار بہت غمگین تھا۔ اس نے وہ سب تعزیت کی رسمیں ادا کیں جو بڑے لوگوں میں ہوتی ہیں اور اپنے باپ کے سوگ میں غم زدہ رہنے لگا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس نے ماں کی تجہیز و تکفین اور تعزیت بھی اسی طریقے سے کی جیسی کہ باپ کی کی تھی۔

ماں باپ کے سوگ سے فرصت پا کر اپنی دکان پر بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا اور اپنے باپ کی وصیت کے موافق وہ کسی خلط ملط نہ کرتا۔ ایک سال تک اس کی یہ حالت رہی۔ اس کے بعد بد چلن عورتوں کے لڑکے فریب سے اس کے پاس پہنچے اور دوست بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ اسے بھی بد چلنی کی طرف میلان ہو گیا۔ اس نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور پیالے بھر بھر کر شراب پینے اور حسینوں کے پاس صبح شام جانے لگا۔ وہ اپنے دل میں کہتا کہ جو مال میرے باپ نے میرے لئے جمع کیا ہے اگر میں اسے خرچ نہ کروں گا تو کس کے لئے چھوڑوں گا۔ چنانچہ علی شار نے اب فضول خرچی اور عیاشی پر کمر باندھ لی۔ دن رات دولت پانی کی طرح بہاتا۔ آخر باپ کی ساری کمائی ختم ہو گئی۔ جب اس کی یہ نوبت پہنچی اور اس کا دل افلاس سے پریشان ہونے لگا تو اس نے دکان اور دوسری جائیداد وغیرہ بیچنی شروع کر دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بدن کے کپڑے تک بیچ ڈالے اور ایک لباس کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ جب اس کا نشہ ہرن ہوا تو اسے ہوش آیا تو وہ پچھتانے لگا۔ ایک دن جب صبح سے عصر تک اس نے کچھ کھایا پیا نہ تھا' وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آؤ ان لوگوں کے پاس چلیں جن پر میں اپنا مال صرف کرتا رہا ہوں' شاید ان میں سے کوئی مجھے آج کھانا کھلا دے۔ اس خیال میں ایک ایک کے پاس گیا لیکن جس کا دروازہ کھٹکھٹاتا وہ چھپ جاتا اور کہلوا دیتا کہ گھر میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بھوک نے اسے بے تاب کر دیا۔ اب وہ سوداگروں کے بازار میں سے ہو کر گزرا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو دسویں رات

جب تین سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بھوک کے مارے بے تاب ہو کر وہ سوداگروں کے بازار کی طرف گیا' دیکھا وہاں لوگ حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ نہ معلوم یہ لوگ کیوں جمع ہیں! ذرا دیکھنا تو چاہیے واللہ بغیر اس کی سیر دیکھے میں یہاں سے ہرگز نہ ٹلوں گا اور وہ حلقے کی طرف بڑھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک میانہ قد لڑکی کھڑی ہوئی ہے۔ قد و قامت موزوں' رخسار گلاب کے پھول اور سینہ ابھرا ہوا۔ حسن و جمال اور آب و تاب میں ساری دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لڑکی کا نام زمرد تھا۔ علی شار کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ اس کے کتنے دام لگتے ہیں اور اسے کون خریدتا ہے' آگے نہ بڑھوں گا چنانچہ وہ تاجروں کے برابر جا کھڑا ہوا۔ لوگ سمجھے کہ یہ بھی خریداروں میں سے ہے۔ وہ سب اسے جانتے تھے' انہیں معلوم تھا کہ وہ ماں اور باپ دونوں کا ترکہ پا کر امیر ہو گیا ہے۔ اب دلال نے کنیز کے پاس کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا کہ اے تاجرو' اے مال دارو تم میں کون اس لڑکی پر پہلی بولی بولنا چاہتا ہے جو چاندوں کی چاند' بے بہا موتی اور پردہ بنانے والوں کی زمرد اور ڈھونڈنے والوں کا مقصد اور آرزو والوں کی مسرت ہے شروع کرو۔ شروع کرنے میں کوئی عیب نہیں اور نہ شروع کرنے والے پر کوئی برائی آ سکتی ہے۔ ایک تاجر نے کہا کہ میں پانچ سو دینار لگاتا ہوں۔ دوسرا بولا پانچ سو دس۔ ایک بوڑھے نے جس کا نام رشید الدین تھا جس کی آنکھیں نجی تھیں اور جو بد صورت تھا چھ سو لگائے۔ دوسرے نے کہا اور دس۔ بوڑھا بولا پورے ایک ہزار دینار۔ یہ سن کر دوسرے تاجروں نے بولیاں بند کر دیں اور چپ ہو گئے اور دلال نے لڑکی کے مالک سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ

میں اسے اس شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے وہ خود پسند کرے گی۔ اس کے بارے میں خود اس لڑکی سے پوچھ۔ دلال نے لڑکی کے پاس آ کر کہا اے چاندوں کی چاند یہ تاجر تجھے خریدنا چاہتا ہے۔ لڑکی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور ویسا ہی پایا جیسا کہ اوپر آ چکا ہے۔ دلال سے کہنے لگی کہ میں ایسے بوڑھے کے ہاتھ نہیں بکنا چاہتی جو بڑھاپے سے کھوسٹ ہو گیا ہو۔ دلال نے اس کی باتیں سن کر کہا کہ تو حق بجانب ہے اور تیری قیمت دس ہزار دینار سے کم نہیں۔ اب دلال نے اس کے مالک سے کہا کہ وہ اس بوڑھے کو منظور نہیں کرتی۔ مالک نے کہا کہ کسی دوسرے خریدار کے متعلق اس سے مشورہ کر۔ اب ایک اور شخص نے آگے بڑھ کر کہا میں بھی وہی دام لگاتا ہوں جو اس بوڑھے نے لگائے تھے۔ اس پر وہ راضی نہیں ہوئی۔ کنیز نے دیکھا کہ اس کی داڑھی میں خضاب لگا ہوا ہے۔ کہنے لگی کہ یہ بھی عجیب عیب اور برائی کی بات ہے کہ بڑھاپے کا منہ کالا کر دیا گیا ہے اور اسے اس پر اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ دلال نے یہ سن کر کہا کہ واللہ تو سچ کہتی ہے۔ تاجر نے دلال سے پوچھا' وہ کیا کہتی ہے؟ دلال نے لڑکی کی باتیں دہرا دیں۔ تاجر نے مان لیا کہ وہ اس کے متعلق سچ کہتی ہے اور اس کے خریدنے سے وہ دست کش ہو گیا۔ اب ایک اور تاجر نے آگے بڑھ کر دلال سے کہا کہ اسی قیمت پر جو میں نے سنی ہے اس سے میرے تعلق دریافت کر۔ دلال نے لڑکی سے پوچھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ کانا ہے۔ بولی یہ تو کانا ہے۔ دلال نے کہا کہ آیا تو اس سامنے والے تاجر کے ہاتھ بکنا چاہتی ہے۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ ٹھگنا ہے اور اس کی داڑھی ناف تک لٹکی ہوئی ہے۔ دلال نے کہا کہ اے میری آقا تو خود دیکھ کہ حاضرین میں سے تجھے کون پسند ہے اور مجھے بتا تا کہ میں تجھے اس کے ہاتھ بیچ ڈالوں۔ یہ سن کر لڑکی نے تاجروں کے حلقے پر نظر ڈالی اور ایک ایک کو جانچنے لگی یہاں تک کہ اس کی نظر علی شار پر پڑی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- تین سو گیارہویں رات

تین سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لڑکی کی نظر علی شار پر پڑی تو اسے دیکھتے ہی لڑکی کے دل میں ہزاروں آرزوئیں امڈنے لگیں اور اس کا دل اس پر آ گیا کیونکہ اس کا حسن نرالا تھا۔ وہ نسیم سے زیادہ لطف اور نازک تھا وہ کہنے لگی کہ اے دلال میں اس نوجوان کے سوا کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی۔ اس کا چہرہ خوبصورت اور قد دل کش ہے۔ بجز اس کے میرا مالک اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کے رخسار چکنے چکنے اور لعاب کوثر کا پانی ہے' اس کے تھوک سے بیمار شفا پاتے ہیں۔ اس کی خوبروئی کے آگے شاعر اور نثار دونوں حیران ہیں' اس کے بال گھونگر والے' گال گلاب کی مانند اور نظر جادوگر ہے۔ دلال نے لڑکی کو علی شار کی تعریف کرتے سنا تو وہ اس کی فصاحت پر حیران ہو گیا۔ لڑکی کے مالک نے کہا کہ تو نے محض اس کا ظاہری حسن دیکھا ہے جس کے آگے سورج شرماتا ہے اور اس کی صرف دوچار باتیں سنی ہیں۔ اس پر تجھے اتنا اچنبھا ہے تجھے معلوم نہیں کہ اسے قرآن کی ساتوں قراتیں آتی ہیں اور حدیثوں کے صحیح روایات سے بیان کر سکتی ہے' ہفت قلم ہے۔ بڑے بڑے عالموں سے اس نے علوم حاصل کئے ہیں اور اس کے ہاتھ سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں' وہ ریشمی پردے بنا کر بیچتی ہے۔ اس کا بنایا ہوا ایک ایک پردہ پچاس پچاس دینار کو بکتا ہے اور آٹھ دن میں ایک پردہ تیار ہو جاتا ہے۔ دلال نے کہا کہ کیسا خوش اقبال ہو گا وہ شخص جس کے گھر میں یہ ہو گی اور جس کے بھیدوں کا ذخیرہ بن کر وہ رہے گی!

اس کے بعد لڑکی کے مالک نے کہا اے دلال وہ جس کے ہاتھ بکنا چاہے بیچ ڈال۔ دلال اجازت پا کر علی شار کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا اس لڑکی کو خرید لے کیونکہ اس نے تجھ ہی کو پسند کیا ہے۔ دلال نے لڑکی کی

تعریفیں بیان کیں اور بتایا کہ اسے کیا کیا فن آتے ہیں اور کہنے لگا کہ اگر تو اسے خرید لے تو یہ تیری بڑی خوش قسمتی ہے۔ یہ اس ذات کا عطیہ ہے جو دینے میں کنجوسی نہیں کرتی۔ یہ سن کر علی شار نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے اوپر دل ہی دل مین ہنسنے اور کہنے لگا کہ اس وقت تو میرے پاس کھانے تک کے دام نہیں ہیں لیکن تاجروں کے سامنے اپنی ناداری کا اظہار بھی مناسب نہیں۔ لڑکی نے اسے سر جھکاتے دیکھا تو دلال سے بولی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اس کے پاس لے چل تا کہ میں اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کروں اور اسے اس بات پر رراضی کروں کہ وہ مجھے لے لے۔ اس لئے کہ میں اس کے سوا اور کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی۔

دلال نے اسے لے جا کر علی شار کے آگے کر دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا تیری کیا رائے ہے؟ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا اور دلی محبوب' تو مجھے کیوں نہیں خریدتا؟ تو جتنے میں چاہے مجھے خرید لے۔ میری وجہ سے تیری بہتری ہو گی۔ علی نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ کہیں خریداری زبردستی ہو سکتی ہے! ایک ہزار دینار میں تو مہنگی ہے وہ کہنے لگی اے میرے آقا اچھا تو مجھے نو سو میں خرید لے۔ اس نے کہا نہیں۔ لڑکی نے کہا' آٹھ سو میں۔ وہ انکار کرتا جاتا اور لڑکی برابر دام کم کرتی چلی جاتی۔ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ سو دینار میں تو خریدے گا۔

اس نے جواب دیا کہ میرے پاس سو دینار بھی پورے نہیں۔ اس پر وہ ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ تیرے پاس سو سے کتنے کم ہیں؟ اس نے کہا کہ میرے پاس کم زیادہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ واللہ میرے پاس ایک درہم ہے نہ ایک دینار۔ بہتر ہے کہ تو کسی اور گاہک کو تلاش کر۔ جب لڑکی کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اس نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کونے میں لے چل۔ اس نے اس کی تعمیل کی اور لڑکی نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے اور کہنے لگی کہ اس میں سے نو سو تول کر میری قیمت دے۔ باقی سو دینار اپنے پاس

رہنے دے تا کہ وہ تیرے کام آئیں۔ علی نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور اسے نو سو دینار میں خرید کر اس کی قیمت دے دی اور لڑکی کو لے کر گھر چل دیا۔ لڑکی اس کے گھر پہنچی تو دیکھا کہ گھر بالکل صفا چٹ ہے۔ نہ اس میں فرش ہے نہ برتن۔ لڑکی نے اسے اور ایک ہزار دینار دے کر کہا ہمارے لئے کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- # تین سو بارہویں رات

تین سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی نے کہا کہ ہمارے لئے تین دینار کی کھانے پینے کی چیزیں لا۔ وہ لے آیا تو پھر اس نے کہا ایک پردے کا ریشمی کپڑا مجھے لا دے اور سنہری رپہلی کلابتوں اور سات رنگ کا ریشم۔ یہ چیزیں آ گئیں تو لڑکی نے گھر میں فرش بچھایا۔ شمع جلائی اور دونوں بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی آرزو پوری کی' پردے کے پیچھے ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔ صبح تک لپٹے پڑے رہے۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت بیٹھ گئی۔ اب لڑکی نے اپنا کام شروع کیا۔ پردہ لیا اور رنگ برنگ کے ریشمی دھاگوں سے اسے کاڑھا' کلابتوں سے زردوزی کا کام کیا اور اس کے کناروں پر پرندوں کی شکلیں کاڑھیں اور اس کے ارد گرد چرندوں اور درندوں کی۔ کوئی ایسا جانور نہ ہو گا جس کی شکل اس نے نہ بنائی۔ آٹھ دن بعد اس نے فارغ ہو کر اسے کاٹا چھانٹا' اس پر استری کی اور اپنے آقا کو دے کر کہا کہ اسے بازار جا کر کسی تاجر کے ہاتھ پچاس دینار میں بیچ ڈال۔ مگر خبر دار کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ نہ دیجیو ورنہ اس کی وجہ سے مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو جائے گی کیونکہ ہمارے بہت سے دشمن ہیں جو ہماری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ اس نے پردے کو بازار لے جا کر جیسا کہ لڑکی نے کہا تھا ایک تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ دام کھرے کر کے علی پہلے کی طرح پھر کپڑا' ریشم' کلابتوں اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں خرید کر لڑکی کے پاس گیا اور باقی دام بھی اس کے حوالے کئے۔

اسی طرح ہر آٹھویں دن اپنے شوہر کو ایک پردہ دیتی اور وہ اسے پچاس دینار میں بیچ آتا۔ پورے ایک سال تک ان کا یہی دستور رہا۔ اب ایک روز وہ پردہ لے کر بازار گیا اور اسے دلال کے سپرد کیا تو ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر اسے ساٹھ دینار میں خریدنا چاہا

لیکن علی نے انکار کر دیا۔ عیسائی نے اس کی قیمت بڑھاتے بڑھاتے سو دینار تک پہنچا دی اور دلال کو بھی دس دینار رشوت میں دینے کئے۔ دلال علی شار کے پاس آ کر اسے پھسلانے لگا کہ وہ ان داموں پر عیسائی کے ہاتھ بیچ ڈالے اور کہا کہ اے میرے آقا اس عیسائی سے ڈر نہیں۔ اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دوسرے تاجر بھی دلال کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ آخر اس نے ڈرتے ڈرتے پردہ عیسائی کے ہاتھ بیچ دیا اور دام لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا مگر اس نے دیکھا کہ عیسائی پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ علی نے اس سے پوچھا کہ اے عیسائی' تو میرے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا گلی کے اس سرے پر مجھے ایک ضرورت ہے خدا تجھے کسی ضرورت میں مبتلا نہ کرے۔ جب علی شار اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عیسائی بھی اس کے ساتھ ہے اور اس سے کہنے لگا اے ملعون جہاں کہیں میں جاتا ہوں تجھے کیوں اپنے ساتھ پاتا ہوں؟ اس نے کہا اے میرے آقا میں پیاسا ہوں' ایک چلو پانی مجھے پلا دے۔ خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔ علی شار نے کہا کہ یہ شخص ذمی ہے اور ایک چلو پانی کے لئے میرے یہاں آیا ہے۔ خدا کی قسم میں اسے نا امید نہیں کر سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو تیرہویں رات

جب تین سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص ذمی ہے اور میرے پاس آ کر ایک گھونٹ پانی کی غرض سے آیا ہے' خدا کی قسم میں اسے نامراد نہیں لوٹا سکتا۔ وہ گھر کے اندر گیا اور پانی کا کوزہ اٹھایا ہی تھا کہ اس کی کنیز زمرد نے دیکھ لیا اور کہنے لگی اے میرے پیارے کیا تو پردہ بیچ آیا؟ اس نے کہا ہاں۔ لڑکی نے پوچھا کسی تاجر یا کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ۔ کیونکہ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم جدا ہونے والے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تاجر ہی کے ہاتھ بیچا ہے۔ لڑکی بولی کہ مجھ سے سارا واقعہ بیان کر تا کہ میں اس کا تدراک کر سکوں اور یہ پانی کا کوزہ تو کیوں لے جا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ دلال کو پانی پلانے۔ لڑکی نے کہا لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم... جب وہ کوزہ لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ عیسائی دہلیز کے اندر آ چکا ہے۔ اس سے کہنے لگا کہ اے کتے تیری یہ جرات؟ کہ تو کس طرح بغیر میری اجازت کے میرے گھر کے اندر آیا؟ اس نے کہا کہ اے میرے آقا یہاں سے نکلنے تک میں ایک قدم آگے نہ بڑھوں گا اور تیرے فضل و احسان' کرم اور خوش سلوکی کا شکر گزار رہوں گا۔ اس کے بعد وہ پانی کا کوزہ لے کر انتظار کرنے لگا عیسائی اٹھے۔ لیکن وہ نہ اٹھا۔ علی شار نے کہا کہ اب تو اٹھ کر کیوں چلتا نہیں بنتا؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے مولی ان لوگوں کی طرح نہ طن جو نیکی کر کے احسان جتاتے ہیں۔ اے میرے مولیٰ' پانی تو میں پی چکا ہوں۔ اب تو مجھے کھانا بھی کھلا دے خواہ تیرے گھر میں روٹی کا ٹکڑا ہو یا بسکٹ اور پیاز ہی کیوں نہ ہو۔ علی شار نے کہا کہ اب زیادہ بک بک نہ کر' اپنا رستہ لے۔ میرے ہاں اس وقت کچھ نہیں ہے۔ عیسائی نے کہ اگر گھر میں کچھ نہیں ہے تو یہ لے سو دینار اور بازار سے کوئی چیز خرید کر لا خواہ ایک روٹی کیوں

نہ ہو تا کہ میرے تیرے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو جائے۔ علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عیسائی بھی عجیب پاگل معلوم ہو تا ہے۔ سو دینار دے کر چاہتا ہے کہ دو درہم کی میں کوئی چیز لے آؤں اور عیسائی پر ہنسنے لگا۔ عیسائی بولا۔ اے میرے آقا محض کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے بھوک جاتی رہے۔ خواہ سوکھی روٹی اور اک پیاز ہی مل جائے کیونکہ بہترین کھانا وہ ہے جو بھوک کے وقت کام دے نہ کہ امیرانہ خوراک۔ علی شار نے کہا کہ بیٹھا رہ اور انتظار کر میں کمرے میں قفل لگا کر بازار سے تیرے لئے کوئی چیز لے آؤں۔ علی نے کمرہ بند کیا اس میں قفل ڈالا اور بازار جا کر تلا ہوا پنیر' سفید شہد کیلے اور روٹی خرید کر اس کے پاس آیا۔ عیسائی نے یہ چیزیں دیکھیں تو کہنے لگا اے میرے مولیٰ یہ چیزیں بہت زیادہ ہیں۔ دس آدمیوں کے لئے کافی ہوں گی اور میں اکیلا ہوں تو بھی میرے ساتھ کھا۔ اس نے جواب دیا کہ تو اکیلا ہی کھا' میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ عیسائی نے کہا کہ اے میرے مولیٰ حکما کا قول ہے کہ اگر میزبان اپنے مہمان کے ساتھ نہ کھائے تو وہ حرام کی اولاد ہے۔ یہ سن کر علی شار بیٹھ گیا اور تھوڑا سا کھایا پھر چاہتا ہی تھا کہ ہاتھ اٹھا لے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- ## تین سو چودھویں رات

جب تین سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- علی شار نے بیٹھ کر اس کے ساتھ تھوڑا سا کھایا اور ہاتھ کھینچنے والا ہی تھا کہ عیسائی نے ایک کیلا

چھیل کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور اس میں ایسا بھنگ کا ست اور افیون کا کا جوہر ملایا کہ اگر اس کا ایک درہم بھر ہاتھی کو دے دیا جائے تو وہ بھی گر پڑے۔ بعد ازاں اس نے ایک کیلے کے ٹکڑے کو شہد میں ڈبو کر کہا کہ اے میرے مولیٰ تجھے اپنے دین کی قسم اسے کھا لے۔ علی شار کو اس بات سے شرم آئی کہ کہیں اس کی قسم نہ ٹوٹ جائے اور اس کیلے کے ٹکڑے کو لے کر نگل گیا۔ جونہی وہ اس کے پیٹ میں پہنچا اس کا سر گھومنے لگا اور ایسا آنکھیں بند کر کے پڑا گویا ایک سال سے برابر سو رہا ہے۔ جب عیسائی نے دیکھا تو وہ تیزی سے اٹھا جیسے گنجا ریچھ یا مسلط موت۔ اور علی شار کو اسی حالت میں چھوڑ کنجی لے کر دوڑتا ہوا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس عیسائی کا بھائی وہی بوڑھا تھا جس نے اس کنیز کے ایک ہزار دینار لگائے تھے۔ اور لڑکی نے دھتکار بتا دی تھی۔ وہ ظاہراً مسلمان اور دل میں عیسائی تھا اس نے دکھانے کے لئے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا۔ جب کنیز نے اس میں عیب نکالے اور اسے منظور نہ کیا تو وہ جل گیا۔ اپنے بھائی سے شکایت کی اور اس نے وعدہ کیا کہ میں کسی حیلے سے اس لڑکی کو علی شار کے پاس سے اڑا لاؤں گا۔

اس کا نام برسوم تھا۔ بڑا چالاک، مکار، دھوکے باز اور چلتا پرزہ۔ اس روز سے برابر اس فکر میں لگا رہا کہ کسی نہ کسی مکر سے لڑکی کو اڑا لائے چنانچہ آج اس کا داؤ چل گیا۔ علی شار کو بے ہوش کر کے سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا۔ بھائی خچر پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر علی شار کے گھر روانہ ہو گیا اور اپنے ساتھ ہزار دینار کی تھیلی لے لی تا کہ اگر والی سے مڈبھیڑ ہو جائے

تو اس کی مٹھی گرم کر سکے۔

علی شار کے مکان پر پہنچ کر اس نے کمرہ کھولا اور عیسائی بھائیوں کے ساتھ زمرد کی طرف دوڑے اسے زبردستی پکڑ لیا اور کہا کہ اگر تو نے آواز نکالی تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ گھر کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ علی شار کو دہلیز میں سوتا چھوڑا اور کنجی کو اس کے پاس رکھ کر دروازہ بند کر دیا۔ لڑکی کو لیکر جب وہ عیسائی اپنے محل میں پہنچا تو اسے اپنی کنیزوں کے حوالے کر کے اس سے کہا کہ اے رنڈی! میں وہی بوڑھا ہوں جس کو تونے قبول نہیں کیا تھا بلکہ میری مذمت کی تھی۔ اب میں نے تجھ کو بے درہم و دینار کے لے لیا ہے۔ لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کہا کہ اے بد ذات بڈھے خدا تجھ سے سمجھے تو نے مجھ میں اور میرے آقا میں جدائی ڈالی۔ وہ بولا اے رنڈی' اے چھوکری دیکھ' کہ میں اب تجھے کیا سزا دیتا ہوں۔ حضرت مسیح اور مریم کی قسم' اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا اور ہمارے دین میں داخل نہ ہوئی تو میں تجھے طرح طرح کی تکلیفیں دوں گا۔ لڑکی نے کہا کہ واللہ اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے گا پھر بھی مذہب اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی۔ خدا نے چاہا تو عنقریب خوشی حاصل ہو گی وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ دانش مندوں کا قول ہے کہ جسمانی تکلیف برداشت کرنا دین چھوڑنے سے بہتر ہے۔ بوڑھے عیسائی نے نوکروں اور لونڈیوں کو بلا کر کہا کہ اسے لٹاؤ۔ انھوں نے اسے لٹایا اور بوڑھا اسے بڑی بے رحمی سے مارتا رہا۔ لڑکی دہائیاں دیتی مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔ آخر اس نے فریاد کرنی دہائی مانگنی بند کر دی اور کہنے لگی کہ اللہ میرے لئے کافی ہے۔ مجھے کسی اور کی حاجت نہیں۔ یہاں تک کہ اس کا سانس بند ہو گیا اور آواز رک گئی۔ جب بوڑھا اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو اس نے نوکروں سے کہا کہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچو اور باورچی خانے میں پھینک آؤ۔ کھانے کے لئے کچھ نہ دو۔ یہ حکم دے کر وہ ملعون سو گیا اور رات بھر سوتا رہا۔ صبح ہوئی تو ظالم نے لڑکی کو دوبارہ مارا اور پھر نوکروں کو حکم دیا کہ اسے

اپنی جگہ ڈال آئیں۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ لڑکی کو درد اور تکلیف سے ذرا افاقہ ہوا تو اس نے کہا کہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ..... اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہی بہترین سر پرست ہے۔ پھر وہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مدد مانگنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو پندرہویں رات

جب تین سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زمرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے لگی۔ یہ تو اس کا ماجرا ہوا۔ اب علی شار کا قصہ سنئے

وہ دوسرے دن تک پڑا سوتا رہا۔ اب اس کے بعد بھنگ کا اثر جاتا رہا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور زور سے آواز دی اے زمرد! لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں گیا دیکھا کہ کمرہ خالی اور میدان صاف ہے۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت اس کے ساتھ اسی عیسائی نے کی ہے۔ آنسو بہانے اور منہ پیٹنے لگا۔ بہت پچھتایا کہ اس کا کہنا کیوں مانا لیکن اب پچھتانے سیے کیا ہوتا تھا! اپنی حماقت پر جھونجل آئی کپڑے پھاڑ ڈالے اور جو پتھر ہاتھ میں لے کر شہر میں چکر لگانے شروع کر دیئے۔ پتھر اپنے سینے میں مارتا اور چلاتا یا زمرد! چھوٹے بڑے اس کے گرد جمع ہو جاتے اور مجنوں مجنوں کہہ کر اسے چھیڑتے۔ جو لوگ اسے پہچانتے تھے' وہ اس پر افسوس کرتے اور کہتے کہ یہ تو فلاں شخص ہے' اسے کیا ہو گیا؟ دن بھر اس کی یہی حالت رہی جب رات ہوئی تو وہ گلی میں کہیں پڑ کر سو گیا۔ دوسرے دن پھر صبح سے شام تک پتھر لئے شہر میں پھرتا رہا۔ اندھیرا ہو گیا تو وہ اپنے گھر کی طرف چلا کہ وہاں جا کر سو جائے۔

اتنے میں اس کی ایک پڑوسن کی نظر اس پر پڑی۔ یہ ایک بڑھیا عورت تھی۔ بڑی نیک بخت۔ اس نے کہا کہ بیٹا خدا تجھے سلامت رکھے! تو کب سے مجنوں ہو گیا ہے؟ اس بڑھیا پڑوسن کو یقین تھا کہ وہ عاشق اور فراق میں مبتلا ہے۔ اس نے کہا لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم.... بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تو اپنی مصیبت کی داستان مجھ کو سنا' ممکن ہے خدا اپنی مشیت سے مجھے اس قابل کر دے کہ میں تیری مدد کر سکوں۔ علی شار نے وہ ساری داستان کہہ سنائی جو برسوم عیسائی کے ہاتھوں اس پر گزری تھی۔ بڑھیا

نے سارا ماجرا سن کر کہا۔ بیٹا تو معذور ہے۔ اس کے بعد وہ رونے لگی اور بولی کہ بیٹا جا کر فوراً ایک پٹارا خرید لا جیسا بساطیوں کے پاس ہوتا ہے اور کنگن' انگوٹھیاں' بالیاں اور دوسری ایسی چیزیں اکٹھی کر جو عورتوں کے قابل ہوں' جن کے لئے دام خرچ کرنے میں وہ کنجوسی نہ کریں۔

ان تمام چیزوں کو پٹارے میں رکھ کر میرے پاس لے آ۔ میں بساطن کا بھیس بدل کر اسے اپنے سر پر رکھوں گی' گھر گھر جا کر لڑکی کی تلاش کروں گی' اس کا پتا لگا کر رہوں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ علی شار اس کی باتوں سے خوش ہو گیا' اس کے ہاتھ چومے اور فوراً جا کر وہ چیزیں لے آیا جو بڑھیا نے مانگی تھیں۔ جب بڑھیا کے پاس یہ تمام چیزیں آ گئیں تو اس نے اٹھ کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے' شہد کے رنگ کی نقاب سر پر ڈالی۔ ایک جریب ہاتھ میں لی اور پٹارا اٹھا کر گلیوں گلیوں اور گھر گھر چکر لگانے لگی۔ وہ اسی طرح گھر گھر' محلے محلے اور گلی گلی پھر رہی تھی کہ خدا نے اسے معلون رشید الدین عیسائی کے گھر پہنچا دیا اور اس نے اندر سے کراہنے کی آواز سن کر دروازے پر دستک دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو سولھویں رات

تین سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بڑھیا نے سنا کہ مکان کے اندر سے کراہنے کی آواز آ رہی ہے تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک کنیز نے آ کر کواڑ کھولے اور اسے سلام کیا۔ بڑھیا نے اس سے کہا کہ میرے پاس چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بکاؤ ہیں' تمہارے ہاں کوئی ہے۔ جو ان میں سے کچھ خریدے؟ کنیز نے کہا' ہاں اور اسے گھر کے اندر جا کر بیٹھایا۔ تمام کنیزیں اس کے پاس جمع ہو گئیں اور ہر ایک نے کچھ نہ کچھ خریدا۔ بڑھیا نے نرمی سے گفتگو کی اور دام بھی سستے بتائے۔ کنیزیں اس کی ان باتوں سے خوش ہوئیں۔ بڑھیا مکان میں ادھر ادھر دیکھتی رہی کہ کراہنے والی کہاں ہے کہ یکا یک اس کی نظر اس پر جا پڑی۔ اب بڑھیا کنیزوں کے ساتھ اور زیادہ نرمی اور خوش اخلاقی سے باتیں کرنے لگی۔ غور کرنے سے اسے معلوم ہوا کہ زمرد بندھی پڑی ہے۔ اسے پہچان کر بڑھیا رونے لگی اور کنیزوں سے کہا' اے میری بیٹیو! یہ لڑکی کون ہے جو اس حالت میں پڑی ہوئی ہے؟ کنیزوں نے سارا قصہ بیان کیا اور کہنے لگیں کہ ہم نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ ہمارے مالک کا حکم ہے اور وہ آج کل سفر پر گیا ہوا ہے۔ بڑھیا نے کہا' اے میری بیٹیو! میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس بیچاری کے بندھن کھول دو جب تمہیں معلوم ہوا کہ تمہارا مالک آنے والا ہے تو اسے پھر پہلے کی طرح باندھ دینا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ انہوں نے زمرد کے مشکیں کھول دیں اور اسے کھانے پینے کو دیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے کہا کہ کاش تمہارے گھر میں آنے سے پہلے میری ٹانگیں ٹوٹ گئی ہوتیں! یہ کہہ وہ زمرد کے پاس گئی اور اس سے بولی' اے بیٹی خدا تجھے سلامت رکھے! عنقریب خدا تیری مصیبت دور کرے گا۔ پھر چپکے سے اس سے اس

نے کہا کہ میں تیرے آقا علی شار کے پاس سے آئی ہوں اور اس سے وعدہ لے لیا کہ کل رات جاگتی اور کان لگائے سنتی رہیو۔ تیرا آقا یہاں آ کر محل کی چوکی کے پاس سیٹی دے گا اسے سن کر تو بھی سیٹی دیجیو اور کھڑکی سے ایک رسی لٹکا کر اتر جائیو اور وہ تجھے لے جائے گا۔

لڑکی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بڑھیا وہاں سے روانہ ہو کر علی شار کے پاس گئی' اسے خبر کی اور اس سے کہا کہ کل آدھی رات کے وقت فلاں محلے میں جائیو وہاں اس ملعون کا گھر ہے اور یہ اس کی نشانی ہے۔ محل کے نیچے کھڑے ہو کر سیٹی بجائیو' وہ نیچے اتر آئے گی اور تو اسے لے کر جہاں چاہے چلا جائیو۔ علی شار نے اس پر بڑھیا کا بہت شکریہ ادا کیا اور رت کا انتظار کرنے لگا۔ مقررہ وقت آیا تو وہ محلے میں گیا جس کا ذکر بڑھیا نے کیا تھا۔ محل کو دیکھ کر وہ پہچان گیا اور اس کے نیچے چوکی پر بیٹھ گیا۔ چونکہ وہ نیند میں چور تھا' سو گیا۔ بڑی ذات وہ ہے جو کبھی نہیں سوتی۔ مارے عشق کے وہ ایک مدت سے نہ سویا تھا اور نیند سے متوالا ہو رہا تھا۔ وہ سو ہی رہا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو سترہویں رات

تین سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کہ وہ سو رہا تھا ایک چور شہر میں چوری کرنے نکلا اور اتفاق سے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچ کر چاروں طرف گھوما مگر اس پر چڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ گھومتے گھومتے وہ اس چوکی کے پاس پہنچا اور علی شار کو سوتا ہوا پایا۔ اس کی پگڑی اٹھالی۔ ادھر ان واقعات سے بے خبر زمرد چھت پر چڑھی اور چور کو اندھیرے میں کھڑا ہوا خیال کیا کہ اس کا آقا ہو گا۔ اس نے اوپر سے سیٹی دی اور چور نے نیچے سے۔ وہ رسی تھام کر اس کے پاس نیچے آئی اور اپنے ساتھ اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک خرجی لیتی آئی۔ چور نے اپنے دل میں کہا کہ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ اس نے خرجی کو ہاتھ میں لے لیا اور لڑکی کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر بجلی کی طرح غائب ہو گیا۔

زمرد نے اس سے کہا کہ بڑھیا نے تو مجھ سے بیان کیا تھا کہ تو میری وجہ سے بیمار اور کمزور ہو گیا ہے لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو گھوڑے سے بھی زیادہ قوی ہے۔

چور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مگر جب لڑکی نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ اس کی داڑھی حمام کی جھاڑو کی طرح ہے گویا سور نے پر نگل لیے ہیں اور ان کا کچھ حصہ منہ سے باہر نکلا ہوا ہے۔ وہ ڈر گئی اور کہنے لگی کہ تو کیا بلا ہے؟

چور نے کہا کہ اے لونڈیا میں احمد دنف کے گروہ کا شاطر کرد چور ہوں میرا نام جوان ہے۔ ہم کل چالیس شاطر چور ہیں اور سب آج عشا کے وقت سے صبح تک تجھ سے ہم بستر ہوں گے۔ یہ سن کر وہ رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ تقدیر کی ماری ہوئی ہے۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے۔ لہٰذا اس نے صبر سے کام لیا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا اور کہنے لگی کہ لا الہ الا اللہ آسمان سے گرے' کھجور میں اٹکے۔

جوان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے احمد دنف سے کہا تھا کہ اے استاد میں اس شہر میں پہلے بھی آ چکا ہوں اور مجھے شہر کے باہر ایک غار معلوم ہے جس میں چالیس آدمی آ سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے پہلے وہاں پہنچ کر اپنی ماں کو اس میں بٹھا دوں اور پھر شہر میں لوٹ کر تمہاری قسمت کی چوری کروں اور تمہارے نام سے غار میں حفاظت سے رکھ آؤں اور جب تم آ جاؤ تو میں اپنی طرف سے تمہاری میز بانی کروں۔

احمد دنف نے جواب دیا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ اس لئے وہ ان سے پہلے روانہ ہو کر وہاں پہنچا اور اپنی ماں کو اس غار میں بٹھا دیا۔ جب وہ غار سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک فوجی آدمی پڑا سو رہا ہے اور اس کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے جوان نے اس سپاہی کی گردن کاٹ کر اس کے کپڑے اور گھوڑے اور ہتھیار لے لیے اور ان چیزوں کو لے جا کر اپنی ماں کے پاس غار میں چھپا آیا۔ پھر گھوڑے کو وہاں باندھ کر شہر گیا اور چلتے چلتے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچا اور جو کچھ اس نے وہاں کیا' وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد علی شار کی پگڑی اور زمرد کو لے کر چل دیا اور اپنی ماں کے پاس پہنچ کر اسے اتار دیا اور ماں سے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں' اس لڑکی کی پہرے داری کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ چل کھڑا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو اٹھارہویں رات

جب تین سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نامی کرد نے اپنی ماں سے کہا کہ جب تک میں تیرے پاس واپس نہ آ جاؤں' اس لڑکی کو اپنی حفاظت میں رکھیو۔ وہ چل دیا۔ زمرد اپنے دل مین کہنے لگی کہ مجھے اپنی نجات میں غفلت نہ کرنا چاہیے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہوں اور وہ چالیس آدمی آ کر باری باری مجھ پر سوار ہوں اور مجھے اس کشتی کی طرح کر دیں جو سمندر میں ڈوبی ہوئی ہو! یہ کہہ کر وہ بڑھیا کی طرف مخاطب ہوئی جو کرد جوان کی ماں تھی اور اس سے کہنے لگی' خالہ جان تیرا جی چاہ ہے تو غار کے باہر چل کہ میں چاندنی میں تیری جوئیں دیکھوں۔ بڑھیا نے کہا بیٹی واللہ یہ ٹھیک ہے' میں مدت سے حمام نہیں گئی ہوں' یہ سور مجھے جگہ جگہ لئے پھرتے ہیں۔ اور بڑھیا اس کے ساتھ باہر آئی اور وہ اس کی جوئیں دیکھنے اور انہیں اس کے سر سے نکال نکال کر مارنے لگی۔ بڑھیا کو نیند آنے لگی اور وہ سو گئی۔ اب زمرد نے اٹھ کر اس سپاہی کے کپڑے پہنے جسے کرد جوان نے قتل کیا تھا' اس کی تلوار کمر سے باندھی' اس کی پگڑی سر پر رکھی ار جب اس نے مرد کا بھیس بدلا لیا تو اشرفیوں کی خرجی لے کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ دعا کی اے بہترین پردہ پوش' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میری پردہ پوشی کیجیو اور اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ اگر میں شہر کی طرف گئی تو ممکن ہے کہ سپاہی کے ساتھیوں میں سے مجھے کوئی دیکھ لے اور میری بری گت بنائے' اس نے شہر جانے کا قصد چھوڑ دیا اور بیابان جنگل کی طرف چل پڑی۔ دس دن تک خرجی اور گھوڑے کو لئے بناسپتی کھاتی' اور گھوڑے کو کھلاتی۔ دریا کا پانی پیتی' اور گھوڑے کو پلاتی' چلتی رہی۔ گیارہویں دن وہ ایک شہر کے پاس پہنچی جو نہایت عمدہ اور محفوظ اور

زرخیز تھا۔ سردیاں جا چکی تھیں اور بہار کے پھول کھل رہے تھے۔ کونپلیں پھوٹ رہی تھیں' نہریں بہہ رہی اور چڑیاں گا رہی تھیں۔

جب وہ شہر کے نزدیک پہنچی اور دروازہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ لشکر اور امراء اور شہر کے بڑے بڑے لوگ وہاں کھڑے ہیں۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ شہر والے یہاں کیوں جمع ہیں۔ اس کا ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہو گا۔ وہ ان کے پاس ہی تھی کہ سارے کا سارا لشکر اس کی طرف بڑھا اور سب نے گھوڑوں سے اتر کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگے کہ اے ہمارے مولیٰ سلطان' خدا تجھے کامیاب کرے! تمام منصب دار اس کے آگے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سپاہی' لوگوں کی روک تھام کرتے جاتے اور کہتے جاتے کہ جہاں پناہ اور زمانے کے اکلوتے' خدا تجھے قائم رکھے! زمرد نے کہا کہ اے شہر والو کیا ماجرا ہے۔ حاجب نے کہا کہ خدا نے جو بخشش میں کنجوسی نہیں کرتا' تجھے یہ شہر عطا کیا ہے اور تجھے اس کا سلطان بنایا ہے اور ان کی گردنیں تیرے حکم کے ماتحت کی ہیں۔ سن' اس شہر کا یہ دستور ہے کہ جب کبھی ان کا بادشاہ فوت ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو لشکر شہر کے باہر نکلتا ہے اور تین دن ٹھہرتا ہے۔ جو شخص اس راستے سے آتا ہے' جس سے تو آیا ہے اسے اپنا بادشاہ بناتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک شخص بھیجا جو ترکوں کی اولاد میں سے ہے اور حسین ہے۔ اگر تجھ سے کم حیثیت کا بھی آیا ہوتا وہ بھی بادشاہ بن جاتا۔

زمرد ہر بات میں دانش مند تھی۔ کہنے لگی کہ یہ نہ سمجھو کہ میں عام ترکوں کی اولاد سے ہوں بلکہ میں بڑے خاندان کا ترک ہوں' میں اپنے خاندان سے ناراض ہو کر چلا آیا ہوں اور ان سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ دیکھو یہ اشرفیوں کی تھیلی میرے پاس ہے جس میں سے میں نے راہ بھر غریبوں اور مسکینوں کو خیرات دی ہے۔ لوگوں نے اسے دعائیں دیں اور بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح زمرد بھی خوش تھی۔ اپنے دل میں

کہتی تھی کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو انیسویں رات

جب تین سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زمرد نے اپنے دل میں کہا کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد کیا عجیب ہے جو خدا مجھے میرے آقا سے یہیں ملا دے' وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہی سوچتی وہ چل کھڑی ہوئی۔ لشکر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ شہر کے اندر پہنچ کر امراء' وزرا' سب پیدل چلنے لگے۔ محل میں پہنچ کر اسے ہاتھوں ہاتھ اتارا اور تخت پر بٹھایا اور سب نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے حکم دے کر خزانے کھلوا دیئے اور تمام لشکر کو انعام دیا۔ انہوں نے دعا دی کہ تیری حکومت ہمیشہ قائم رہے! رعایا اور تمام ملک والے اس کی اطاعت کرنے لگے۔ اس طرح اس نے مدت تک حکومت کی اور حکم احکام جاری کرتی رہی۔ اس کی بخششوں اور پارسائی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر تھا۔ اس نے چنگی معاف کر دی۔ قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ رعایا اس کو بہت عزیز رکھتی تھی اور اسے سکھ ہی سکھ تھے۔ تاہم جب کبھی اسے اپنے شوہر کی یاد آ جاتی وہ روتی اور خدا سے دعا مانگتی کہ وہ ان دونوں کو ملا دے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ اسے وہ پرانا زمانہ یاد آنے لگا جو اس نے اپنے شوہر کے ساتھ گزارا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل بے چین ہو گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے حرم سرا میں کنیزوں' خواصوں کو علیحدہ علیحدہ کمرے دیئے اور ان کے روزینے اور مشاہرے مقرر کئے اور ان سے کہا میں تنہائی میں کچھ دن عبادت کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات بھر نمازیں پڑھتی۔ امرا کو یقین آ گیا کہ ان کا بادشاہ بڑا دین دار ہے۔ وہ اپنے پاس غلام بچوں کے سوا کسی کو نہ آنے دیتی اور وہ بھی جب کہ ان سے کوئی کام پڑتا۔

تخت پر بیٹھے ایک سال ہو گیا اور شوہر کی اسے کوئی خبر نہ ملی۔ وہ بہت غم زدہ تھی۔

جب رنج و غم بڑھتا ہی چلا گیا تو اس نے وزیروں کو حاجبوں کو بلا کر کہا کہ معماروں اور تعمیر کے فن کے ماہروں کو بلواؤ کہ وہ محل کے پاس ایک میدان تیار کریں جس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فرسخ ہو۔ انھوں نے اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی' میدان اس کی مرضی کے موافق تیار ہو گیا۔ میدان تیار ہو چکا تو ایک بارہ دری بنوائی گئی اور اس میں امراء کی کرسیاں ایک قطار میں بچھائی گئیں۔ پھر وہ آئی اور حکم دیا کہ میدان میں دستر خوان بچھایا جائے اور اس پر تمام قسم کے عمدہ عمدہ کھانے چنے جائیں۔ دستر خوان لگ گیا تو اس نے امراء سے کہا کہ کھانا کھاؤ۔ انھوں نے کھایا۔ اس کے بعد وہ امرا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی' میں چاہتا ہوں کہ جب نیا چاند نکلے تو تم لوگ پھر یہی کرو اور شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دو کہ کوئی شخص اس روز اپنی دکان نہ کھولے۔ سب لوگ آ کر بادشاہ کے دستر خوان پر کھانا کھائیں اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا وہ اپنے ہی دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔

جب نیا چاند نکلا تو انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور یہی ان کا معمول ہو گیا یہاں تک کہ دوسرے سال کا پہلا چاند نکلا۔ وہ میدان میں آئی اور ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ اے لوگو اگر کسی نے اپنی دکان کھولی یا انبار یا گھر' تو وہ فوراً اپنے مکان کے دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔ تم سب پر فرض ہے کہ بادشاہ کے دستر خوان پر حاضر ہو کر کھانا کھاؤ۔ جب ڈھنڈورا پٹ چکا اور دستر خوان بچھایا گیا تو لوگ جوق در جوق وہاں پہنچے۔ زمرد نے حکم دیا کہ سب دستر خوان پر بیٹھیں اور طرح طرح کے کھانے پیٹ بھر کر کھائیں۔ لوگ اس کے حکم کے مطابق کھانے بیٹھ گئے۔ وہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ان کا تماشہ دیکھنے لگی۔ دستر خوان پر بیٹھنے والا ہر شخص اپنے دل میں یہی سمجھتا کہ بادشاہ میری طرف دیکھ رہا ہے اور کھاتا جاتا۔ امرا لوگوں سے کہتے جاتے کہ کھاؤ اور شرماؤ نہیں کیونکہ بادشاہ کو یہی بات پسند ہے۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے گھر چلے گئے۔ سب یہی کہتے تھے کہ ہم نے عمر بھر اس جیسا کوئی بادشاہ نہیں

دیکھا جو غریبوں سے محبت رکھتا ہو اور زمرد رعایا کی دعائیں لیتی ہوئی اپنے محل میں داخل ہوئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو بیسویں رات

جب پوری تین سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زمرد اپنی دعوت پر خوش ہو کر محل میں گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر خدا کو منظور ہے تو مجھے اسی ذریعے سے اپنے شوہر علی شار کی خبر مل جائے گی۔ دوسرا چاند نکلا تو اس نے دستور کے موافق پھر دعوت دی' دستر خوان بچھایا گیا خود بدولت آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور لوگوں سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور کھاؤ۔ وہ دستر خوان کے ایک سرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور لوگ کچھ ٹولیوں میں اور کچھ اکیلے آ آ کر بیٹھتے جاتے تھے کہ زمرد کی نظر عیسائی برسوم پر پڑی۔ جس نے اس کے شوہر سے پردہ خریدا تھا۔ اس نے اسے پہچان لیا اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ آج میرا نصیب جاگتا نظر آتا ہے۔ اتنے میں برسوم آگے آ کر کھانے کے لئے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے ایک خوان میں چاول دیکھے جن پر شکر چھڑکی ہوئی تھی مگر خوان ذرا دور تھا۔ اس نے لوگوں کو دھکا دے کر خوان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس کے ساتھ والے نے کہا تو' اپنے آگے سے کیوں نہیں کھاتا؟ کیا یہ تیری بد تمیزی نہیں ہے کہ تو اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جو تجھ سے دور ہے! کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ برسوم نے کہا کہ میں تو اسی میں سے کھاؤں گا۔ ساتھ والے نے جواب دیا کہ کھا خدا یہ راس نہ لائے! ایک بھنگڑی کہنے لگا۔ کھانے بھی دو' میں بھی اس کے ساتھ کھا لوں گا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اے منحوس ترین بھنگڑی یہ تم لوگوں کا کھانا نہیں ہے۔ اسے امیر آدمی کھاتے ہیں۔ تم اسے نہ کھاؤ امیروں کے پاس واپس کر دو تا کہ وہ اسے کھائیں۔ برسوم نے اس کی مخالفت کی اور چاولوں کا ایک لقمہ لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا اور چاہتا ہی تھا کہ کہ دوسرا لقمہ لے کہ زمرد نے جو اسے دیکھ رہی تھی بعض سپاہیوں سے پکار کر کہا کہ اس شخص کو لے آؤ جس کے آگے شکرانے کا

خوان رکھا ہوا ہے اور اسے وہ لقمہ منہ میں نہ رکھنے دو جو اس کے ہاتھ میں ہے بلکہ اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دو۔ یہ سنتے ہی ہی چار سپاہی اس کے پاس پہنچے' اس کے ہاتھ سے نوالہ چھین لیا' اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لائے اور زمرد کے آگے لا کر کھڑا کر دیا۔

لوگ ہکا بکا ہو گئے۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ واللہ اس نے بڑی زیادتی کی۔ اپنے ہم پایہ لوگوں کا کھانا کیوں نہیں کھایا۔ ان میں سے ایک بولا' میں نے تو اس دیئے پر قناعت کی جو میرے آگے تھا۔ بھنگڑی نے کہا کہ شکر ہے خدا کا' میں نے میٹھے چاولوں کے خوان میں سے کچھ نہ کھایا۔ انتظار ہی کرتا رہا کہ خوان اس کے آگے پہنچ جائے اور وہ اس کا لطف اٹھانے لگے تو میں بھی اس کے ساتھ کھانے لگوں' اتنے میں یہ یہ حادثہ گزرا۔ بعض لوگ آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا دیکھنا تو چاہیے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟

جب زمرد کے سامنے وہ پیش ہوا تو اس نے کہا کہ اے نیلی چشم' تیرا کیا نام ہے اور تو ہمارے ملک میں کیوں آیا ہے؟ ملعون نے اپنا نام چھپایا' وہ مسلمانوں کی طرح سفید پگڑی باندھے ہوئے تھا۔ اور کہنے لگا کہ اے بادشاہ میرا نام علی ہے' میں جولاہا ہوں اور سوداگری کے لئے یہاں آیا ہوں۔ زمرد نے کہا کہ ہماری رمل کی تختی اور پیتل کا قلم حاضر کرو۔ لوگوں نے فوراً یہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ زمرد نے ریت اور قلم لے کر تختی پر مارا۔ قلم سے بندر کی طرح ایک شکل کھینچی تھوڑی دیر تک سر اٹھا کر برسوم کی طرف غور سے دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے کہا کہ اے کتے! تو بادشاہوں کے آگے کس طرح جھوٹ بولتا ہے؟ کیا تو عیسائی نہیں اور تیرا نام برسوم نہیں ہے اور کسی چیز کی تلاش میں یہاں نہیں آیا ہے" سچ سچ بتا ورنہ خدا کی قسم تیری گردن اڑا دوں گا۔ یہ سن کر برسوم دم بخود ہو گیا۔ امرا اور حاضرین آپس میں کہنے لگے کہ یہ بادشاہ رمل بھی جانتا ہے' پاک ہے وہ ذات جس نے اسے یہ چیز عطا کی!

زمرد نے عیسائی سے چلا کر کہا کہ سچ سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ عیسائی نے

کہاں جہاں پناہ مجھے معاف کر جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا ہے سچ ہے' یہ بد بخت عیسائی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو اکیسویں رات

جب تین سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عیسائی نے کہا کہ جہاں پناہ مجھے معاف کر۔ جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا ہے وہ سچ ہے۔ یہ بد بخت عیسائی ہے۔ امرہ وغیرہ کو جو وہاں حاضر تھے تعجب ہوا کہ بادشاہ رمل دیکھ کر واقعات بیان کر دیتا ہے اور کہنے لگے کہ یہ بادشاہ نجومی ہے اور دنیا میں ایسا کوئی دوسرا نہیں۔ اب زمرد نے حکم دیا کہ اس عیسائی کی جلد کھینچ لو اور اس میں بھس بھر کر میدان کے دروازے پر لٹکا دو اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اس کا گوشت اور ہڈیاں جلا دی جائیں اور اس پر کوڑا کرکٹ ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جو کچھ اس نے حکم دیا تھا سب کی تعمیل کی گئی۔ جب لوگوں نے عیسائی کی یہ گت بنتے دیکھی تو کہا کہ اس کی سزا یہی ہے جو اسے ملی اور وہ نوالہ اس کے لئے سخت منحوس ثابت ہوا۔
ایک شخص بولا کہ مجھ کم بخت پر لعنت ہو اگر میں زندگی میں کبھی بھی میٹھے چاول کھاؤں۔ بھنگڑی کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا اس نے مجھے اس مصیبت سے بچا لیا جو اس شخص پر پڑی ہے کیونکہ اس نے میرا ہاتھ ان چاولوں کے کھانے سے روک دیا تھا۔ اب تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے قسم کھائی کہ اس عیسائی کی چاولوں کے پاس کبھی نہ بیٹھیں گے۔

جب تیسرا چاند نکلا تو پھر دوستور کے مطابق دستر خوان بچھا' کھانے لگائے گئے۔ زمرد کرسی پر بیٹھی اور لشکر حسب قاعدہ آراستہ ہوا۔ سب کے دلوں پر زمرد کا دبدبہ بیٹھا ہوا تھا۔ شہر والے معمول کے مطابق آئے اور دستر خوان کے گرد پھر کر دیکھا کہ وہ مخصوص خوان کہاں ہے اور ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اے حاجی خلف! اس نے جواب دیا' حاضر ہوں اے حاجی خالد۔ پہلا شخص بولا کہ میٹھے چاولوں کے خوان سے الگ تھلگ رہیو اور اس میں سے کچھ نہ کھائیو' اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل سویرے لٹکا

ہوا ہو گا۔ پھر وہ سب کھانے کے لئے دستر خوان کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور کھانے لگے۔ زمرد اسی جگہ بیٹھی تھی کہ اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو میدان کے دروازے سے بھاگتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ وہی جوان نامی کرد چور ہے جس نے سپاہی کو قتل کیا تھا۔

اس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ کل میرے ہاتھ بڑی دولت لگی ہے۔ پہلے تو یہ کہ میں نے ایک سپاہی کو قتل کر کے اس کا گھوڑا لے لیا۔ دوسرے اسی رات مجھے ایک اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی ملی اور ایک لڑکی جس کی قیمت تھیلی کی اشرفیوں سے بھی زیادہ ہے۔ ان تمام چیزوں کو میں اپنی ماں کے پاس غار میں رکھ کر آیا ہوں۔ وہ سب خوش خوش شام کو غار کی طرف چل دیئے۔ پہلے غار میں کرد جوان داخل ہوا اور پیچھے پیچھے دوسرے لوگ تا کہ جن چیزوں کا اس نے ذکر کیا ہے وہ انہیں لا کر دے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ ماں سے پوچھا کہ لڑکی' گھوڑا اور مال کیا ہوا؟ ماں نے ساری سرگزشت بیان کر دی اوور وہ جھلا کر اپنی ہتھیلیاں کاٹنے لگا۔ اس نے کہا کہ واللہ میں اس لونڈی کو ڈھونڈ کر جہاں کہیں ہو گی' لاؤں گا خواہ پستے کے چھلکے کے اندر ہی کیوں نہ ہو اور اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اس کی تلاش میں چل دیا اور اسے شہر در شہر ڈھونڈتا ہوا زمرد کے شہر پہنچا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوا تو وہاں کسی مرد کو نہ پایا کہ ہڑتال کا سبب پوچھے۔ آخر اس نے عورتوں سے پوچھا جو ایک جھروکے سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ دستر خوان بچھاتا ہے اور لوگ وہاں جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے میدان کا پتہ بتا دیا جہاں دستر خوان بچھا کرتا تھا اور وہ دوڑتا ہوا وہاں پہنچا مگر اس خوان کے سوا جس کا بیان ہو چکا ہے' اسے کہیں کوئی خالی جگہ نہ ملی تھی۔

وہ وہیں خوان کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ لوگوں نے چلا کر کہا کہ بھائی تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس خوان میں سے کھانا

چاہتا ہوں اور خوب پیٹ بھر کر کھانا چاہتا ہوں۔ ایک شخص بولا' اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل صبح پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔ جوان نے جواب دیا' چپ رہ' ایسی باتیں نہ کراور اپنے ہاتھ کو خوان کی طرف بڑھا کر اسے اپنے سامنے کھینچ لیا۔ اس کے پاس ہی بھنگڑی بیٹھا تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ جوان نے اس خوان کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگا۔ بھنگ کا نشہ ہرن ہو گیا۔ دور جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے اس خوان کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد جوان نامی کرد نے خوان کی طرف کوے کے پنجے کی طرح اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسے بھر کر اونٹ کے کھر کی طرح اس میں سے نکالا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بائیسویں رات

جب تین سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نامی کرد نے خوان میں سے اپنا ہاتھ نکالا جو اونٹ کے کھر کی طرح معلوم ہوتا تھا اور نوالے کو اپنے ہاتھ میں اتنا گھمایا پھرایا کہ اس کی شکل بڑی نارنگی کی سی ہو گئی۔ پھر جلدی سے اسے اپنے منہ میں ڈال لیا وہ بادل کی طرح گرجتا ہوا اس کے پیٹ میں اتر گیا اور طباق کا جس جگہ سے نوالہ لیا گیا تھا پیندا نظر آنے لگا۔ اس کے برابر والے نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ میں نے تیرے سامنے بیٹھ کر نہیں کھایا' تو نے ایک ہی نوالے میں طباق کی تہہ اڑا دی۔ بھنگڑی بولا اسے کھانے دو کیونکہ میں اس کی شکل کو پھانسی پر چڑھتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد بھنگڑی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کرے کہ یہ نوالہ تجھے راس نہ آئے۔ اب اس نے دوسرے نوالے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا اور چاہتا ہی تھا کہ اسے بھی پہلے نوالے کی طرح ہاتھ میں گھمائے کہ زمرد نے سپاہیوں کو پکار کر کہا کہ اس شخص کو فوراً حاضر کرو' وہ اپنے ہاتھ کا نوالہ نہ کھانے پائے۔ اس نے خوان سے ابھی سر نہ اٹھایا تھا کہ سپاہیوں نے آ کر اسے پکڑ لیا اور لے جا کر زمرد کے سامنے پیش کر دیا۔ لوگ اسے برا بھلا کہنے لگے اور آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ وہ اسی سزا کا مستحق ہے۔ ہم نے اسے نصیحت کی تھی لیکن اس نے نہ مانی۔ اس جگہ پر جو بیٹھے گا اس کا انجام قتل ہو گا' یہ چاول اپنے کھانے والے کے لئے نحوست لاتے ہیں۔

زمرد نے پوچھا کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہے اور تو ہمارے شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا اے بادشاہ اور میرے مولیٰ میرا نام عثمان ہے' میں ایک باغ کا مالی ہوں اور میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میری ایک چیز کھو گئی ہے اسے ڈھونڈنے آیا ہوں۔ زمرد نے کہا لاؤ تو رمل کی تختی اور لوگوں نے فوراً لا کر پیش کی۔ اس

نے قلم لے کر تختی پر رمل کی شکلیں بنائیں اور ان پر تھوڑی دیر تک غور کرتی رہی۔

پھر اس نے سر اٹھا کر کہا' اے خبیث لعنت ہو تجھ پر! تو بادشاہوں کے آگے جھوٹ بولتا ہے؟ رمل سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو کرد ہے تیرا نام جوان ہے اور تو چور ہے۔ لوگوں کا مال دھوکے سے چراتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کرتا ہے جن کا قتل خدا نے بغیر کسی گناہ کے حرام کیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ڈانٹا اور کہنے لگی' بدمعاش اپنا حال ٹھیک ٹھیک بتا ورنہ میں تیرا سر کاٹ کر پھینک دوں گا۔ زمرد کی باتیں سن کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس کے دانت دکھائی دینے لگے اور اسے گمان ہوا کہ اگر وہ سچ کہہ دے گا تو چھوٹ جائے گا۔ وہ کہنے لگا کہ اے بادشاہ' تو سچ کہتا ہے لیکن اب میں تیرے ہاتھ پر توبہ کرتا اور خدا کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ زمرد نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں مسلمانوں کے راستے میں اک بلا رہنے دوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے افسروں سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اس کی کھال کھینچ کر وہی اس کی بھی گت بناؤ جو پچھلے مہینے میں اس شخص کی بنائی گئی تھی' جو اسی جیسا تھا۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب بھنگڑی نے دیکھا کہ لشکر والے اسے پکڑے لئے جاتے ہیں تو اس نے چاولوں کے خوان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور کہنے لگا کہ تیرا میرے سامنے ہونا حرام ہے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے اور زمرد نے اپنے محل میں جا کر غلاموں کو واپس کر دیا۔

تیسرے مہینے پھر حسب دستور میدان میں لوگ جمع ہوئے اور کھانا چنا گیا اور انتظار ہونے لگا کہ اجازت ملے تو شروع کریں۔ اتنے میں زمرد آ کر کرسی پر بیٹھی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اس نے دیکھا کہ چاولوں کے خوان کے پاس کی جگہ خالی ہے حالانکہ وہاں چار شخص آ سکتے ہیں۔ بڑا تعجب ہوا۔ ابھی وہ بیٹھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ اس کی توجہ ایک طرف مبذول ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص میدان کے دروازے میں سے داخل ہو کر تیز تیز چلا آ رہا ہے۔ چلتے چلتے وہ دستر خوان کے پاس آ کر ٹھہر گیا اور یہ دیکھ کر چاولوں کا طباق جہاں رکھا ہے اس کے کنارے ارد گرد کے سوا

کوئی جگہ خالی نہیں' وہ وہیں بیٹھ گیا۔ زمرد نے غور سے دیکھا تو یہ وہی ملعون عیسائی تھا جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ کیسی مبارک ہے آج کی دعوت کہ یہ کافر میرے جال میں پھنس گیا۔ اس کے آنے کا سبب عجیب و غریب تھا یعنی وہ اپنے سفر سے لوٹا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو تیسویں رات

تین سو تیئس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- وہ ملعون جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا سفر سے لوٹا تو اس کے گھر والوں نے بیان کیا زمرد اشرفیوں کی تھیلی لے کر غائب ہو گئی۔ یہ سن کر اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پر طمانچے مارنے لگا۔ داڑھی نوچ ڈالی اور اپنے بھائی برسوم کو مختلف شہروں میں بھیجا کہ جا کر اسے تلاش کرے۔ جب بہت دن گزرے گئے اور اس کا بھائی بھی نہ لوٹا تو وہ خود اسے اور زمرد کو ڈھونڈنے نکلا۔ قسمت اسے زمرد کے شہر میں لے آئی جہاں وہ مہینے کی پہلی تاریخ کو داخل ہوا۔ شہر کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔ دیکھا کہ وہ خالی پڑے ہیں۔ دکانیں بند ہیں' عورتیں کھڑکیوں میں کھڑی جھانک رہی ہیں۔ اس نے بعض عورتوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ تمام لوگوں کے لئے دستر خوان بچھاتا ہے اور سب اسی دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے گھر یا دکان میں بیٹھا رہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے میدان کا پتا بتا دیا۔ وہ میدان میں پہنچا تو کھانے پر لوگوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا اور اس جگہ کے سوا جہاں وہ مخصوص خوان رکھا ہوا تھا کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ وہاں بیٹھ کر اس نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا کہ اتنے میں زمرد نے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا کہ جو شخص خوان کے پاس بیٹھا ہے' اسے پکڑ لاؤ۔ سپاہی اس خوان کو پہچان گئے تھے' اسے پکڑ کر زمرد کے پاس لے آئے۔ زمرد نے پوچھا اے ملعون تیرا نام کیا ہے' کیا کام کرتا ہے اور ہمارے شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا کہ جہاں پناہ! میرا نام رستم ہے اور میرا کوئی پیشہ نہیں' فقیر درویش ہوں۔ زمرد نے اپنے آدمیوں سے کہا لاؤ میری رمل کی تختی اور پیتل کا قلم اور اس نے قلم لے کر رمل کی تختی پر خط کھینچے اور ان پر غور کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد سر

اٹھا کر کہا' اے کتے تو بادشاہ سے جھوٹ بولتا ہے؟ تو عیسائی ہے تیرا نام رشید الدین اور تیرا پیشہ یہ ہے کہ تو مسلمان لڑکیوں کو دغابازی سے لے جاتا ہے۔ ظاہراً تو مسلمان ہے مگر دل میں عیسائی۔ سچ کہہ' اگر تو نے جھوٹ بولا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ یہ سن کر وہ گڑگڑانے لگا اور بولا کہ جہاں پناہ' تو سچ کہتا ہے۔ اب زمرد نے حکم دیا کہ اسے لمبا لٹایا جائے اور اس کی دونوں ٹانگوں پر سو سو کوڑے اور بدن پر ہزار کوڑے لگائے جائیں پھر اس کی کھال کھینچ کر اس میں سن بھرو اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اس کے اندر جلا دو اور اس پر کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈال دی جائے۔ لوگ اس کا حکم بجا لائے۔ پھر اس کے بعد لوگوں کو کھانے کی اجازت دی۔ سب نے کھایا اور کھا چکے تو اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ زمرد بھی اپنے محل میں گئی اور کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ میرا دل لوگوں کی طرف سے ٹھنڈا کر دیا جنہوں نے مجھے تکلیف پہنچائی تھی۔ بعد ازاں پھر اسے اپنے شوہر علی شار کی یاد آ گئی اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جب اس کی طبیعت ہلکی ہوئی' ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو دل میں خیال کیا کہ جس خدا نے مجھے دشمنوں پر قابو دیا' عجب نہیں اسی طرح وہ ایک دن میرے دوستوں سے بھی مجھے ملا دے اور پھر اس نے استغفار پڑھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو چوبیں ویں رات

جب تین سو چوبیں ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زمرد نے خدا سے مغفرت چاہی اور کہنے لگی' ممکن ہے خدا مجھے میرے محبوب علی شار سے

جلد ملا دے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے بندوں کی حالت سے رتی رتی واقف ہے۔ اس کے بعد اس نے خدا کی تعریف کی' دوبارہ مغفرت چاہی اور اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ ہر ابتدا کی انتہا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس نے پورا مہینہ گزارا۔ دن میں رعایا پروری' عدل و انصاف کرتی اور رات کو اپنے شوہر علی شار کی جدائی پر گریہ و زاری۔ چوتھے مہینے کا چاند نکلا تو اس نے حکم دیا کہ پہلے کی طرح میدان میں دستر خوان بچھایا جائے۔ لوگ کھانا شروع کرنے کے لئے اجازت کے منتظر تھے اور چاولوں کے پاس جگہ خالی تھی۔ زمرد دستر خوان کے ایک سرے پر عوام الناس سے بلند جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں میدان کے دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ جو کوئی اندر آئے' اسے وہ دیکھ سکے۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ اے پروردگار تو نے یوسف علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام سے ملایا اور ایوب علیہ السلام کی بلائیں دور کیں' اپنی قدرت اور بزرگی سے میرے شوہر علی شار کو بھی مجھ سے ملا کر مجھ پر احسان کر' تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے دنیاؤں کے پرور دگار' گمراہوں کے ہادی' آوازوں کے سننے والے اور دعاؤں کے قبول کرنے والے' میری دعا سن' تو ہی بندوں کا پالنے والا ہے۔ وہ ابھی اپنی دعا ختم بھی نہ کر پائی تھی کہ میدان کے دروازے سے ایک شخص داخل ہوا جو قد و قامت میں بید کی چھڑی کی طرح تھا۔ دبلا پتلا' رنگ زرد مگر پھر بھی وہ نہایت حسین جوان اور باشعور و با سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔

جب وہ اندر آیا تو چاولوں خوان کے پاس کے سوا اور کوئی جگہ خالی نہ پائی۔ وہیں بیٹھ

گیا۔ زمرد نے جوان کو دیکھا تو اس کا دل دھڑکنے لگا۔ غور سے دیکھنے پر اسے صاف نظر آیا کہ وہ اس کا شوہر علی شار ہے۔ اس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلنے کو تھی کہ اس نے رسوائی کے ڈر سے ضبط کیا۔ تاہم اس کے اندر کھلبلی مچ گئی اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ علی شار کے یہاں آنے کا سبب بھی سن لو۔ جب وہ چوکی پر سو گیا اور زمرد اتری اور کرد جوان اسے لے اڑا تو اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے دیکھا کہ وہ ننگے سر ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ کسی نے اس پر ظلم کر کے سوتے میں اس کا عمامہ اتار لیا ہے اور اس نے وہ جملہ کہا جس کے کہنے والے کو شرمانے کی ضرورت نہیں یعنی اناللہ و انا الیہ راجعون۔ اس کے بعد وہ اس بڑھیا کے پاس گیا جس نے اسے زمرد کا پتا بتایا تھا۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا جب بڑھیا نکل کر باہر آئی تو اس کے آگے رونے لگا یہاں تک کہ غش آ گیا۔ جب غشی دور ہوئی تو اس نے بڑھیا کو سارا واقعہ سنایا۔ بڑھیا نے اس کے کئے پر اسے لعنت ملامت کی' برا بھلا کہا اور کہنے لگی کہ تیری مصیبت اور بلا خود تیری ہی لائی ہوئی ہے۔ بڑھیا نے اتنی لعنت ملامت کی کہ اس کے نتھنوں سے خون جاری ہو گیا اور وہ دوبارہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو پچیسویں رات

تین سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب علی شار کو ہوش ایا تو اس نے دیکھا کہ اس کی وجہ سے بڑھیا بھی رو رہی ہے۔ اس کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اور واویلا کرنے لگا۔ بڑھیا کو اس پر ترس آ گیا اور اس سے کہا کہ ٹھہر' میں ابھی جا کر اس کی خبر لاتی ہوں' بڑھیا روانہ ہوئی اور دوپہر کو واپس آ کر کہا کہ اے علی' میرے خیال میں تیری حسرت تجھے مار کر چھوڑے گی۔ اب قیامت سے پہلے تو اپنی محبوبہ کو نہ دیکھ سکے گا۔ وجہ یہ ہے کہ جب محل والے صبح کو اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ باغ کی طرف والا جھروکا ٹوٹا ہوا ہے۔ زمرد ندارد ہے اور اپنے ساتھ عیسائی کے مال کی ایک خرجی بھی لے گئی ہے۔ میں پہنچی تو میں نے دیکھا کہ والی اپنے آدمیوں کو لئے دروازے پر کھڑا ہے۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ سنتے ہی علی شار کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسے موت سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔ روتے روتے اس کا برا حال ہوا۔ عشق اور جدائی اس کے سر پر سوار تھی۔ وہ سخت بیمار پڑ گیا اور گھر سے باہر نکلنے کے قابل نہ رہا۔ بڑھیا طبیبوں کو لاتی' اسے دوائیں پلاتی اور اس کے لئے یخنیاں پکاتی۔ ایک سال کے بعد اس میں کچھ جان آئی اور اسے پرانی باتیں پھر یاد آنے لگیں۔ جب دوسرا سال ہوا تو بڑھیا نے کہا کہ بیٹے رونے پیٹنے سے تو تیری محبوبہ ملنے سے رہی۔ اگر ایسا ہے تو اٹھ اور کمر باندھ۔ شہر شہر اس کی تلاش کر' ممکن ہے کہ اس کا پتہ لگ جائے۔

بڑھیا اسے برابر ہمت اور تقویت دلاتی رہی۔ آخر وہ سفر پر آمادہ ہو گیا۔ پھر وہ اسے حمام میں لے گئی۔ شراب پلائی' مرغیاں کھلائیں اور ہر روز یہی دستور رکھا۔ یہاں تک کہ ایک مہینے کے بعد وہ دل کو مضبوط کر کے چل دیا۔ چلتے چلتے زمرد کے شہر میں

پہنچا اور نوالہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لوگ افسوس کرنے اور کہنے لگے اے جوان' اس خوان میں سے نہ کھا کیونکہ جس کسی نے اس میں سے کھایا ہے' اسے نقصان پہنچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسی میں سے کھانے دو' ان کا جو جی چاہے میرے ساتھ کریں' کہیں مجھے اس تکلیف دہ زندگی سے آرام تو ملے۔

علی شار کے نوالہ اٹھاتے ہی زمرد کا ارادہ ہوا کہ اسے اپنے پاس بلوائے لیکن فوراً اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ بھوکا ہو گا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی مناسب ہے پہلے اسے پیٹ بھر کر کھا لینے دوں۔ وہ کھا رہا تھا اور لوگ حیران تھے کہ دیکھیں اس پر کیا گزرتی ہے؟ جب وہ کھا کر سیر ہو گیا تو زمرد نے اپنے چند غلاموں سے کہا کہ اس جوان کو جو چاول کھا رہا ہے' نرمی کے ساتھ بلا لاؤ اور کہو کہ چل کر بادشاہ سے گفتگو اور سوال و جواب کر۔ غلام جا کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے' اے میرے آقا چل اور خوش ہو کہ بادشاہ تجھ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور غلام بچوں کے ساتھ ہو لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو چھبیس ویں رات

جب تین سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا‘ اے نیک نہاد بادشاہ ------- علی شار غلام بچوں کے ہمراہ ہو لیا اور لوگ کہنے لگے کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔

دیکھنا چاہیے کہ بادشاہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ ایک شخص بولا کہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ اگر اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا تو اسے پیٹ بھر کر کھانے نہ دیتا‘ علی شار زمرد کے سامنے اکر کھڑا ہوا تو اس نے سلام کیا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ زمرد نے سلام کا جواب دیا اور اس کے ساتھ عزت سے پیش آئی اور کہنے لگی کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہے‘ تو اس شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا‘ اے بادشاہ میرا نام علی شار ہے‘ میں سوداگر زادہ ہوں میرا وطن خراسان ہے اور میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی ایک کنیز کو تلاش کرنے نکلا ہوں جو کھو گئی ہے اور مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے وہ گم ہوئی ہے میری روح کا کوئی مسکن نہیں رہا۔ بس یہی ہے میرا قصہ۔ اس کے بعد وہ رونے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ زمرد نے حکم دیا کہ اس پر گلاب چھڑکا جائے۔ لوگوں نے اس کے منہ پر گلاب کے چھینٹے دیئے اور اس کے ہوش درست ہو گئے تو زمرد نے کہا کہ رمل کی تختی اور پیتل اور قلم لاؤ اور اس نے قلم لے کر رمل کی تختی پر نقش بنائے اور تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے‘ خدا تجھے اس سے جلد ملا دے گا‘ غمزدہ نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے حاجب کو حکم دیا کہ اسے حمام لے جاؤ‘ بہترین شاہانہ لباس پہناؤ‘ خاص شاہی گھوڑا اسے سواری کے لئے دیا جائے اور پھر شام کے وقت اسے محل میں لاؤ۔ حاجب سینے پر ہاتھ رکھ کر الٹے قدموں ہٹا اور علی شار کو ساتھ لے کر زمرد کے پاس چلا گیا۔

لوگ آپس میں کہنے لگے کہ آخر سلطان اس جوان کے ساتھ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آیا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بادشاہ اس کے ساتھ برا

سلوک نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کی شکل ہی ایسی پیاری ہے اور یہ میں اس وجہ سے بھی سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ نے اسے پیٹ بھر کر کھانے دیا۔ الغرض ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا اور اپنا راستہ لیتا۔ زمرد کو یقین نہ آتا تھا۔ وہ بے تاب تھی کہ کب رات ہو اور اپنے دلی محبوب سے تنہائی میں ملے۔ خدا خدا کر کے رات ہوئی تو وہ اپنی خواب گاہ میں گئی اور یہ ظاہر کیا کہ وہ سو گئی ہے۔ اس نے اپنا یہ دستور بنا لیا تھا کہ دو چھوٹے نوکروں کے سوا کوئی اس کی خواب گاہ میں نہ سوتا اور وہ بھی بغیر بلائے نہ آ سکتے۔ خواب گاہ میں پہنچ کر اس نے اپنے محبوب علی شار کو بلا بھیجا اور خود تخت پر بیٹھی۔ اس کے آگے پیچھے موم بتیاں جل رہی تھیں۔ کمرے میں سونے کے جھاڑ جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اسے بلوایا ہے تو انہیں تعجب ہوا۔ ہر ایک اپنا اپنا قیاس دوڑانے لگا۔ ہر ایک کا گمان جداگانہ تھا۔ بعض کی رائے تھی کہ بادشاہ کو اس کے ساتھ دلی تعلق پیدا ہو گیا ہے اور وہ اسے کل کسی نہ کسی لشکر کا سپہ سالار بنا دے گا۔

لوگ اپنی عقل آرائیاں کر رہے تھے کہ علی شار زمرد کے پاس پہنچا اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی۔ زمرد نے اپنے دل میں کہا کہ ابھی میں اس پر اپنے آپ کو ظاہر نہ کروں گی بلکہ اس کے ساتھ تھوڑا سا مذاق کرنا چاہیے۔ کہنے لگی' اے علم تو حمام ہو آیا؟ اس نے جواب دیا اے میرے مولیٰ ہاں۔ زمرد نے کہا کہ اٹھ اور اس مرغی اور دوسرے گوشت میں سے کچھ کھا اور یہ شربت اور شراب پی کیونکہ تو تھکا ہوا ہے' پھر میرے قریب آئیو۔ زمرد نے جو جو حکم دیا تھا۔ اس نے کیا اور جب وہ کھا پی کر فارغ ہو گیا تو زمرد نے کہا کہ تخت پر آ کر میرے پاؤں دبا۔ وہ اس کے پاؤں اور پنڈلیاں دبانے لگا دیکھا کہ اس کا بدن ریشم سے بھی زیادہ نرم ہے۔ اب زمرد نے کہا چپی کرتا ہوا اوپر کی طرف آ۔ وہ بولا۔ اے میرے مولیٰ گھٹنوں

سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ زمرد نے کہا کہ تو میری نافرمانی کرنا چاہتا ہے! خبردار ورنہ یہ رات تجھ پر بری گزرے گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو ستائیس ویں رات

جب تین سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زمرد نے اپنے شوہر علی شار سے کہا کہ اگر تونے میری مخالفت کی تو آج رات تیری خیر نہیں۔ تجھے میرا کہنا ماننا چاہیے۔ میں تجھے اپنا معشوق بناؤں گا اور ایک امیر کا مرتبہ دوں گا۔ علی شار نے کہا کہ جہاں پناہ' میں کس بات میں تیری اطاعت کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے کپڑے اتار اور اوندھا لیٹ جا۔ علی شار نے کہا کہ ایسا کام تو میں نے عمر بھی نہیں کیا۔ اگر تو زبردستی کرے گا تو میں قیامت کے دن تیرا دامن گیر ہوں گا۔ جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے مجھ سے لے لے اور مجھے اپنے شہر سے جانے دے۔ یہ نہ لیٹا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ الغرض اس نے اس کا کہنا مان لیا اور وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی۔ علی شار نے دیکھا کہ وہ ریشم سے زیادہ نرم اور مکھن سے زیادہ ملائم ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ بادشاہ تو تمام عورتوں سے بڑھ کر نازک اندام ہے۔ زمرد تھوڑی دیر تک اس کی پیٹھ پر رہنے کے بعد اتر آئی اور قہقہہ مار کر ہنسی اور کہنے لگی میرے آقا ان باتوں کے باوجود بھی تو نے مجھے نہ پہچانا۔ اس نے کہا اے بادشاہ تو کون ہے؟ وہ بولی کہ تیری کنیز زمرد۔ یہ سن کر علی شار اس کے بوسے لینے لگا اور اسے اس طرح دبوچا جیسے شیر بکری کو دبوچتا ہے۔ اسے بالکل یقین آگیا کہ وہ بے شک اس کی کنیز ہے اور اس کی آواز غلام بچوں کے کان مین پہنچی اور وہ آ کر پردے کے پیچھے سے جھانکنے لگے اور انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ علی شار کے پاس لیٹا ہوا ہے اور نخرے کر رہا ہے۔ غلام بچوں نے اپنے دل میں کہا یہ نخرے تو مرد کے سے نخرے نہیں' ہو نہ ہو یہ بادشاہ عورت ہے لیکن انہوں نے اس بات کو پوشیدہ رکھا اور اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ جب دن نکلا تو زمرد نے کل لشکر اور امراء کو اپنے پاس بلوا بھیجا اور ان سے کہنے لگی کہ میں اس شخص کے وطن کو

جانا چاہتا ہوں' میری واپسی تک تم اپنی حکمرانی کے لئے کسی نائب کو مقرر کر لو۔ زمرد کے اس حکم کو انھوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ اب اس نے سفر کا سامان تیار کیا۔ مثلاً راہ کا توشہ' زر و جواہر' کپڑے' تحفے' اونٹ' خچر اور شہر سے روانہ ہو گئی۔ چلتے چلتے علی شار کے شہر میں پہنچی اور گھر میں داخل ہوئی۔ لوگوں کو انعام دیا' خیرات کی اور رہنے سہنے لگے۔ ان کی اولاد ہوئی اور انھوں نے بڑی خوشی سے زندگی بسر کی۔ یہاں تک کہ مزوں کو کر کرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جس کے لئے بلا زوال کے بقا ہے اور خدا کا شکر ہر حال میں۔

○ بدور اور جبیر بن عمیر کے عشق کی کہانی

کہنے والے کہتے ہیں کہ ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آئی اور جب وہ جاگتے جاگتے اور کروٹیں بدلتے بدلتے اکتا گیا تو اس نے مسرور کو بلا کر کہا کہ اے مسرور! دیکھ کوئی ایسا ہے جو مجھے اس بیداری میں تسلی دے سکے۔ اس نے عرض کی اے میرے مولیٰ اگر تیرا جی چاہے تو محل کے باغ میں چل کر پھولوں کا نظارہ کر اور ستاروں کو دیکھ کہ وہ کس خوبی سے آسمان پر جڑے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان چاند کس طرح پانی پر چمک رہا ہے۔ خلیفہ بولا اے مسرور' ان میں سے کسی چیز میں میرا دل نہیں لگتا۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ تیرے محل میں تین سو تیری چہیتی کنیزیں ہیں اور ان کے لئے الگ الگ محل سرائیں ہیں۔ انہیں حکم دے کہ ہر ایک اپنی محل سرا میں جا کر بیٹھے اور بغیر اس کے کہ انہیں معلوم ہو' تو ان کا تماشہ دیکھ۔ اس نے کہا کہ اے مسرور یہ سچ ہے کہ محل میرا محل ہے اور کنیزیں میری ملکیت ہیں لیکن ان میں سے کسی چیز کی طرف میرا میلان نہیں ہوتا۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ عالموں' حکیموں اور شاعروں کو حکم دے کہ وہ تیرے پاس آ کر

مباحثہ کریں، اشعار پڑھیں اور قصے کہانیاں بیان کریں۔ اس نے جواب دیا کہ ان چیزوں میں سے کسی کو میری طبیعت نہیں چاہتی۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے مولیٰ غلاموں اور ندیموں اور ظریفوں کو حکم دے کہ وہ علمی نکتے بیان کریں، لطیفے سنائیں اور تیرا دل خوش کریں۔ اس نے کہا اے مسرور ان میں سے کسی بات کی طرف میری رغبت نہیں۔ مسرور نے کہا کہ اے میرے آقا تو پھر میری گردن اڑا دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اٹھائیس ویں رات

جب تین سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور نے خلیفہ سے کہا کہ اے میرے مولی تو پھر میری گردن اڑا دے۔ شاید اس سے تیری بیداری جاتی رہے اور جو گھبراہٹ تجھے ہے' دور ہو جائے۔ اس پر رشید ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے مسرور دیکھ اس وقت ندیموں میں سے کوئی موجود ہے۔ مسرور جا کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے مولی دروازے پر اس وقت علی بن منصور خلیعی دمشقی ہے۔ خلیفہ نے کہا کے اسے بلوا لو۔ مسرور جا کر اسے بلا لایا۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا کہ السلام علیکم یا امیر المومنین۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دے کر کہا اے ابن منصور کوئی کہانی تجھے یاد ہو تو سنا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین کوئی ایسی چیز بیان کروں جو میں نے خود آنکھ سے دیکھی ہے یا ایسی جو محض سنی سنائی ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ اگر کوئی عجیب و غریب واقعہ تیری آنکھوں کے سامنے سے گزرا ہے تو اسے بیان کر کیونکہ سنی سنائی باتیں ایسی نہیں ہوتیں جیسی کہ آپ بیتی۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین کان اور دل لگا کر سن۔ خلیفہ نے کہا اے ابن منصور! میں اپنے کانوں سے سن رہا ہوں اور دل سے تیری طرف متوجہ ہوں۔ اس نے کہا اے امیر المومنین سن! بصرے کے والی محمد بن سلیمان کی طرف سے میرا سالانہ مقرر ہے۔ ایک بار میں دستور کے موافق اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سیر و شکار پر جانے کے لئے سوار کھڑا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا اور اس نے مجھے' پھر مجھ سے کہنے لگا اے ابن منصور میرے ساتھ سوار ہو کر شکار پر چل۔ میں نے کہا اے میرے مولیٰ میں سواری سے معذور ہوں۔ اس نے مجھے حاجبوں اور نوجوانوں کے حوالے کر کے مہمان خانے میں بٹھا دیا۔ اس کے بعد وہ شکار پر روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے مجھے بڑے احترام سے رکھا اور بہترین طریقے سے مہمان داری کی۔ ایک دن میں نے اپنے دل میں کہا کہ

ایک مدت سے میں بغداد سے بصرے آیا کرتا ہوں لیکن محل سے باغ اور باغ سے محل کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتا۔ اس سے بہتر اور کب موقع ملے گا۔ آؤ بصرے کے مختلف حصوں کی سیر تو کرو۔ اکیلے چلو' خوب گشت لگاؤ اور تماشا دیکھو۔ چنانچہ میں اپنے بہترین کپڑے پہن' بصرے میں ادھر ادھر سیر کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔

اے امیر المومنین! تجھے معلوم ہے کہ بصرے میں ستر ایسی سڑکیں ہیں جو ستر ستر عراقی فرسخ لمبی ہیں لہٰذا میں وہاں کی گلیوں میں راہ بھول گیا اور مجھے پیاس معلوم ہونے لگی۔ اے امیر المومنین میں چلا جا رہا تھا کہ میری نظر ایک بڑے پھاٹک پر پڑی جس میں پیتل کے دو حلقے لگے ہوئے اور سرخ کمخواب کے پردے پڑے ہوئے تھے اور اس کے دونوں طرف دو چبوترے تھے۔ پھاٹک کے اوپر انگور کی بیل کی ایک ٹٹی تھی جس سے اس کے اوپر سایہ پڑتا تھا۔ میں اس مکان کا نقشہ دیکھنے ٹھہر گیا۔ کھڑے ہوتے ہی مجھے ایک غمزدہ نغمہ سنائی دیا جو کسی غمگین دل سے نکل رہا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اس نغمے والا حسین بھی ہے تو اس میں حسن اور فصاحت اور شیریں بیانی سب موجود ہیں۔ یہ خیال کرتا ہوا میں دروازے کے پاس گیا اور پردے کو تھوڑا سرکانا شروع کیا۔ دیکھا کہ ایک گوری گوری کنیز بیٹھی ہوئی ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین ہے۔ اس کی بھوئیں ملی ہوئی ہیں۔ پلکیں خوابیدہ' سینے پر دو انار رکھے ہوئے' ہونٹ پتلے پتلے گویا دو عقیق' منہ گویا سلیمان کی انگوٹھی اور موتیوں کی لڑی جس سے شاعر اور نثار دونوں کی عقل دنگ ہو جائے۔ الغرض ہر حسن اساس میں موجود تھا اور مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے فتنہ تھی' آنکھ اس کے دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتی۔ میں پردے میں سے اسے جھانک ہی رہا تھا کہ اس نے نظر اٹھائی اور مجھے دروازہ پر کھڑا دیکھ کر اپنی لونڈی سے کہا دیکھ دروازے پر کون ہے؟

لونڈی اٹھ کر میرے پاس آئی اور کہنے لگی' اے بوڑھے تجھے شرم نہیں آتی؟ بڑھاپا اور عیب! میں نے کہا کہ بڑھاپے کو تو میں جانتا ہوں جہاں تک عیب کا سوال ہے تو

میرے خیال میں عیب کی تو کوئی بات میں نے کی نہیں۔ اس پر لونڈی کی مالکہ بولی اس سے بڑھ کر اور کون سا عیب ہو سکتا ہے کہ اپنا گھر چھوڑ کر دوسروں کے گھر میں گھستا چلا آتا ہے اور اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرے شخص کی بیوی پر نظر ڈالتا ہے۔میں نے کہا کہ اے میری آقا میں اس میں معذور ہوں۔ اس نے پوچھا تو کس طرح معذور ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں پردیسی ہوں اور مجھے اتنی پیاس لگی ہے کہ میں مارے پیاس کے' مرا جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرا عذر مجھے قبول ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو انتیس ویں رات

جب تین سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی بولی تیرا عذر معقول ہے اور اس نے اپنی لونڈی کو بلا کر کہا اے لطف سونے کے کوزے سے پانی پلا۔ لونڈی ایک سونے کا کوزہ لے آئی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ پانی میں مشک کی لپٹ آ رہی تھی اور کوزہ سبز ریشم کے رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ اب میں پانی پینے لگا تو ٹھہر ٹھہر کر گھونٹ گھونٹ اور کن انکھیوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھتا جاتا۔ دیر کے بعد میں نے کوزہ لونڈی کو واپس دے دیا مگر اٹھا نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ بڈھے اب اپنا راستہ لے۔ میں نے کہا اے میری آقا میں کچھ سوچ رہا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا سوچ رہا ہے؟ میں بولا زمانے کا ہیر پھیر اور حادثوں کا پیش آنا۔ اس نے کہا کہ تیرا کہنا سچ ہے۔ واقعی زمانہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ لیکن تو نے زمانے کی کون سی ایسی بات دیکھی کہ سوچ میں پڑ گیا؟ میں نے کہا کہ مجھے اس گھر کے مالک کی یاد آ رہی ہے' جب وہ زندہ تھا تو میرا دوست تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ محمد بن علی جوہری اور وہ بڑا مالدار تھا۔ معلوم نہیں کہ اس نے کوئی اولاد بھی چھوڑی۔ اس نے کہا کہ ہاں چھوڑی ہے۔ ایک بیٹی بدور اور جسے اس کی ساری دولت ورثے میں ملی ہے۔ میں نے کہا شاید تو ہی اس کی بیٹی ہے۔ اس نے کہا ہاں اور مسکرا دی۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ بڈھے تو بہت باتیں کر چکا' اب چلتا ہو۔ میں نے کہا کہ جاؤں گا تو سہی لیکن میں یہ دیکھتا ہوں کہ تیری صورت اتری ہوئی ہے۔ اپنا حال بتا شاید خدا میرے ہاتھ سے تجھے خوشی عطا کرے۔ اس نے کہا' اے بڈھے اگر تو بھید رکھ سکتا ہے تو میں اپنا بھید تجھ پر ظاہر کروں گی یہ بتا تو ہے کون؟ میں سمجھوں تو کہ راز داری کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اے میری آقا اگر تو جاننا چاہتی

ہے میں کون ہوں تو سن میرا نام علی بن منصور خلیعی دمشقی ہے اور میں امیر المومنین ہارون الرشید کا ندیم ہوں۔

میرا نام سنتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ ابن منصور خوش آمدید! اب میں تجھ پر اپنا حال بیان کروں گی اور تجھے اپنے راز کا امانت دار بناؤں گی۔ سن' میں عاشق ہوں مگر جدائی میں مبتلا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے میری آقا تو حسین ہے' تیرا معشوق بھی حسین ہو گا۔ آخر وہ کون شخص ہے جس پر تو عاشق ہے؟ اس نے جواب دیا میں جبیر بن عمیر شیبانی پر عاشق ہوں جو بنو شیبان کا سردار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک جوان کا حلیہ بیان کیا جس سے زیادہ خوبصورت بصرے میں تو ہو گا نہیں۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا تمہارے درمیان ملاقات یا خط و کتابت ہوئی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں لیکن اس کا عشق محض زبانی تھا دل سے نہیں کیونکہ اس نے نہ اپنا وعدہ پورا کیا اور نہ عہد و پیمان پر قائم رہا۔

میں نے کہا' اے میری آقا تم میں جدائی کس طرح ہوئی؟ اس نے کہا کہ جدائی کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں بیٹھی ہوئی تھی اور یہی لونڈی میرے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ کنگھی کرنے کے بعد اس نے میری چوٹی گوندھی۔ میرا حسن اسے بھلا معلوم ہوا' اس نے جھک کر میرے رخسار کو بوسہ دیا۔ ہمیں اس کا علم نہ تھا کہ وہ آنے والا ہے' وہ آ گیا اور اس نے دیکھا کہ لونڈی میرا رخسار چوم رہی ہے' وہ فوراً ناراض ہو کر الٹے پاؤں لوٹ گیا اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ پھر کبھی مجھ سے نہ ملے گا۔ اس دن سے آج تک وہ میرے پاس نہیں پھٹکا اور اے ابن منصور نہ اس نے خط لکھا نہ میرے خط کا جواب دیا۔ میں نے کہا پھر تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے اس کے پاس ایک خط دے کر بھیجنا چاہتی ہوں اگر تو جواب لے آئے تو میں تجھے پانچ سو دینار دوں گی اور اگر بغیر جواب کے لوٹے تو تیرے آنے جانے کا خرچ ایک سو دینار۔

میں نے کہا جیسی تیری مرضی۔ اس نے کہا بسر چشم۔ اس نے لونڈی سے دوات کاغذ

منگوایا۔ خط لکھا اور مہر لگا کر مجھے دے دیا۔ میں خط لے کر جبیر بن عمیر شیبانی کے گھر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ وہ شکار پر گیا ہوا ہے۔ بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ وہ شکار سے لوٹا۔ اے امیر المومنین جب میں نے اسے گھوڑے پر سوار دیکھا تو اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر میری عقل دنگ ہوئی۔ اس نے نظر اٹھائی تو مجھے گلے سے لگا کر سلام کیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں نے ساری دنیا و مافیہا کو گلے لگا لیا۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر مکان کے اندر گیا۔ اپنے فرش پر بٹھایا اور کھانے کی میز منگوائی۔ وہ خراسانی خولنج کی بنی ہوئی تھی اور اس کے پائے سونے کے۔ اس پر ہر قسم کے کھانے' طرح طرح کے تلے ہوئے اور بھنے ہوئے گوشت لگائے گئے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو تیسویں رات

جب تین سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب علی بن منصور جبیر بن عمیر شیبانی کے دستر خوان پر بیٹھا تو جبیر نے کہا' ہمارے کھانے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا اور اسے کھا کر ہمارا دل خوش کر۔ علی بن منصور کا بیان ہے کہ میں نے کہا' خدا کی قسم جب تک تو میری حاجت پوری نہ کر دے گا' میں تیرے کھانے میں سے ایک نوالہ بھی نہ اٹھاؤں گا۔ اس نے کہا کہ تیری حاجت کیا ہے؟ میں نے وہ خط نکال کر اسے دیا۔ اس نے اسے پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو اسے پھاڑ کر زمین پر پھینک دیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے ابن منصور! میں تیری تمام حاجتیں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں سوائے اس حاجت کے' جو اس پر خط کے لکھنے والی سے تعلق رکھتی ہے' اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ میں نے یہ سنا تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اٹھنے لگا۔ اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہا اے ابن منصور اگرچہ میں تم دونوں کے پاس موجود نہ تھا لیکن اگر تو چاہے تو میں بتا دوں کہ اس نے تجھ سے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا بتا' اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟ وہ بولا کیا اس نے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ اگر تو اس کا جواب لائے گا تو تجھے پانچ سو دینار دوں گی اور اگر نہ لائے گا تو تیرے آنے جانے کا خرچ سو دینار؟ میں نے کہا ہاں۔
اس نے کہا آج میرے ساتھ رہ جا۔ کھاپی' چین کر' خوش ہو اور پانچ سو دینار لے۔
میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے کھایا پیا اور مزے اڑائے اور خوش ہوا اور باتیں چیتیں کیں۔ پھر میں نے پوچھا تیرے ہاں کیا گانے بجانے کا کوئی انتظام نہیں ہے؟
اس نے جواب دیا کہ ایک مدت سے میں بغیر گانے بجانے ہی کے شراب پیتا ہوں۔
یہ کہہ کر اس نے اپنی ایک کنیز کو اے شجرہ الدر کہہ کر آواز دی۔ کنیز اپنی حرم سرا میں سے نکل کر آئی۔ اس کے پاس ہندوستان کی بنی ہوئی ایک سارنگی ریشم کے

غلاف کے اندر تھی۔ وہ آ کر بیٹھ گئی اور سارنگی کو اپنی گود میں رکھ کر اکیس طرح کے راگ بجائے۔
جب کنیز بجا چکی تو اس کے مالک نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کنیز نے کہا اے بوڑھے خدا تجھ سے اس کا مواخذہ نہ کرے! آقا کی اس بے ہوشی کے ڈر سے' ہم ایک مدت گزری کہ بغیر گانے بجانے کے' شراب پیا کرتے ہیں۔ خیر اب تو اس کمرے میں جا اور سو جا۔ میں اس کمرے کی طرف چل دیا جو اس نے بتایا تھا اور وہاں جا کر سو گیا۔ صبح ہوئی تو ایک غلام ایک تھیلی لے کر آیا جس میں پانچ سو دینار تھے اور کہنے لگا۔ یہ وہ ہے جس کا وعدہ میرے آقا نے تجھ سے کیا تھا لیکن اس لڑکی کے پاس لوٹ کر نہ جائیو جس نے تجھے بھیجا ہے۔ گویا نہ تجھے اس بات کی خبر ہے نہ ہمیں۔ میں نے بسر و چشم کہا اور تھیلی لے کر چلتا ہوا۔ چلتے چلتے اپنے دل میں کہنے لگا کہ لڑکی کل سے میرے انتظار میں ہو گی۔ واللہ میں ضرور اس کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کروں گا جو میرے اور جبیر کے درمیان میں پیش آیا ہے۔ اگر میں اس کے پاس نہ گیا تو وہ مجھے اور میرے ہم وطنوں کو برا بھلا کہے گی۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ دروازے کے پیچھے کھڑی ہے جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی کہنے لگی۔ اے ابن منصور تو نے میری حاجت پوری نہ کی۔ میں نے کہا تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ وہ بولی اے ابن منصور مجھے اور باتیں بھی معلوم ہو چکی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب تو نے اسے خط دیا تو اس نے پھاڑ کر پھینک دیا اور تجھ سے کہا کہ ابن منصور سوائے اس خط لکھنے والی کی حاجت کے میں اور تیری تمام حاجتیں پوری کروں گا۔ صرف اس کے خط کا جواب میرے پاس نہیں۔ جب تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اٹھنے لگا تو اس نے تیرا دامن پکڑ لیا اور تجھ سے کہا کہ اے ابن منصور' آج تو میرے ہاں ٹھہر' تو میرا مہمان ہے۔ کھا پی مزے اڑا خوش ہو اور پانچ سو دینار لے۔ لہذا تو اس کے پاس ٹھہر گیا۔ کھایا پیا' مزے اڑائے' خوش ہوا۔ باتیں چیتیں کیں اور کنیز نے فلاں راگ بجایا۔ وہ غش کھا کر گر پڑا۔

اے امیر المومنین میں نے اس سے پوچھا کہ تو بھی وہاں موجود تھی؟ اس نے کہا اے ابن منصور کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ہے؟ عاشقوں کے دلوں میں آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جو اوروں کو دکھائی نہیں دیتیں لیکن اے ابن منصور کوئی ایسی چیز کر جو اس پر زمانہ گزرے اور وہ بدلے نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو اکتیس ویں رات

جب تین سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی نے کہا' اے ابن منصور یہ ممکن نہیں کہ زمانہ ایک چیز پر گزرے اور وہ متغیر نہ ہو۔ پھر اس نے آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور کہنے لگی' اے میرے خدا' میرے مالک' میرے مولیٰ جس طرح تو نے جبیر بن عمیر کی محبت میں مجھے گرفتار کیا ہے' اسے بھی میری محبت میں گرفتار کر دے۔ یہ محبت میرے دل سے اس کے دل میں منتقل ہو جائے! بعدا ازاں اس نے مجھے سو دینار راہ خرچ کے دیئے اور میں انہیں لے کر بصرے کے حاکم کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ شکار سے لوٹ آیا ہے۔ میں نے اس سے اپنا حق لیا اور بغداد واپس آ گیا۔

دوسرے سال میں اپنا حق لینے پھر بصرے گیا' حاکم نے میرا حق مجھے دیا۔ میں بغداد واپس ہونے لگا تو مجھے بدور کا خیال آ گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی کہ اس کے اور اس کے دوست کے درمیان کیا ماجرا پیش آیا۔ میں اس کے گھر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے آگے جھاڑو دی گئی ہے چھڑکاؤ کیا گیا ہے نوکر چاکر اور غلام کھڑے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ غالباً رنج کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مر گئی ہے اور اس کے مکان میں کوئی امیر رہنے آیا ہے چنانچہ میں اسے چھوڑ کر جبیر بن عثمانی شیبانی کے گھر پہنچا دیکھا اس کے چبوترے ٹوٹے پڑے ہیں پہلے کی طرح وہاں نہ کوئی غلام ہے نہ عیش کا سامان۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ بھی مر گیا اور اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر آنسو بہانے لگا۔

اے امیر المومنین' میں گریہ وزاری کر ہی رہا تھا کہ ایک حبشی غلام مکان سے نکل کر میرے پاس ایا اور کہنے لگا کہ اے بوڑھے تیرا ستیاناس ہو! تو کیوں اس مکان پر گریہ وزاری کر رہا ہے؟ میں نے جواب دیا' میں اس مکان میں اپنے ایک دوست سے

ملنے ایا کرتا تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ جبیر بن عمیر شیبانی۔ وہ بولا اس پر کیا گزری ہے؟ خدا کے فضل سے وہ ایسا ہی امیر اور دولت مند ہے لیکن خدا نے اسے ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار کر رکھا ہے جس کا نام بدور ہے وہ اس کے عشق میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ محبت کے مارے وہ اس طرح پڑا رہتا ہے جیسے پتھر۔ اگر اسے بھوک لگتی ہے تو وہ نہیں کہتا کہ مجھے کھانا کھلاؤ۔ اگر پیاس لگتی ہے تو پانی نہیں مانگتا۔ میں نے کہا کہ اس سے میرے لئے اجازت لے آ کہ میں مل سکوں۔ اس نے کہا تو ایسے شخص سے ملنا چاہتا ہے جو تیری بات سمجھے یا اس سے' جو نہ سمجھے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ غلام اجازت لینے کے لئے اندر گیا اور اجازت لے آیا۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ وہ پتھر کی طرح پڑا ہوا ہے۔ نہ اشارہ سمجھتا ہے نہ کوئی بات۔ جب میں اس سے کچھ کہتا.... تو وہ میرا منہ دیکھنے لگتا۔ ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ اے میرے آقا اگر تجھے کوئی شعر یاد ہو تو اس کے سامنے پڑھ اور اونچی آواز سے سنا۔ اسے سن کر وہ بیدار ہو جائے گا اور تجھ سے باتیں کرے گا۔ میں نے کچھ اشعار پڑھے تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے کہا کہ اے ابن منصور خوش آمدید! مذاق سنجیدہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ اے میرے آقا میں تیرے کس کام آ سکتا ہوں؟ اس نے جواب دیا' ہاں میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ اس کے پاس خط بھیجوں اگر تو جواب لے آیا تو میں تجھے ایک ہزار دینار دوں گا اور اگر بغیر جواب کے لوٹا تو تیرا راہ خرچ سو دینار۔ میں نے کہا کہ تیری مرضی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بتیس ویں رات

جب تین سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابن منصور کا بیان ہے کہ میں نے کہا جو تیری مرضی۔ جبیر نے ایک کنیز کو بلا کر دوات' قلم

اور کاغذ منگایا' وہ لے آئی تو اس نے خط لکھ کر اس پر مہر لگائی اور مجھے دے دیا۔ میں اسے لے کر بدور کے گھر گیا اور پہلے دن کی طرح پردہ تھوڑا اٹھایا۔ دیکھا کہ دس ابھرے ہوئے سینے والی کنواری لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور بدور ان کے درمیان ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ستاروں کے بیچ میں چودھویں رات کا چاند یا سورج جو بادلوں کے پیچھے سے نکلا ہو۔ اس کے چہرے پر نہ غم ہے نہ الم۔ میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا اور اس کی حالت پر حیران تھا کہ اس نے میری طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ میں دروازے پر کھڑا ہوں۔ کہنے لگی: اھلاً و سہلاً مرحبا' اندر آ۔ میں نے اندر جا کر اسے سلام کیا اور خط دیا۔ اس نے پڑھا اور مطلب سمجھا تو ہنسنے لگی اور کہا اے ابن منصور میں ابھی جواب لکھتی ہوں تا کہ جس چیز کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے' تجھے دے۔ میں نے کہا خدا تجھے نیک بدلہ دے!

اس نے ایک لونڈی کو آواز دے کر کہا لکھنے کا سامان لا۔ لونڈی قلم دوات اور کاغذ لے آئی تو اس نے خط لکھا۔ میں نے کہا' اے میری آقا واللہ اس کے اور موت کے درمیان اسی خط کی کسر ہے۔ یہ کہہ کر میں نے اسے پھاڑ ڈالا اور کہا دوسرا خط لکھ۔ وہ بولی سر آنکھوں سے اور دوسرا خط لکھا۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا واللہ اس کے پڑھتے ہی اس کی روح جسم سے نکل جائے گی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے ابن منصور کیا واقعی محبت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے جو تو اس طرح کہتا ہے؟ میں نے کہا اگر میں اس سے بھی زیادہ کہوں تو وہ درست ہو گا لیکن بڑے لوگ معاف کر دیا

کرتے ہیں۔ جب اس نے میری باتیں سنیں تو اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور اس نے ایک ایسا خط لکھا کہ اے امیر المومنین تیرے منشیوں میں کوئی شخص ویسا نہیں لکھ سکتا۔

جب وہ لکھ چکی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تینتیس ویں رات

تین سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بدور نے خط لکھ کر اس پر مہر لگا کر مجھے دے دیا۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا یہ خط بیمار کی دوا اور محبت کے مارے ہوئے کی شفا ہے اور میں خط لے کر چل دیا۔ جب چلا ہی تھا کہ اس نے مجھے پھر بلایا اور کہا کہ اس سے کہو کہ میں آج تیری مہمان ہوں گی۔ میں بہت خوش ہوا اور خط لے کر جبیر بن عمیر کے پاس روانہ ہو گیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں جواب کے انتظار میں دروازے سے لگی ہوئی ہیں۔ میں نے اسے خط دیا۔ اس نے کھولا' پڑھا اور اس کا مفہوم سمجھا ار ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو بولا' اے منصور کیا اس نے یہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اور اسے اپنی انگلیوں سے چھوا ہے؟ میں نے کہا' اے میرے آقا کیا لوگ اپنے پاؤں سے لکھا کرتے ہیں!

اے امیر المومنین' واللہ ابھی ہم یہ باتیں ختم بھی نہ کرنے پائے تھے کہ ہمیں دہلیز میں اس کے جھانجنوں کی آواز سنائی دی۔ وہ آ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر جبیر کھڑا ہو گیا گویا کہ اسے کبھی کوئی رنج نہ ہوا تھا اور اس طرح اس کو لپٹا لیا جیسے لام الف کو۔ اس کی بیماری جو ٹلتی نظر نہ آتی تھی' فوراً دور ہو گئی۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا مگر لڑکی نہ بیٹھی۔ میں نے کہا اے میری آقا تو کیوں نہیں بیٹھتی؟ اس نے جواب دیا اے ابن منصور بغیر اس شرط کے جو ہمارے درمیان میں ہے میں نہیں بیٹھ سکتی۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا شرط ہے؟ وہ بولی عاشقوں کے بھید سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنا منہ اس کے کان پر کے پاس لے گئی اور چپکے چپکے کچھ کہا اور اس نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔ پھر جبیر نے اٹھ کر اپنے غلام کے کان میں کچھ کہا۔ غلام چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد قاضی اور دو گواہوں کو لے کر واپس آیا۔

جبیر اٹھ کر ایک لاکھ دینار کا ایک توڑا لے آیا اور قاضی سے کہنے لگا میرا نکاح اس لڑکی سے پڑھا دے اور یہ اس کا مہر ہے۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ تجھے منظور ہے۔

اس نے کہا کہ مجھے منظور ہے اور نکاح ہو گیا۔

اب لڑکی نے تھیلی کھول کر اس میں سے مٹھی بھر اشرفیاں نکالیں اور قاضی اور گواہوں کو دے دیں۔ باقی تھیلی اسے واپس کر دی۔ قاضی اور گواہ چلتے ہوئے۔ میں اور وہ دونوں بیٹھ کر خوشیاں منانے لگے یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ اب میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ دونوں عاشق ہیں اور مدت تک ایک دوسرے سے جدا رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ میں فوراً اٹھ کر ان سے دور کسی جگہ جا کر سو رہوں اور انہیں اکیلا چھوڑ دوں۔ اس خیال سے میں اٹھا مگر اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی کہ اس وقت تیرے دل میں کیا خیال گزرا ہے؟ میں نے کہا محض فلاں خیال۔ اس نے کہا بیٹھ۔ جب ہم چاہیں گے تو چلا جائے تو ہم خود تجھے چلتا کر دیں گے۔ میں ان کے ساتھ صبح کے قریب تک بیٹھا رہا۔ جب صبح ہونے کو آئی تو لڑکی نے کہا کہ اے ابن منصور اس کمرے میں چلا جا کیونکہ ہم نے تیرے لئے فرش بچھوا دیا ہے اور وہ تیرا سونے کا کمرہ ہے۔ میں جا کر اس میں سو گیا۔

علی الصباح ایک غلام تشت اور لوٹا لایا۔ میں نے وضو کر کے صبح نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ جبیر اور اس کی محبوبہ حمام سے نکلے جو مکان کے اندر تھا۔ اور اپنے بال نچوڑنے لگے۔ میں نے ان سے صباح بخیر کہا اور ان کی سلامتی اور ایک دوسرے سے ملنے پر مبارکباد دی اور جبیر سے کہا کہ جو چیز شرط سے شروع ہوتی ہے' رضا مندی پر ختم ہوتی ہے۔ وہ بولا تو سچ کہتا ہے اور تو انعام و اکرام کا مستحق ہو چکا ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنے خانگی خزانچی کو آواز دی اور اس سے کہا کہ تین ہزار دینار لے آ۔ وہ تین ہزار دینار کا ایک اور توڑا لے آیا۔ جبیر نے مجھ سے کہا کہ انہیں قبول کر کے مجھ پر احسان کر۔ میں نے کہا میں اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ تو یہ نہ بتائے کہ عشق اس سے منتقل ہو کر تیرے دل میں کس طرح آ

گیا۔ تو تو اس سے دور بھاگتا تھا۔ اس نے کہا' سن ہمارے ہاں ایک میلہ ہوتا ہے جس کا نام نو روز کا میلہ ہے۔ اس روز لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر کی سیر کرتے ہیں۔ میں بھی اس روز اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر کرنے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کشتی میں دس کنیزیں سوار ہیں جو چاند کی طرح ہیں اور شریف زادی بدور ان کے ساتھ ہے۔ سارنگی اس کے پاس ہے۔ اس نے اس پر گیارہ مختلف راگ بجائے۔ میں نے کہا کہ پھر بجا لیکن وہ نہ مانی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چونتیس ویں رات

جب تین سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جبیر کا بیان ہے کہ میں نے لڑکی سے کہا کہ دوبارہ بجا لا لیکن اس نے نہ مانا۔ میں نے ملاحوں سے کہہ کر اس کی طرف اتنی نارنگیاں پھنکوائیں کہ میں ڈرنے لگا کہ کہیں کشتی ڈوب نہ جائے جس میں وہ بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ چلتی ہوئی۔ بس اسی دن سے محبت اس کے دل سے منتقل ہو کر میرے دل میں آ گئی۔ میں نے انہیں ایک دوسرے سے ملنے پر مبارک باد دی اور اس توڑے کو لیکر بغداد چلا آیا۔ یہ کہانی سن کر خلیفہ خوش ہو گیا اور اس کی بیداری اور دل کی تنگی جاتی رہی۔

○ ایک یمنی اور اس کی چھ کنیزوں کی کہانی

سننے میں آیا ہے کہ ایک روز امیر المومنین مامون اپنے محل میں بیٹھا تھا' امراء' روساء' شعراء' اور ندما حاضر تھے۔ اس کے ندیموں میں ایک ندیم محمد بصری تھا۔ مامون نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے محمد! میں چاہتا ہو کہ تو اس وقت کوئی ایسی چیز سنائے جو میں نے کبھی نہ سنی ہو۔ اس نے عرض کیا! امیر المومنین تو چاہتا ہے کہ میں سنی سنائی کوئی کہانی کہوں یا آپ بیتی؟ مامون نے کہا کہ دونوں میں سے جو زیادہ عجیب ہو' وہ سنا۔ اس نے کہا امیر المومنین سن! اگلے زمانے میں ایک بڑا امیر شخص تھا' یمن کا رہنے والا۔ وہ ایک بار جو یمن سے بغداد آیا تو یہاں کی ماند و بود اسے کچھ ایسی اچھی معلوم ہوئی کہ اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو لے کر مستقل طور پر یہاں آ رہا۔ اس کے پاس چاند سی چھ کنیزیں تھیں۔ ایک گوری' دوسری گندمی' تیسری موٹی' چوتھی دبلی' پانچویں زرد اور چھٹی کالی۔ وہ سب خوبصورت تھیں۔ خوب پڑھی لکھی اور

گانے بجانے میں استاد۔ ایک دن اس نے ان کنیزوں کو بلایا' کھانا اور شراب منگوائی۔ سب کو اپنے پاس بٹھا کر کھلایا پلایا۔ جب وہ کھا پی کر مزے میں آگئیں تو اس نے

ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور گوری کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا' اے چاند سے مکھڑے والی کوئی مزے دار گانا سنا۔ کنیز نے سارنگی لے کر اس کا ٹھاٹ ملایا اور اس خوبی سے بجایا کہ مکان ناچنے لگا۔ ان کے آقا نے خوشی میں آ کر وہ جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی پلائے۔ پھر اس نے دوسرا جام بھر کر گندمی کنیز کی طرف اشارہ کیا اے انگیٹھی کی روشنی اور مہکتے ہوئے سانس والی اپنی پیاری آواز سنا جسے لوگ سن کر محو ہو جاتے ہیں۔ اس نے سارنگی کے کئی راگ بجائے اور اس کے نغموں سے مکان گونج اٹھا۔ اس نے اپنے انداز سے دلوں کو فریفتہ کر لیا۔

آقا نے مسرور ہو کر جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی دیئے۔ اس کے بعد تیسرا جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور موٹی کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گا کوئی دوسرا راگ بجا۔ اس نے سارنگی لے کر ایسا زمزمہ چھیڑا کہ جس سے تمام حسرتیں دور ہو جائیں۔ ان کا مالک خوش ہو گیا اور جام لے کر کنیزوں کو پلایا اور پھر جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دبلی کنیز کی طرف اشارہ کیا اور کہا' اے جنت کی حور میٹھی میٹھی چیزیں سنا۔ اس نے سارنگی لے کر اس کے تار ملائے اور مختلف راگ گانے بجانے لگی۔ آقا کو بڑی فرحت ہوئی اور جام چڑھا گیا۔ پھر اس نے ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور زرد رو کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ اے دن کے سورج! عمدہ اشعار سنا' اس نے سارنگی لے کر بہترین راگ بجائے' مالک خوش ہو گیا۔ خود پی اور کنیزوں کو پلائی۔ اب ایک اور جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور کالی کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا' اے آنکھ کی پتلی تو بھی کچھ سنا' خواہ دو ہی بول کیوں نہ ہوں۔ اس نے سارنگی لے کر اسے ٹھیک کیا اور طرح طرح کے راگ بجانے شروع کیے۔

گانے بجانے سے فارغ ہو کر کنیزوں نے اپنے آقا کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا'

اے آقا ہمارے درمیان فیصلہ کر۔ آقا نے ان کے حسن و جمال اور مختلف رنگوں کو دیکھا' خدا کی حمد و ثنا کی اور ان سے کہنے لگا کہ تم میں سے کوئی ایسی نہیں جس نے قرآن نہ پڑھا ہو' راگ نہ سیکھے ہوں اور جو پرانے لوگوں کی تاریخ اور گزشتہ قوموں کے حالات سے واقف نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک باری باری اٹھے اور اپنی سوکن کی طرف اشارے کرے۔ مثلاً گوری' گندمی کی طرف اور موٹی' دبلی کی طرف اور زرد' کالی کی طرف اور اپنی تعریف اور اپنی سوکن کی مذمت بیان کرے۔ اس کے بعد وہ سوکنیں بھی ایسا ہی کریں لیکن قرآن اور تاریخ اور اشعار سے دلیل پیش کی جائے تا کہ میں تمہاری لیاقت اور شیریں بیانی کو دیکھوں۔ وہ بولیں جو آقا کا حکم۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتے دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو پینتیس ویں رات

جب تین سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یمنی سے اس کی کنیزوں نے کہا کہ جو آقا کا حکم اور ان میں سے پہلے گوری اٹھی اور کالی

کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی اے کالی حیف ہو تجھ پر۔ وارد ہوا ہے کہ سفیدی نے کہا میں چمکتا ہوا نور ہوں' میں نکلتا ہوا چاند ہوں' میرا رنگ کھلا ہوا ہے' میری پیشانی چمکتی ہوئی.... میرے حسن پر شاعروں نے نظمیں کی نظمیں کہہ ڈالی ہیں میرا رنگ تندرست دن' چنے ہوئے پھولوں اور چمکتے ہوئے تاروں کی طرح ہے۔ خدا نے اپنی بزرگ کتاب میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکال اور وہ سفید ہو جائے گا مگر کسی بیماری سے نہیں۔ اور خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے' ان کے رہنے کی جگہ خدا کی رحمت ہے۔ لہٰذا میرا رنگ ایک چمکدار چیز ہے۔ میرے حسن و جمال کا کیا کہنا۔ میرے رنگ کے لوگوں پر لباس بھلا معلوم ہوتا ہے' دل مائل ہوتے ہیں اور سفیدی میں اور بھی خوبیاں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ برف جو آسمان سے گرتی ہے سفید ہوتی ہے۔ وارد ہوا کہ بہترین رنگ سفید ہے۔ مسلمان سفید پگڑیوں پر فخر کرتے ہیں۔ اگر میں اس کی ساری تعریفیں بیان کروں تو بہت لمبا چوڑا ہو جائے گا۔ کم اور کافی چیز اس سے بہتر ہے جو زیادہ اور بے سود ہو اور لے اب میں تیری برائی کرتی ہوں۔ اے کالی اور روشنائی کے رنگ والی تو لوہار کی خاک کے مانند اور کوے کے چہرے کی طرح ہے جو دوستوں میں جدائی ڈالتا ہے۔ شاعروں نے سفیدی کی تعریف اور سیاہی کی مذمت کی ہے۔

تاریخ میں ہے کہ نوح علیہ السلام ایک رات سو رہے تھے ان کے دونوں بیٹے سام اور حام ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ہوا چلی' ان کے کپڑے اٹھ گئے اور جسم کا پوشیدہ حصہ کھل گیا۔ حام اسے دیکھ کر ہنسنے لگا اور ڈھانکا نہیں لیکن سام نے اٹھ کر ڈھانک

دیا۔ اتنے میں ان کے باپ کی آنکھ کھل گئی چونکہ دونوں بیٹوں کا حال انہیں معلوم ہو چکا تھا' انہوں نے سام کو دعا اور حام کو بد دعا دی۔ سام کا چہرہ سفید ہو گیا اور تمام انبیاء اور خلیفہ اور بادشاہ اسی کی اولاد ہیں۔ لوگ اس پر متفق ہیں کہ حبشیوں میں عقل کم ہوتی ہے اور وہ ضرب المثل ہے کہ حبشی عقل مند کس طرح ہو سکتا ہے!

اس کے آقا نے کہا کہ بس بیٹھ جا۔ اس قدر کافی ہے بلکہ تو نے بہت زیادہ بیان کیا۔

پھر اس نے کالی کنیز کی طرف اشارہ کیا' وہ اٹھی اور گوری کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی تجھے معلوم نہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ "قسم ہے رات کی جب وہ تاریک ہو اور دن کی جب وہ خوب روشن ہو۔" اگر رات میں دن سے زیادہ بڑائی نہ ہوتی تو خدا اس کی قسم دن سے پہلے نہ کھاتا' سمجھ دار اور دانش مند لوگ اس سے اتفاق نہ کرتے۔ تجھے معلوم نہیں کہ سیاہی جوانی کی زینت ہے۔ سر سفید ہو جاتا ہے تو لذتیں جاتی رہتیں ہیں اور آدمی موت کے دن گننے لگتا ہے۔ اگر سیاہی کا درجہ سب سے بڑا نہ ہوتا تو خدا اسے دل اور پتلی میں جگہ نہ دیتا۔ اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ دوستوں کی صحبت رات میں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ محض اس بڑائی اور فائدے کا ذکر تیرے لئے کافی ہونا چاہیے کیونکہ رات کی تاریکی کی طرح اور کوئی چیز دوست و احباب کو چغل خوروں' ملامت کرنے والوں سے نہیں بچاتی اور دن کی سفیدی سے زیادہ کوئی چیز انہیں رسوا نہیں کرتی۔ دیکھ رات کی تاریکی میں کتنی خوبیاں ہیں! اگر میں سیاہی کی تعریف بیان کرتی چلی جاؤں تو اس کی تفصیل بہت لمبی چوڑی ہو جائے گی لیکن جو بات تھوڑی ہو اور کافی' وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور بیکار۔

اے گوری تیرا رنگ کوڑھ کا رنگ ہے' تیرے وصال سے مرد کا دم گھٹتا ہے اور وارد ہوا ہے کہ سردی اور ٹھنڈک جہنم میں نا فرمانوں کے عذاب کے لئے ہے۔ کالوں کی فضلیت یہ بھی ہے کہ روشنائی جس سے قرآن لکھا جاتا ہے سیاہ ہے' اگر سیاہ مشک اور سیاہ عنبر نہ ہوتا تو اور کون سی خوشبوئیں بادشاہوں کے پاس لوگ لے جاتے۔ سیاہی

میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا جتنا تو نے کہا وہ کافی ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور آقا نے موٹی کنیز کی طرف اشارہ کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو چھتیس ویں رات

جب تین سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یمنی نے جو کنیزوں کا آقا تھا موٹی کنیز کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اٹھ کر دبلی کی طرف اشارہ کیا اور اپنے پائینچے اور آستینیں چڑھا لیں۔ پیٹ کھول دیا اور یہاں تک کہ

اس کی پٹین اور ناف کی گولائی دکھائی دینے لگی۔ اس نے ایک انگی قمیص پہن لی جس سے اس کا سارا بدن کھل گیا اور کہنے لگی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے پیدا کیا اور خوب پیدا کیا! موٹا بنایا اور کیا خوب موٹا بنایا! گدوں کا ہم شکل بنایا اور بہت زیادہ خوبصورتی اور رونق بخشی اور اپنی بزرگ کتاب میں میرا ذکر کر کے مجھے قرب اور شرف بخشا۔ اس کا قول ہے کہ "وہ ایک موٹا بچھڑا لایا۔" خدا نے مجھے ایک ایسے باغ کی طرح بنایا ہے ہے' جس میں شفتالوں اور انار ہوں۔ شہر والے موٹی چڑیوں کو مزہ لے کر کھاتے ہیں اور دبلی چڑیوں کو پسند نہیں کرتے۔ سارے انسان موٹے گوشت کو پسند کرتے ہیں۔ موٹائی میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں۔ اگر کوئی شخص قصاب کی دکان پر جاتا ہے تو موٹا ہی گوشت طلب کرتا ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ مزہ تین چیزوں میں ہوتا ہے۔ گوشت کھانے' گوشت پر سوار ہونے اور گوشت کے اندر گوشت داخل کرنے میں۔ اے جھانکڑ تیری پنڈلیاں پدڑی کی پنڈلیوں اور تنور کی سلاخ کی طرح ہیں۔ تو ایسی ہے جیسے پھانسی کا تختہ یا دبلا گوشت اور تجھ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دل خوش ہو۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جاؤ' بس اتنا ہی کافی ہے اور وہ بیٹھ گئی۔

اس کے بعد اس نے دبلی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بید کی چھڑی یا خیزران کی ٹہنی یا ریحان کی لکڑی ہے وہ کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا جس نے مجھے پیدا کیا اور خوبصورت بنایا اور میرے وصل کو انتہائی مقصد کا درجہ عطا کیا اور

مجھے ایسی ٹہنی کی طرح بنایا جس کی طرف دل مائل ہوں۔ اگر میں اٹھتی ہوں تو پھرتی سے اور بیٹھتی ہوں تو ادا سے۔ مذاق میں حاضر جواب ہوں اور خوشی کی وجہ سے دل شاد رہتی ہوں۔ میں نے یہ کبھی نہیں سنا کہ کوئی اپنی محبوبہ کی یہ تعریف کرتا ہو کہ وہ ہاتھی کی طرح ہے یا لمبے چوڑے پہاڑ کی مانند ہے بلکہ معشوق کی تعریف یہ ہے کہ اس کا قد کشیدہ اور بدن چھریرا ہو۔ تھوڑے کھانے سے میرا پیٹ بھر جاتا ہے۔ تھوڑے پانی سے میری پیاس بجھ جاتی ہے۔ میں اٹھنے بیٹھنے میں سبک ہوں اور میرا مزاج ظریف ہے۔ میں چڑیا سے زیادہ خوش مزاج ہوں اور زر زور سے زیادہ پھرتیلی ہوں۔ عاشق میرے وصال کے خواہش مند رہتے ہیں' میرا جسم نازک ہے۔ میری مسکراہٹ لوگوں کو بھاتی ہے۔ میں بید کی چھڑی یا خیزران کی لکڑی ہوں۔ حسن میں میرا کوئی نظیر نہیں۔ مجھ ہی جیسوں پر عاشق مزاج دیوانے رہتے ہیں اور مشتاق پریشان۔ اگر میرا چاہنے والا مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے تو میں آسانی سے کھنچ جاتی ہوں اور اگر وہ مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے تو میں مائل ہو جاتی ہوں' اسے دق نہیں کرتی اور تو اے موٹی' ہاتھی کے جتنا کھاتی ہے' تو نہ تھوڑے سے سیر ہوتی ہے اور نہ بہت سے۔ تیرے عاشق کو تجھ سے آرام نہیں ملتا۔ کسی کروٹ اسے چین نہیں آتا۔ تیرے موٹاپے کی وجہ سے وہ تجھ سے خوش نہیں رہ سکتا' تیرے موٹاپے میں نہ خوبصورتی ہے' نہ مزہ' نہ لطف۔ موٹا گوشت سوائے ذبح کرنے کے اور کسی کام کا نہیں۔ نہ اس کی کوئی تعریف کی جا سکتی ہے۔ اگر تجھ سے کوئی مذاق کرے تو خفا ہو جاتی ہے۔ اگر کھیلے تو غمگین ہو جاتی ہے۔ اگر تو ناز و ادا سے کام لیتی ہے تو رینگتی ہے' اگر چلتی ہے تو زبان نکال دیتی ہے' اگر کھاتی ہے تو سیر نہیں ہوتی۔ تو پہاڑ سے زیادہ بھاری اور گناہ اور وبال سے زیادہ بد صورت ہے۔ تجھ میں نہ حرکت نہ برکت۔ سوا کھانے اور سونے کے تیرا اور کوئی کام نہیں۔ اگر تو پیشاب کرتی ہے تو شر شر اور اگر پاخانہ پھرتی ہے تو کوئی تیری آب دست کرائے۔ یہ انتہا درجے کی سستی ہے اور گناہوں کی ابتدا۔ قصہ مختصر تجھ میں ایک بھی خوبی نہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہے اور

وہ بیٹھ گئی۔

بعد ازاں اس نے زرد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور اس نے پہلے خدا کی حمد و ثناء کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجا اور پھر گندمی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو سینتیس ویں رات

تین سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- زرد رنگ والی کنیز اٹھ کھڑی ہوئی اور خدا کی حمد و ثناء کرنے کے بعد گندمی رنگ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میری تعریف قرآن کریم میں آئی ہے۔ خدا نے میرے رنگ کی تعریف کی ہے اور اسے باقی تمام رنگوں پر فضیلت دی ہے۔ وہ قرآن میں کہتا ہے کہ "وہ زرد ہے بہت زیادہ زرد جسے دیکھ کر لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔" لہٰذا میرا رنگ قرآن کی آیت ہے۔ میرا حسن و جمال انتہائی' میرا رنگ' دینار کا رنگ' اور تاروں' چاندوں اور سیب کا رنگ ہے۔ میری شکل ملیح لوگوں کی شکل ہے۔ زعفران کا رنگ تمام رنگوں پر سبقت لے گیا ہے۔ میری شکل اور میرا رنگ عجیب و غریب ہے۔ میرا بدن نرم ہے' میں مہنگی ہوں اور تمام عمدہ عمدہ خوبیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ خالص سونے کی طرح میرا رنگ بھی کمیاب ہے۔ مجھ میں اور کتنی ہی خوبیاں ہیں۔ گندمی رنگ والی اب اپنی مذمت سن۔ تیرا رنگ بھینس کا رنگ ہے۔ تجھے دیکھ کر روحیں کانپ اٹھتی ہیں۔ اگر تیرا رنگ کسی چیز میں ہو تو لوگ اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ اگر کھانے میں ہو تو وہ زہر آلود ہے۔ تیرا رنگ مکھیوں کا رنگ ہے اور اگر کتے میں بھی ہو تو وہ عجیب سمجھا جاتا ہے اور وہ رنگوں کو گنڈمڈ کر دیتا ہے۔ یہ غم زدگی کی نشانی ہے۔ کبھی کسی نے یہ نہ سنا ہو گا کہ سونا یا موتی یا ہیرے گندمی رنگ کے ہوتے ہیں۔ جب تو پاخانے جاتی ہے تو تیرا رنگ بدل جاتا ہے۔ وہاں سے نکلتی ہے تو اور زیادہ بد صورت ہو جاتی ہے۔ تو نہ کالی ہے کہ پہچانی جائے۔ نہ گوری ہے کہ تیری تعریف کی جا سکے۔ نہ تجھ میں اور کوئی خوبی ہے۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہے اور وہ بیٹھ گئی۔

اب اس نے گندمی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بڑی حسین و جمیل تھی۔ اس کا قد و قامت

نہایت موزوں تھا اور کمال درجے کا آب و تاب والا۔ اس کا بدن گدگدا' بال کالے کالے اور رخسار گلاب کی طرح تھے' آنکھیں سرمئی' چہرہ ملیح' زبان فصیح' کمر پتلی اور کولہے بھاری' اس نے کہا' شکر ہے خدا کا جس نے مجھے نہ موٹا بھدا بنایا' نہ دبلا جھانکڑ سا' نہ کوڑھ سا سفید' نہ بیماری جیسا زرد اور نہ کوئلے سا کالا۔ بلکہ میرے رنگ پر عقل مند لوگ گرویدہ ہوتے ہیں اور شاعر ہزار زبان سے گندمی رنگ والوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کو سارے رنگوں پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ گندمی رنگ والے کی خو خصلت تعریف کے قابل ہوتی ہے۔ میں ملیح ہوں' میرا قد و قامت دل پسند' میرا رنگ بادشاہوں کو مرغوب ہے' ہر امیر و غریب اس پر عاشق ہے۔ میں نہایت ہلکی پھلکی نمکین اور نازو انداز والی ہوں۔ میرا بدن گدگدا ہے اور قیمت گراں' پھبن ہنر اور فصاحت مجھ میں کمال کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرا ناک نقشہ پیارا ہے۔ میری زبان شیریں' مزاج خوش اور اٹھنا بیٹھنا خوبصورتی کے ساتھ ہے اور تو' ملوخیہ کے پودے کی طرح ہے جو باب اللوق کے آس پاس اگتا ہے۔ زرد رنگ اور سوا جڑ کے کچھ نہیں۔ لعنت ہو تجھ پر اے قصاب کی ہانڈی' تانبے کے زنگ' الو کے چہرے اور زقوم کے پھل۔ جو تیرے ساتھ سوئے' اسے سانس نہ آئے بلکہ زندہ درگور ہو جائے۔ تیرا حصہ حسن میں بالکل نہیں۔ اس کے بعد اس کے آقا نے کہا بیٹھ جا اتنا کافی ہے۔ پھر اس کے بعد۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئے دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو اڑتیسویں رات

جب تین سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- پھر اس کے بعد اس کے آقا نے اس سے کہا کہ بیٹھ جا' اتنا کافی ہے اور سب میں صلح کرا دی۔ انہیں عمدہ عمدہ پوشاکیں پہننے کو دیں جن میں بحری اور بری جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ اے امیر المومنین میں نے کبھی کسی جگہ ان کنیزوں سے زیادہ خوبصورت کنیزیں نہ دیکھیں۔ مامون نے محمد بصری سے یہ کہانی سنی تو وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا اے محمد کیا تو جانتا ہے کہ یہ کنیزیں اور ان کا آقا کہاں رہتا ہے؟ اور کیا تو ان کے آقا سے ہمارے لئے خرید سکتا ہے؟ محمد نے کہا' اے امیر المومنین میں نے سنا ہے کہ آقا کو ان سے بڑا انس ہے اور ان کی جدائی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مامون نے کہا کہ ہر کنیز کے عوض اس کے مالک کو دس ہزار دینار دے' یہ کل ساٹھ ہزار دینار ہوتے ہیں۔ تو یہ رقم لے جا کر اس کے گھر جا اور انہیں خرید لا۔

محمد بصری دنیار لے کر اس کے پاس روانہ ہو گیا اور جب وہ کنیزوں کے آقا کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ امیر المومنین انہیں خریدنا چاہتا ہے اور یہ دام بھیجے ہیں۔ اس نے امیر المومنین کی خاطر انہیں بیچنا منظور کر لیا اور کنیزیں اس کے پاس بھجوا دیں۔ کنیزیں امیر لمومنین کے پاس پہنچیں تو اس نے ان کے لئے ایک نہایت نفیس مجلس آراستہ کی اور وہ اس کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوئیں۔ ان کے حسن و جمال اور مختلف رنگوں اور شیریں بیانی کو دیکھ کر خلیفہ دنگ رہ گیا۔ جب ایک مدت گزر گئی اور ان کے پہلے مالک سے' جس نے انہیں بیچا تھا ان کی جدائی برداشت نہ ہو سکی تو اس نے امیر المومنین مامون کو ایک خط لکھا اس میں اس محبت کا ذکر کیا جو اسے ان سے تھی۔ یہ خط خلیفہ مامون کے پاس آیا تو اس نے کنیزوں کو عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنائیں اور انہیں ساٹھ ہزار دینار دے کر ان کے مالک کے پاس بھیج دیا۔ کنیزیں اس کے پاس

پہنچیں تو دیناروں سے زیادہ اسے ان سے ملنے کی خوشی ہوئی اور وہ ان کے ساتھ نہایت مزے کی زندگی بسر کرنے لگا یہاں تک کہ تمام عشیوں کو کر کرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی

- ہارون الرشید اور ابونواس کی کہانی

ایک رات امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کا دل بہت گھبرانے لگا۔ کسی طرح اسے چین نہ آتا تھا۔ آخر اٹھ کر ٹہلنا شروع کیا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک حجرے کے پاس پہنچا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب اس نے پردہ اٹھایا تو حجرے کے صدر میں اسے ایک تخت دکھائی دیا۔ تخت پر کوئی کالی سی چیز پڑی ہوئی تھی جیسے کوئی کالا آدمی سو رہا ہو۔ اس کے داہنی طرف ایک شمع جل رہی تھی اور ایک اس کے بائیں جانب۔ اسے یہ دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر ایک صراحی پر پڑی جس میں پرانی شراب بھری ہوئی تھی اور جس کے اوپر پیالہ رکھا ہوا تھا۔

خلیفہ کی حیرت اور بڑھ گئی' دل میں کہنے لگا کہ اس حبشی کے پاس یہ چیزیں! آگے بڑھ کر تخت کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک لڑکی اپنے بالوں سے چھپی ہوئی سو رہی ہے۔ اس کا چہرہ کھولا تو چودھویں رات کا چاند۔ خلیفہ نے پیالہ شراب سے بھرا اور لڑکی کے گلابی رخساروں کے نام پر چڑھا گیا۔ پھر جھک کر اس نشان کو بوسہ دیا جو اس کے چہرے پر تھا۔ وہ جاگ اٹھی اور کہنے لگی "اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟" ہارون الرشید نے جواب دیا "تمہارے ہاں ایک مہمان ایا ہے تا کہ تم صبح تک اس کی میزبانی کرو۔" لڑکی نے کہا "بسر و چشم" اور اس نے شراب پیش کی۔ دونوں نے پی۔ اس کے بعد اس نے سارنگی لے کر تار ملائے اور اکیس مختلف راگ بجائے۔ گانے بجانے سے فارغ ہو کر وہ بولی: امیر المومنین میں مظلوم ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ◯ ○

- ## تین سو انتالیس ویں رات

جب تین سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی بولی' اے امیر المومنین! میں مظلوم ہوں اس نے پوچھا کیونکر' کس نے تجھ پر ظلم کیا

ہے؟ لڑکی نے جواب دیا تیرے بیٹے نے مجھے مدت ہوئی دس ہزار دینار میں خریدا تھا اس کی خواہش تھی کہ مجھے تیری نذر کرے لیکن تیری چچیری بہن نے میری قیمت اسے ادا کر دی اور مجھے اس کمرے میں بند کرا دیا تا کہ میں تجھ سے پوشیدہ رہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتی ہوں کہ تو کل رات میرے پاس آ۔ خلیفہ انشاء اللہ کہہ کر اس کے پاس سے چلا گیا۔

دوسرے دن صبح کو اس نے ابو نواس کے پاس قاصد بھیجا لیکن جب وہ اسے نہ ملا تو خلیفہ نے اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کا پتہ لگائے۔ جب حاجب نے دیکھا کہ وہ ایک مے خانے میں ایک ہزار درہم میں گرو ہے۔ یہ درہم اس نے ایک لونڈے پر صرف کئے تھے۔ حاجب نے حال دریافت کیا تو اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے ایک حسین لونڈنے کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس کی وجہ سے اس نے ایک ہزار درہم خرچ کئے تھے۔ حاجب نے کہا کہ مجھے دکھا کہ وہ کون ہے اگر وہ اس قابل ہے تو' تو معذور سمجھا جائے گا۔ اس نے جواب دیا' ٹھہر' جا تو ابھی اسے دیکھ لے گا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ لڑکا آ پہنچا۔

جب وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہے۔ سفید کے نیچے سرخ اور سرخ کے نیچے سیاہ۔ ابو نواس کی نظر اس پر پڑی تو وہ آہیں بھرنے لگا۔ اس کے بعد لڑکے نے سفید لباس اتار دیا اور سرخ رہنے دیا۔ یہ دیکھ کر ابو نواس کی طبیعت اور زیادہ بکھر گئی اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ پھر اس نے سرخ لباس بھی اتار ڈالا اور سیاہ رہنے دیا۔ اب ابو نواس کے دل کی حالت کا کیا پوچھنا

تھا۔ حاجب نے ابو نواس کے عشق کا یہ رنگ دیکھا تو خلیفہ سے جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ نے ایک ہزار درہم منگوا کر حاجب صاحب سے کہا کہ انہیں لے جاؤ' ابونواس کو دے اور اسے گرو سے چھڑا لا۔ حاجب ابونواس کے پاس گیا اور اسے چھڑا کر خلیفہ کے پاس لے آیا۔ جب وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا کہ ایک نظم کہ جس میں یہ مصرع ہو: "اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟" اس نے کہا بسر و چشم یا امیر المومنین! -------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تین سو چالیسویں رات

تین سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابونواس نے بسر و چشم کہہ کر یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے' "جاگتے جاگتے میری رات کالی ہونے

لگی میں تھک گیا اور تفکرات زیادہ ہو گئے۔ کبھی میں اپنے محل میں ٹہلتا' کبھی حرم سراؤں میں' یہاں تک کہ میری نظر ایک کالی چیز پر پڑی مگر وہ ایک گوری لڑکی تھی جو بالوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پہلے میں نے ایک پیالہ شراب کا پیا پھر اس کے پاس جا کر اس کے چہرے پر جو نشان تھا اسے بوسہ دیا اور وہ جاگ پڑی اور کہنے لگی اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا کہ رات کے وقت تمہارے ہاں ایک مہمان آیا ہے اور چاہتا ہے کہ تم صبح تک تک اسے پناہ دو۔ وہ بخوشی راضی ہو گئی اور کہنے لگی اے میرے آقا تیری مہمانی سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے کہا' خدا تیرا برا کرے! گویا تو ہمارے ساتھ تھا۔

اب خلیفہ اسے لے کر لڑکی کے پاس گیا۔ ابونواس نے دیکھا کہ اس کی پوشاک اور نقاب دونوں پیلے رنگ کی ہیں۔ حیران ہو گیا اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ اشعار کا سلسلہ ختم ہوا تو لڑکی نے خلیفہ کے سامنے شراب پیش کی اور خود عود لے کر گانے بجانے لگی۔ اس کے بعد امیر المومنین نے حکم دیا کہ ابونواس کو اتنی زیادہ پلائی جائے کہ وہ اپنے ہوش میں نہ رہے اور خلیفہ نے خود اسے ایک جام دیا۔ اس نے ایک گھونٹ پیا اور پیالہ ہاتھ میں لئے کا لئے رہ گیا۔ اب خلیفہ نے لڑکی سے کہا کہ اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر اسے چھپا دے۔ لڑکی نے پیالہ لے کر اپنی رانوں کے درمیان چھپا لیا اور خلیفہ نے ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور ابونواس کے پاس کھڑے ہو کر اسے تلوار سے چھیڑنے لگا۔ اس کی آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ خلیفہ ننگی تلوار لئے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ خلیفہ بولا ایک نظم سنا جس میں

تیرے پیالے کا ذکر ہو‘ ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس نے فی البدیہہ کہا: ”میرا قصہ بھی عجیب و غریب قصہ ہے اور یہی غزال چور ہے۔ اس نے میری شراب کا پیالہ لے کر ایسی جگہ چھپا لیا ہے جس کے خیال سے میرا دل دھک دھک کرتا ہے۔ ڈر کے مارے میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا وہ جگہ خلیفہ کا حصہ ہے۔“ امیر المومنین نے کہا کہ تجھ پر خدا کی مار! تجھے یہ باتیں کیونکر معلوم ہوئیں‘ لیکن جو کچھ تو نے کہا میں مانتا ہوں اور اس نے ابونواس کو ایک خلعت اور ایک ہزار دینار عطا کئے اور خوش خوش چلتا ہوا۔

○ کتے اور اس کے سونے کے تشتے کی کہانی

سنا ہے کہ ایک شخص بہت زیادہ مقروض ہو گیا تھا اور اس کی پریشانیاں برابر بڑھتی جاتی تھیں۔ آخر وہ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر دیوانہ وار نکل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے مدت کے بعد ایک شہر میں پہنچا جس کی شہر پناہ بلند اور عمارتیں عالی شان تھیں۔ سفر کی ماندگی‘ برا احوال‘ بھوک کی شدت‘ انجان شہر‘ بے چارہ سڑک پر‘ ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس نے دیکھا‘ کچھ بڑے بڑے آدمی کہیں جا رہے ہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ یہاں تک کہ ایک محل میں داخل ہوئے۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہی محل ہے۔ وہ بھی ان کے پیچھے لگا ہوا اندر پہنچ گیا۔ اندر جا کر وہ سب ایک شخص کے پاس پہنچے جو صدر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے ہیبت اور جلالت ٹپک رہی تھی اور گرد و پیش غلام اور نوکر چاکر کھڑے تھے۔ اس کی وضع بتا رہی تھی کہ کوئی وزیر زادہ ہے۔ جب ان کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو وہ اٹھ کر ان کے پاس آیا اور بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ مسافر یہ حالت دیکھ کر گھبرایا‘ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- تین سو اکتالیسویں رات

جب تین سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- وہ شخص عالی شان مکان' غلاموں اور نوکروں چاکروں کو دیکھ کر گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر ٹھٹھک گیا۔ اجنبیت اور جان کے ڈر سے پیچھے ہٹ کر دور ایک جگہ اکیلا جا بیٹھا جہاں اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص چار شکاری کتے لے کر آیا جو ریشم اور کمخواب کی جھولیں پہنے ہوئے تھے' سونے کے پٹے ان کے گلوں میں اور چاندی کی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہر کتے کو الگ الگ باندھا۔ خود وہاں سے چلتا ہوا۔ تھوڑی دیر میں چاندی سونے کے تشت لایا جس میں عمدہ عمدہ کھانے تھے اور ہر کتے کے سامنے ایک ایک تشت رکھ دیا اور پھر انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ شخص بھوک کے مارے للچائی نظروں سے کھانے کی طرف دیکھتا اور چاہتا کہ کسی کتے کی طرف بڑھ کر اس کے ساتھ کھانے لگے مگر مارے ڈر کے رک جاتا۔ کتوں میں سے ایک نے اس کی طرف دیکھا' خدا نے اس کی حالت سے اس کتے کو آگاہ کر دیا۔ وہ رک گیا۔ اس شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ جب وہ جانے لگا تو کتے نے اشاروں میں کہا کہ تشت اور جو کھانا اس میں باقی ہے' اپنے ساتھ لیتا جا اور اپنے پنجوں سے تشت اس کی طرف سر کا دیا۔ وہ شخص اسے لے کر وہاں سے چل دیا اور کسی نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ لیکن اس نے اس شہر کو چھوڑ دیا اور دوسرے شہر میں چلا گیا اور تشت کو بیچ کر اس کے داموں سے سودا گری کا مال خریدا' مال لے کر اپنے وطن پہنچا اور اسے بیچ کر اپنا قرضہ ادا کیا۔ خوب کھایا پیا اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ اس کے مال میں بڑی برکت ہوئی' ایک مدت تک اپنے وطن میں رہنے کے بعد اس نے اپنے دل میں کہا کہ تشت والے کے شہر میں چلنا چاہیے۔ ایک عمدہ تحفہ جو اس کے قابل ہو لے جاؤں اور اسے اس تشت

کی قیمت بھی ادا کر دوں جو اس کے ایک کتے نے مجھے بخشا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سوغات لی جو اس کے قابل سمجھی اور تشت کی قیمت گرہ میں باندھ کر چل کھڑا ہوا۔

دن رات سفر کرتے کرتے وہ اس منزل مقصود پر جا پہنچا۔ اور اس مکان کو تلاش کرنے لگا تا کہ کتے کے مالک سے ملے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالاخر وہ اس جگہ آیا جہاں وہ محل تھا لیکن کیا دیکھتا ہے کہ محل کی جگہ ایک پرانا کھنڈر ہے جہاں کوئے کائیں کائیں کر رہے ہیں۔ نہ مکان کا پتہ نہ ہے مکین کا۔ احوال دگرگوں ہے اور حالت بھیانک۔ یہ دیکھ کر اس کا دل کانپ اٹھا۔

جب اس شخص نے ان پرانے کھنڈروں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ روز گار نے ان پر ظاہراً کیا مصیبت ڈھائی ہے اور قیمتی چیزوں کا محض نام و نشان باقی رہ گیا ہے تو اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اب اس نے اس اجڑی ہوئی بستی پر جو نگاہ ڈالی تو اسے ایک مسکین دکھائی دیا جس کی حالت دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے اور پتھر روتے تھے۔ اس سے پوچھا کہ بتا تو سہی زمانے نے اس مکان کے مالک کے ساتھ کیا کیا اور اس کے خوبصورت چاندوں اور چمکتے ہوئے تاروں کو کیا ہو گیا۔ عورت پر کیا آفت آئی کہ چار دیواری کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا؟ میں نے جواب دیا کہ وہ یہی غریب ہے جسے تو دیکھ رہا ہے اور جو اپنی مصیبت پر آہ و بکا کر رہا ہے۔ تجھے معلوم نہیں اس حدیث میں "خدا نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے کہ وہ جس چیز کو اس دنیا میں بلند کرتا ہے اسے گرا کر چھوڑتا ہے۔" عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی پیروی کریں اور نصیحت ہے ان کے لئے جو اس سے ہدایت پکڑیں۔ مجھ سے ان باتوں کا سبب دریافت نہ کر۔ زمانے کے انقلاب کے آگے کوئی خوبصورت چاندوں' عالی شان اور بے بہا تحفوں' حسین کنیزوں کا مالک۔ لیکن زمانے نے پلٹا کھایا۔ نوکروں اور مال و دولت کا خاتمہ کر دیا' مجھے شکستہ حال بنا دیا اور وہ بلائیں جو اس کے پاس چھپی ہوئی رکھی تھیں' میرے اوپر لا توڑیں۔ تو جو یہ سوال کرتا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو گی۔ وہ وجہ مجھے بتا اور تعجب کو جانے دے۔

اس پر اس شخص نے سارا واقعہ سنایا اور بے حد رنج و الم کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ میں تیرے لئے ایسا ہدیہ لایا ہوں جسے سب لوگ پسند کریں گے اور اشرفیاں تیرے تشت کی قیمت جو میں لے گیا تھا کیونکہ وہی سبب ہے غربت کے بعد میری امارت کا' میرے ویران گھر کے آباد اور میری تکلیفوں اور تنگ دستی کے دور ہونے کا۔

وہ اپنی کہانی کہہ چکا تو اس نے اپنا سر ہلایا' رونے پیٹنے اور فریاد کرنے لگا اور بولا' اے شخص میرے خیال میں تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ ایسی باتیں کوئی سمجھ دار آدمی تو کرتا نہیں۔ میرا کتا تجھے ایک سونے کا تشت کس طرح دے سکتا ہے اور اگر دیا ہے تو یہ عجیب بات ہو گی کہ میں اپنے کتے کے دیئے کو واپس لے لوں۔ میں کتنی ہی تکلیف اور مصیبت میں کیوں نہ ہوں تیری کسی چیز کو ہاتھ لگانا مجھ پر حرام ہے۔

لہٰذا جہاں سے تو آیا ہے صحیح و سلامت واپس جا۔ یہ سن کر اس شخص نے اس کے قدم چومے اور اس کی تعریف کرتا ہوا چل دیا اور رخصت کے وقت یہ شعر پڑھا۔ انسان اور کتے سب کے سب چلتے بنے' ان انسانوں اور کتوں کو میرا سلام پہنچے! واللہ اعلم۔

○ اسکندریہ کے والی اور چور کی کہانی

کہتے ہیں' اسنکدریہ کے نواح میں ایک والی تھا جس کا نام حسام الدین تھا۔ ایک دن وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس ایک لشکری آ کر کہنے لگا کہ اے میرے مولیٰ والی میں رات اس شہر میں پہنچا اور فلاں سرائے میں اترا ہوں' تہائی رات تک سونے کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری خرجی کٹی ہوئی ہے۔ اس میں سے ایک ہزار دینار کا توڑا غائب ہے۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ والی نے اپنے سرداروں کو بلا کر حکم دیا کہ تمام سرائے والوں کو حاضر کر کے انہیں صبح تک قید خانے میں بند کر دیا جائے۔ صبح ہوئی تو اس نے سزا دینے

کے آلات منگوائے اور تمام لوگوں کو اس لشکری کے سامنے بلوایا جس کے دینار چوری کئے گئے تھے اور چاہتا تھا کہ انہیں سزا دے۔ اتنے میں ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا ہوا پہنچا اور والی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو بیالیسویں رات

جب تین سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشا! والی سزا دینے ہی والا تھا کہ ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا ہوا پہنچا۔ والی اور لشکری کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا امیر ان تمام آدمیوں کو چھوڑ دے' یہ بے گناہ ہیں۔ اس لشکری کا مال چرانے والا میں ہوں اور دیکھ یہ اس کی تھیلی ہے جو میں نے اس کی خرجی سے چرائی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین میں سے تھیلی نکالی اور والی اور لشکری کے آگے رکھ دی۔ والی نے لشکری سے کہا' اپنا مال لے اور اپنے پاس رکھ۔ اب ان لوگوں کے خلاف تیرا کوئی دعویٰ نہیں رہا۔ تمام سرائے والے اور سب حاضرین اس شخص کی تعریف کرنے اور اسے دعا دینے لگے۔ اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ اے امیر استادی اس میں نہیں ہے کہ میں‌نے خود آ کر یہ تھیلی پیش کر دی بلکہ کمال اس میں ہے کہ میں دوبارہ اس لشکری کے پاس سے اڑا لوں گا۔ والی نے کہا کہ استاد تو کس طرح یہ تھیلی چرا کر لے گیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیر میں ایک دن قاہرہ میں صرافوں کے بازار میں کھڑا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ اس لشکری نے یہ اشرفیاں لے کر اس تھیلی میں رکھ لیں۔ میں گلی گلی اس کے پیچھے لگا رہا لیکن اشرفیاں چرانے کی کوئی ترکیب نظر نہ آئی۔ اس کے بعد وہ قاہرہ سے روانہ ہو گیا اور میں شہر شہر اس کا پیچھا کرتا اور تدبیر سوچتا رہا تا کہ راہ میں اس کی تھیلی اڑا لوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ جب وہ اس شہر میں داخل ہوا تو میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس سرائے میں اترا۔ میں بھی اس کے پڑوس میں اتر پڑا۔ اور انتظار کرتا رہا۔ جب وہ سو گیا اور میں نے سنا کہ وہ خراٹے لے رہا ہے تو میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا اور اس چھری سے اس کی خرجی کاٹی اور دیکھ اس طرح تھیلی لے لی۔ یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور والی اور لشکری کے آگے سے وہ تھیلی اٹھا لی۔ والی پیچھے

ہٹ گیا اور لشکری اور تماش بین دیکھنے لگے کہ اب وہ دکھائے گا کہ اس نے کس طرح خرجی میں سے تھیلی نکالی۔ لیکن وہ شخص تھیلی لے کر بھاگا اور ایک تالاب میں

کود پڑا۔

والی نے اپنے نوکروں سے چلا کر کہا کہ دوڑو پکڑو لیکن وہ ابھی اپنے کپڑے اتار کر سیڑھیوں تک بھی نہ پہنچے تھے کہ چور چلتا بنا۔ لاکھ تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسکندریہ کے تمام گلی کوچے ایک دوسرے میں جھانکتے ہیں۔ چور ہاتھ نہ آیا تو لوگ لوٹ آئے اور والی نے لشکری سے کہا کہ تیرا لوگوں پر کوئی دعویٰ نہیں۔ تجھے معلوم ہو گیا کہ چور کون ہے اور تجھے تیرا مال مل گیا تو نے اس کی حفاظت نہ کی۔ لشکری ناچار واپس لوٹ آیا۔ اس کا مال تو جا ہی چکا تھا اور والی کے ہاتھ سب لوگ بچ گئے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔

○ ملک ناصر اور تین والیوں کی کہانی

کہا جاتا ہے کہ ایک بار ملک ناصر نے قاہرہ' بولاق اور فسطاط کے تینوں والیوں کو بلایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک وہ عجیب ترین واقعہ بیان کرے جو اسے اپنی ولایت کے زمانے میں پیش آیا ہے ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

تین سو تینتالیسویں رات

جب تین سو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- ملک ناصر نے تینوں والیوں سے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک اپنی اپنی ولایت کے زمانے کا عجیب ترین واقعہ بیان کرے۔ پہلے قاہرہ کے والی نے بیان کرنا شروع کیا۔

اے میرے موٰلی سلطان سن' عجیب ترین واقعہ جو میری ولایت کے زمانے میں میرے ساتھ پیش آیا ------- یہ ہے کہ اس شہر میں دو عادل گواہ تھے جن کی گواہی قتل و خون کے معاملات میں بھی مانی جاتی تھی۔ ساتھ ہی وہ دونوں رنڈی بازی' شراب خوری اور حرام کاری کے بھی بڑے شوقین تھے۔ باوجود جاننے کے میں ان کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کو سزا دینے کے لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ عاجز آ گیا تو میں نے بھٹی والوں' نقل و میوہ اور شمع فروشوں اور رنڈی خانوں کے مالکوں کو یہ تنبیہہ کر دی کہ جب کبھی یہ دونوں شخص کسی جگہ شراب خواری یا رنڈی بازی کرتے ہوں' ساتھ یا الگ الگ اور اکیلے یاد کے لئے ان سے وہ چیزیں خریدیں جو شراب نوشی کے وقت استعمال کی جاتی ہیں تو فوراً آ کر مجھے خبر کر دیں اور ان کی حرکات پر پردہ نہ ڈالیں۔ چنانچہ ایک رات کا ذکر ہے ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے موٰلی اس وقت وہ دونوں گواہ فلاں جگہ فلاں کوچے میں فلاں مکان کے اندر سخت بدکرداری میں مشغول ہیں۔

میں نے اور میرے غلام نے اٹھ کر بھیس بدلا اور بغیر کسی اور کو ساتھ لئے ہم چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ہم وہاں جا پہنچے اور دستک دی۔ ایک کنیز نے آ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں بغیر جواب دیئے اندر داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ دونوں گواہ اور گھر کا مالک بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ رنڈیاں اور بہت سی شراب ہے۔ میری صورت کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی تعظیم سے مجھے صدر مقام پر بٹھایا اور

بولے' اے محترم مہمان اور نیک ندیم! خوش آمدی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرا بالکل ڈر نہیں۔ اب مکان کا مالک اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تین سو دینار لے کر لوٹا اور بے دھڑک مجھ سے کہنے لگا کہ اے ہمارے مولیٰ والی تو بے عزتی سے زیادہ ہماری ذلت کر سکتا ہے۔ ہمیں سزا دینا تیرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن تجھے اس سے پریشانی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ بہتر ہے کہ یہ دینار لے اور ہماری پردہ پوشی کر کیونکہ خدا کا نام ستار بھی ہے اور وہ انہیں بندوں سے محبت کرتا ہے جو پردہ پوش ہوں۔ اس میں تجھے ثواب ملے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں یہ مال لے لوں اور اور اس دفعہ ان کی پردہ پوشی کروں۔ اگر دوسری بار پھر انہیں پکڑا تو سزا دے دوں گا' دیناروں کا لالچ بھی آ گیا غرض کہ دینار میں نے لے لئے' وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

دوسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ قاضی کا پیادہ چلا آتا ہے۔ مجھ سے کہنے لگا کہ اے والی! قاضی کے پاس تشریف لے چل۔ اس نے تجھے بلایا ہے۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ قاضی کے ہاں پہنچا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے میں قاضی کے پاس پہنچا تو وہاں دونوں گواہ بھی موجود تھے اور وہ گھر والا بھی جس نے مجھے تین سو دینار کی تھیلی دی تھی۔ اب گھر والے نے اٹھ کر مجھ پر تین سو دینار کا دعویٰ کیا اور مجھے انکار کرتے نہ بن پڑا۔ اس کے بعد اس نے دستاویز نکالی۔ دونوں عادل گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے تین سو دینار مجھ پر آتے ہیں اور انہوں نے اس وقت تک مجھے نہ چھوڑا جب تک مجھ سے تین سو دینار نہ لے لئے۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے ٹھان لی کہ ان سے سمجھوں گا۔ میں پچھتاتا تھا کہ میں نے انہیں سزا کیوں نہ دی اور پشیمان ہو کر وہاں سے روانہ ہوا۔ یہ ہے عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی والایت کے زمانے میں پیش آیا۔

اس کے بعد بولاق کا والی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے ہمارے مولیٰ سلطان میری ولایت کے زمانے میں جو عجیب ترین واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ یہ ہے کہ ایک بار مجھ پر

پورے تین لاکھ دینار قرض ہو گئے۔ مجھے بڑی پریشانی تھی۔ میں نے اپنی ساری ملکیت اور مال و متاع بیچ ڈالا لیکن ایک لاکھ دینار سے زیادہ ہاتھ نہ لگا اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو چوالیسویں رات

جب تین سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بولاق کے والی نے کہا کہ میں نے سب کچھ رکھا رکھایا بیچ کر فقط ایک لاکھ دینار جمع کئے۔ ایک رات اسی خیال میں غلطاں و پیچاں تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے غلام سے کہا کہ دیکھ دروازے پر کون ہے۔ غلام باہر جا کر لوٹا تو اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' چہرہ اتر ہوا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تجھ پر کیا بلا نازل ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ دروازے پر ایک شخص جو ایک کھال کے سوا اور کچھ پہنے ہوئے نہیں۔ اس نے ہاتھ میں تلوار' کمر سے خنجر لگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح کے اور کئی شخص ہیں۔ وہ تجھے بلاتا ہے۔ میں تلوار لے کر نکلا' دیکھوں کے وہ کون لوگ ہیں۔ میں نے ان کو ویسا ہی پایا جیسا کہ غلام نے کہا تھا۔ ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟

وہ بولے ہم ڈاکو ہیں۔ آج رات ہمیں بڑی غنیمت ہاتھ لگی ہے اور ہم اسے تیری نذر کرتے ہیں تا کہ تیری پریشان خاطری دور ہو جائے اور تو اپنا قرضہ ادا کر دے۔ میں نے پوچھا کہ وہ غنیمت کا مال کہاں ہے؟ انہوں نے میرے سامنے ایک صندوق رکھ دیا جس میں سونے اور چاندی کے برتن بھرے ہوئے تھے۔ میں خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس میں اپنا قرضہ بھی ادا کر سکوں گا اور اتنا ہی اور میرے لئے بچ بھی رہے گا۔ اب میں صندوق کو مکان کے اندر لے گیا اور دل میں سوچا کہ انہیں خالی ہاتھ جانے دینا مروت سے بعید ہے۔ چنانچہ میں نے وہ ایک لاکھ دینار لے جا کر انہیں دے دیئے جو میرے تھے اور ان کی نیکی کا شکر گزار ہوا۔ وہ لوگ دینار لے کر رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ صندوق میں محض تانبے اور ٹین کی چیزیں ہیں جن پر سونا چڑھا ہوا ہے۔ اور سب ملا کر پانسو درہم

سے زیادہ کی مالیت نہیں۔ سخت غصہ آیا اور بہت رنج ہوا کہ جو دینار میرے تھے' وہ بھی ہاتھ سے گئے۔ یہ ہے عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی ولایت میں پیش آیا۔

اب فسطاط کا والی کھڑا ہوا اور کہنے لگا' اے میرے مولی سلطان میرے ساتھ جو عجیب و غریب واقعہ میری ولایت میں کے زمانے میں پیش آیا یہ ہے کہ میں نے ایک بار دس ڈاکوؤں کو پھانسی دی اور انہیں علیحدہ علیحدہ تختوں پر لٹکا کر پہرے داروں کو حکم دیا کہ ہوشیار رہیں' کوئی شخص ان میں سے کسی کو لے نہ جائے۔ دوسرے دن علی الصباح میں ادھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو مجرم ایک ہی تختے پر لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے پہرے داروں سے پوچھا کہ یہ کس نے کیا اور دوسرا تختہ کیا ہوا جس پر دوسرا مجرم لٹکا ہوا تھا؟ انہوں نے اپنی لا علمی ظاہر کی۔ جب میں نے انہیں مارنے کی ٹھانی تو انہوں نے کہا اے امیر' کل ہمیں نیند آ گئی تھی۔ آنکھ کھلی تو ہم نے دیکھا کہ ایک مجرم اور اس کے تختے کو کوئی چرا کر لے گیا ہے۔ ہمیں تیری طرف سے بڑا ڈر لگا۔ اسی وقت ایک کسان آتا ہوا دکھائی دیا۔ جس کے ساتھ ایک گدھا تھا۔ ہم نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس تختے پر بجائے اس لاش کے' لٹکا دیا جو چوری کی گئی تھی۔

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا کہ کسان کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایک خرجی جو گدھے پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا اس کے اندر کیا ہے؟ وہ بولے ہمیں معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ لائے تو میں نے اسے کھلوایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے اندر ایک لاش ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اپنے دل میں کہنے لگا' سبحان اللہ کسان کی پھانسی کا سبب اسی مقتول کا خون تھا اور خدا کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا۔

- صراف اور چور کی کہانی

سنا ہے کہ ایک بار کوئی صراف اشرفیوں کا توڑا لئے چوروں کے پاس سے گزرا۔ ان میں سے ایک چور نے کہا' میں اس توڑے کو چرا سکتا ہوں۔ دوسرے نے پوچھا کیونکر؟ اس نے جواب دیا دیکھ لینا۔ یہ کہہ کر وہ صراف کے پیچھے پیچھے اس کے گھر تک گیا۔ صراف نے اندر پہنچ کر تھیلی کو الماری میں پھینک دیا۔ اسے زور کا پیشاب لگا ہوا تھا۔ بے تحاشہ پا خانے میں گھس گیا اور کنیز سے کہا کہ لوٹے میں پانی لائے۔ کنیز لوٹا لے کر اس کے پیچھے پیچھے پہنچی' دروازے کے کواڑ کھلے تھے۔ چور اندر آیا اور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو پینتالیسویں رات

جب تین سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ چور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور صراف اور کنیز کا سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ واللہ جو کچھ تو نے کیا' بڑی استادی کا کام ہے۔ ہر ایک ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن پا خانے سے نکل کر صراف نے تھیلی کو نہ پایا ہو گا تو غریب کنیز کی کم بختی آ گئی ہو گی' اس لئے تھیلی اڑانے کے سوا تو نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر تیرا شکریہ ادا کیا جا سکے۔ اگر تو استاد ہے تو کنیز کو مار پیٹ سے نجات دے۔

اس نے کہا انشاء اللہ میں کنیز اور تھیلی دونوں کو بچا لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چور صراف کے گھر پہنچا دیکھا کہ واقعی تھیلی کی وجہ سے وہ کنیز کو مار رہا ہے۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ صراف نے پوچھا' کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں قیسریہ' تیرے پڑوسی کا غلام ہوں۔ صراف نے باہر آ کر پوچھا' کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے آقا نے تجھے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ تو ایسا سترا بہترا کیوں ہو گیا ہے کہ اتنی قیمتی تھیلی دکان کے دروازے پر چھوڑ کر چلا آیا۔ اگر کسی غیر شخص کی نظر پڑ جاتی تو وہ لے کر چمپت ہو جاتا۔ اگر میرا آقا اسے نہ دیکھتا اور حفاظت سے نہ رکھتا تو وہ تیرے ہاتھ سے جا چکی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے تھیلی نکالی۔ صراف نے اسے دیکھا تو کہنے لگا' واقعی یہ میری ہی تھیلی ہے اور اسے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ چور نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ دوں گا جب تک کہ تو میرے آقا کو اس کی رسید نہ لکھ دے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تو نے رسید لکھ کر مہر نہ لگائی تو اسے یقین نہ آئے گا کہ تھیلی تجھے وصول ہو چکی ہے۔ صراف مکان کے اندر گیا کہ تھیلی کی رسید لکھ لائے۔ چور اب کیوں ٹھہرتا' وہ تھیلی لے کر چلتا ہوا اور کنیز پٹنے سے بچ گئی۔

قوص کے والی اور چور کی کہانی

قوص کا والی علاؤ الدین ایک رات اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خوبصورت اور اور خوش قامت شخص نوکر کے سر پر ایک صندوق رکھے ایا اور دروازے پر ٹھہر کر والی کے ایک غلام سے کہا' اندر جا کر امیر سے کہہ کہ میں اس سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ غلام نے اندر جا کر پیغام پہنچا دیا اور اس نے اندرآنے کی اجازت دے دی۔ والی نے دیکھا کہ وہ بلند و بالا اور خوبصورت وجیہہ آدمی ہے اسے اپنے پاس بٹھایا' اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور پوچھا کہ تیری کیا حاجت ہے؟ اس شخص نے جواب دیا' میں ایک ڈاکو ہوں اور چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ پر توبہ کر کے پھر خدا کی طرف رجوع کروں۔ میری درخواست منظور کر اور مجھے سیدھے راستے پر لگا۔ میں اس وقت تیری آنکھوں کے سامنے ہوں۔ میرے پاس ایک صندوق ہے جس میں تقریباً چالیس ہزار دینار کا سامان ہے جس کا مستحق سب سے زیادہ تو ہے۔ اسے لے کر تو اپنی حلال کمائی میں سے مجھے ایک ہزار دینار دے تا کہ میں تجارت کروں۔ توبہ توڑنے سے بچ جاؤں او مجھے حرام کی کمائی کی ضرورت نہ پڑے۔ خدا تجھے اس کا ثواب دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے صندوق کھولا اور والی کو دکھایا کہ اس میں زیور' ہیرے جواہرات اور موتی ہیں۔ والی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بہت خوش ہوا اور خزانچی کو بلا کر کہا۔ اے فلاں! توڑا لے آ جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو چھیالیسویں رات

تین سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- والی نے خزانچی کو بلا کر کہا کہ فلاں توڑا لے آ جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ جب خزانچی وہ توڑا لایا تو والی نے اس شخص کے حوالے کیا۔ اس نے اسے لے لیا اور والی کا شکریہ ادا کیا اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ صبح ہوئی تو والی نے سناروں کے چودھری کو بلوایا۔ صندوق کھولا' زیور' جواہرات' سونا اور موتی جو جو اس کے اندر تھا نکال کر دکھایا۔ سنار نے ایک ہی نظر میں پرکھ لیا اور کہا کہ یہ ساری چیزیں ٹین اور پیتل کی ہیں۔ جواہرات اور موتی کانچ کے۔ والی کو بڑا صدمہ ہوا۔ لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑایا لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہ لگا۔

- ## ابراہیم بن مہدی او سوداگر زادی کی کہانی

ایک بار امیر المومنین مامون نے ابراہیم بن مہدی سے کہا جو سب سے زیادہ عجیب و غریب ماجرا تیرے ساتھ پیش آیا ہو' اسے بیان کر۔ وہ کہنے لگا اے امیر المومنین سن' ایک روز کا ذکر ہے کہ میں سیر کرنے نکلا اور چلتے چلتے ایک جگہ پہنچا جہاں کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ اے امیر المومنین میرا جی للچانے لگا اور میں ٹھہر گیا لیکن حیران تھا آگے بڑھتا تو کھانوں کا لالچ دامن پکڑتا اور اندر داخل ہونے کی بھی ہمت نہ تھی۔ اسی خیال میں ٹھٹھکتے بڑھتے آنکھ جو اوپر اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جھروکے کے پاس ہوں اور اس کے پیچھے کسی کی ایسی خوبصورت ہتھیلی اور کلائی دکھائی دے رہی ہے جس سے زیادہ خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میرے حواس اڑ گئے اور کھانوں کی خوشبو

کا خیال میرے دماغ سے اتر گیا۔ میں سوچنے لگا کہ کسی نہ کسی ترکیب سے وہاں پہنچنا چاہیے۔ میں نے دیکھا کہ قریب ہی ایک درزی ہے۔ اس کے پاس جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا' یہ کس کا مکان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک سوداگر کا۔ میں نے پوچھا' اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہاں فلاں ابن فلاں اور سوداگروں کے سوا اور کسی سے میل جول نہیں رکھتا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ دو شریف اور وضع دار شخص گھوڑوں پر سوار وہاں پہنچے۔ درزی نے مجھ سے کہا کہ یہ اس کے بڑے گہرے دوست ہیں۔ ان کے یہ نام ہیں۔ میں گھوڑے کو ایڑ دے کر ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ بڑا انتظار کرایا فلاں شخص تو دیر سے تمہارا راستہ دیکھ رہا ہے اور ان کے ساتھ روانہ ہو کر مکان کے دروازے پر پہنچا اور وہ دونوں شخص اندر گئے۔ جب گھر والے نے مجھے ان کے ساتھ دیکھا تو اسے یقین ہوا کہ میں ان کا دوست ہوں۔ اس نے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے بلند ترین جگہ پر بٹھایا۔ اس کے بعد دستر خوان بچھایا گیا۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا نے کھانے کا مقصد تو پورا کر دیا لیکن ہتھیلی اور کلائی ابھی باقی ہیں۔

اب ہم اٹھ کر ایک دوسری جگہ شراب نوشی کے لئے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں عمدہ عمدہ چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ گھر والا یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کے مہمانوں کا مہمان ہوں۔ میرے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا اور مجھ سے مخاطب ہوتا۔ اسی طرح وہ دونوں میری بڑی خاطر تواضع کرتے اور یہ سمجھتے کہ میں گھر والے کا کوئی بڑا مخلص دوست ہوں۔ الغرض سب کے سب مجھ پر مہربان تھے۔ ہم نے پیالے پر پیالے چڑھانے شروع کئے۔ اب ایک کنیز نکل کر آئی۔ بید کی چھڑی جیسی نازک نہایت حسین اور خوش قامت۔ اس نے عود لے کر گانا شروع کر دیا۔

اے امیر المومنین میں بے چین ہو گیا۔ اس کا حسن اور گانا مجھے پسند آیا اور اس کی استادی پر حسد کرنے لگا۔ میں نے کہا اے کنیز' ابھی ایک چیز کی کمی باقی ہے۔ اس نے غصے میں آ کر عود اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور کہنے لگی کہ کیا ایسے بے وقوف

• تین سو سینتالیسویں رات

جب تین سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابراہم بن مہدی کا بیان ہے کہ میرا نام سن کر وہ اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ بڑے تعجب کی بات ہوتی' اگر تیرے سوا اور کسی میں یہ فضیلت پائی جاتی۔ تقدیر نے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے کہ میں اس کا شکریہ کافی طور سے ادا نہیں کر سکتا۔ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلافت کے گھرانے والا میرے گھر مجھ سے ملنے آئے اور آج رات میرا ہم پیالہ ہو۔ میں نے اسے قسم دی کہ بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا اور نہایت مہربانی سے پوچھنے لگا کہ میرے گھر تیرے آنے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا' کچھ نہ چھپایا اور کہا کہ جہاں تک کھانے کا تعلق تھا میں نے سیر ہو کر کھایا البتہ اس ہتھیلی اور کلائی سے میری مراد نہ بر آئی۔ اس نے جواب دیا کہ ہتھیلی اور کلائی سے بھی انشاء اللہ تیری مراد بھر آئے گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کو آواز دی۔ اے فلاں' فلاں کنیز سے کہہ کہ وہ نیچے اتر کر آئے۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے اپنی کنیزوں کو بلاتا اور میرے سامنے پیش کرتا۔ ان میں سے کوئی میری محبوبہ نہ نکلی۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے آقا اب سوا میری ماں اور بہن کے اور کوئی باقی نہیں رہا لیکن خدا کی قسم میں انہیں بھی نیچے بلا کر تیرے سامنے پیش کروں گا تا کہ تو انہیں دیکھ لے۔

مجھے اس کی حوصلہ مندی اور کشادہ دلی پر تعجب ہوا۔ میں نے کہا قربانت شوم! پہلے اپنی بہن کو بلا۔ چنانچہ اس کی بہن اتر کر آئی اور جونہی میری نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی تو میں اس سے پہچان گیا کہ جن ہتھیلیوں اور کلائیوں کو میں نے دیکھا تھا' وہ اسی کی ہیں۔ میں بولا جزاک اللہ! یہی وہ لڑکی ہے جس کی ہتھیلی اور کلائی میں نے دیکھی تھی۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ فوراً گواہ بلائے جائیں۔ جب گواہ حاضر ہوئے تو

اس نے اشرفیوں کے دو توڑے منگوائے اور گواہوں سے کہا کہ یہ میرا مولیٰ اور آقا ابراہیم بن مہدی امیر المومنین کا چچا' میری فلاں بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس ایک توڑے کے مہر کے عوض اس کی شادی اس سے کر دی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس مہر کے عوض جس کا میں نے ذکر کیا ہے تیری شادی اپنی فلاں بہن سے کر دی ہے۔ میں نے کہا قبول ہے اور منظور ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک توڑا اپنی بہن کو دے دیا اور دوسرا گواہوں کو۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے مولیٰ میں ایک گھر تیرے لئے آراستہ کئے دیتا ہوں تا کہ تو اس میں اپنی بیوی کے ساتھ سوئے۔ اس کی دریا دلی دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اور مجھے شرم معلوم ہوئی کہ میں اس مکان میں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوں۔ اس لئے میں نے اس سے کہا کہ اسے میرے گھر روانہ کر دے۔ اے امیر المومنین! تیرے سر کی قسم' اس نے لڑکی کے ساتھ اتنا جہیز بھیجا کہ ہمارے مکان میں باوجود اس کی وسعت کے' سما نہ سکا۔ بعد ازاں اس سے یہ لڑکا پیدا ہوا جو تیرے سامنے کھڑا ہے۔ مامون کو اس شخص کی سخاوت کا حال سن کر بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگا کہ رحمت ہو اس پر۔ ایسا دوسرا ہونا ممکن نہیں اور ابراہیم بن مہدی سے کہا کہ اسے بلا کہ میں دیکھوں' ابراہیم نے اسے مامون کی خدمت میں حاضر کیا۔ مامون نے اس سے گفتگو کی' اس کی خوبیوں اور علم سے وہ بہت خوش ہوا اور اسے اپنا خاص مصاحب بنایا۔ خدا دینے والا اور بخشش کرنے والا ہے۔

○ اس عورت کی کہانی جس کے ہاتھ بھیک دینے پر کاٹ ڈالے گئے تھے

ایک بادشاہ نے اپنے ملک میں یہ حکم دے دیا کہ اگر کوئی شخص بھیک دے گا تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا لہٰذا سب لوگوں نے بھیک دینا بند کر دیا' کسی کو جرات نہ ہوتی تھی کہ کسی کو بھیک دے۔ ایک دن اللہ کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت

کے پاس کوئی فقیر آیا جو بھوک سے پریشان حال تھا اور کہنے لگا کہ مجھے بھیک دے اور
شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

ooo

- تین سو اڑتالیسویں رات

جب تین سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ فقیر نے عورت سے کہا کہ مجھے بھیک دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تجھے کس طرح بھیک دے سکتی ہوں۔ بادشاہ بھیک دینے والے کا ہاتھ کاٹ ڈالتا ہے۔ فقیر بولا خدا کے واسطے مجھے بھیک دے۔ جب اس نے خدا کا واسطہ دیا تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے اسے دو روٹیاں دے دیں۔ یہ خبر بادشاہ کو ملی اور اس نے حکم دیا کہ وہ عورت اس کے سامنے پیش کی جائے۔ جب وہ آئی تو بادشاہ نے اس کے دونوں ہاتھ قلم کر دیئے اور وہ اپنے گھر لوٹ آئی۔

کچھ روز کے بعد بادشاہ نے اپنی ماں سے کہا' میں شادی کرنا چاہتا ہوں' میری شادی ایک حسین عورت سے کر دے۔ وہ بولی' ہمارے پڑوس میں ایک عورت ہے جس سے زیادہ حسین کوئی اور نہ ہو گی لیکن اس میں ایک سخت عیب ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ ماں نے جواب دیا: اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ماں اسے لے آئی۔ بادشاہ نے اسے دیکھا تو گرویدہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ یہ وہی عورت تھی' جس نے فقیر کو بھیک کی دو روٹیاں دی تھیں اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے۔ جب بادشاہ نے اس عورت سے شادی کی تو اس کی سوکنیں اس پر حسد کرنے لگیں۔ انہوں نے بادشاہ کو خط لکھا کہ وہ بڑی بد چلن ہے۔ اس کے ایک لڑکا پیدا ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے اپنی ماں کو لکھ بھیجا کہ وہ اسے جنگل میں جا کر چھوڑ آئے۔ ماں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اسے لے جا کر جنگل میں چھوڑ آئی۔

یہ عورت اپنی قسمت کو روتی پیٹتی اور واویلا کرتی اور جنگل ڈھونڈتی پھرتی۔ وہ اپنے بیٹے کو کندھے پر بٹھائے چلی جا رہی تھی کہ اس کا گزر ایک ندی پر ہوا۔ پیاس لگ آئی

تھی تو پانی پینے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ جھکی ہی تھی کہ لڑکا پانی میں گر گیا اور وہ بیٹھ کر اپنے بیٹے پر زار زار رونے لگی۔ اتنے میں اس کے پاس سے دو شخص گزرے اور کہنے لگے کہ تو کیوں روتی ہے؟اس نے جواب دیا کہ میرے کندھے پر میرا بیٹا تھا' وہ پانی میں گر گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ ہم اسے نکال کر تیرے پاس لے آئیں؟ اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے خدا سے دعا مانگی اور لڑکا صحیح و سالم نکل آیا۔ اس کا بال تک نہ بھیگا تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ خدا تیرے ہاتھوں کو پہلے کی طرح کر دے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ انہوں نے خدا سے دعا کی اور اس کے ہاتھ پہلے سے بہتر ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ کیا تو جانتی ہے کہ ہم کون ہیں؟ وہ بولی جاننے والا خدا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم وہی روٹیاں ہیں جو تو نے فقیر کو دی تھیں اور جن کی وجہ سے تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے۔ شکر کر خدا کا کہ اس نے تیرے ہاتھ اور تیرا بیٹا تجھے دوبارہ عنایت کیا اور اس نے خدا کی حمد و ثنا کی۔

○ اسرائیلی عابد کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس کے گھر والے سوت کاتا کرتے تھے اور وہ ہر روز بازار جا کر اسے بیچتا' روئی خریدتا اور جو کچھ فائدہ ہوتا' اس سے اپنے بال بچوں کے لئے اس دن کے لئے کھانا خریدتا تاکہ وہ کھائیں۔ ایک دن حسب معمول اس نے سوت بیچا تو اس کا بھائی اسے ملا اور اس سے اپنی حاجت مندی کا دکھڑا رونے لگا۔ اس نے بکری کی قیمت اسے دے دی۔ اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آیا۔ گھر والوں نے پوچھا کہ روئی اور کھانا کہاں ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ فلاں شخص مجھے ملا تھا اور اس نے اپنی حاجت مندی کی شکایت کی۔ اس لئے میں نے جتنے دام ملے' اسے دے دیئے۔ انہوں نے کہا اب ہم کیا کریں؟ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جسے

ہم بیچ سکے۔ ان کے پاس ایک ٹوٹا ہوا پیالہ اور ایک گھڑا تھا۔ انہیں وہ بازار لے گیا لیکن کسی نے خریدنے کی ہامی نہ بھری۔ وہ ابھی بازار ہی میں تھا کہ اس کے قریب سے ایک شخص گزرا جس کے پاس ایک مچھلی تھی اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• تین سو انچاسویں رات

جب تین سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ شخص پیالہ اور گھڑا لے کر بازار گیا لیکن کسی نے ان کے خریدنے کی ہامی نہ بھری وہ ابھی بازار میں ہی تھا کہ اس کے قریب سے ایک شخص گزرا جس کے پاس ایک سڑی بسی مچھلی تھی اور اسے کوئی نہ خریدتا تھا۔ مچھلی والے نے اس سے کہا کہ کیا تو اپنی بیکار چیزیں میری نکمی چیزیں کے عوض بیچتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اپنا پیالہ اور گھڑا اسے دے کر مچھلی لے لی اور اسے اپنے گھر لے آیا۔ گھر والوں نے کہا کہ ہم اس مچھلی کا کیا کریں؟ اس نے جواب دیا کہ جب تک خدا ہمیں اور رزق نہ دے دے اسی کو تل کر کھائیں گے۔ انہوں نے مچھلی کو لے کر اس کا پیٹ چاک کیا تو انہیں اس کے اندر سے موتی ملا۔ بوڑھے کو اس کی خبر کی۔ اس نے کہا کہ دیکھ اگر وہ موتی چھید کیا ہوا ہے تو وہ کسی کی ملکیت ہے اور اگر اس میں چھید نہیں ہے تو وہ خدا کی طرف سے تمہارا رزق ہے۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا تو اس میں کوئی چھید نہ تھا۔ صبح ہوئی تو وہ اسے ایک پرکھنے والے کے پاس لے گیا جو اس کا دوست تھا۔ اس نے پوچھا اے فلاں تجھے یہ موتی کہاں سے ہاتھ لگا؟

"وہ بولا' یہ خدا کا عطیہ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور میں یہ قیمت دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اسے فلاں شخص کے پاس لے جا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ مال دار اور پرکھ والا ہے۔ بوڑھا وہ موتی اس کے پاس لے گیا۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت ستر ہزار درہم ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ستر ہزار درہم دیئے۔ بوڑھے نے حمالوں کو بلایا اور وہ درہموں کی تھیلیاں لاد کر اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ یہاں اسے ایک فقیر ملا اور کہنے لگا کہ خدا نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے' اس میں سے مجھے بھی دے۔ بوڑھے نے فقیر سے کہا کہ

کل تک ہم بھی تیری طرح تھے۔ لہٰذا آدھا تو لے جا۔ جب مال کے دو حصے کے گئے اور ایک نے ایک ایک حصہ لیا تو فقیر نے کہا کہ اپنا مال پاس ہی رہنے دے' خدا تجھے اس میں برکت دے! میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں تا کہ تیرا امتحان کروں۔ بوڑھے نے کہا کہ شکر اور احسان ہے خدا کا۔ اس کے بعد مرتے دم تک اس نے اور اس کے بال بچوں نے نہایت عیش و عشرت کی زندگی گزاری۔

○ ابو حسان زیادی اور ایک خراسانی کی کہانی

ابو حسان زیادی سے روایت ہے کہ ایک بار میری حالت بہت پتلی تھی۔ حتیٰ کہ بنئے اور بھٹیارے سے اور سارے قرض خواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ اس سے مجھے بڑی تکلیف پہنچی کیونکہ چھٹکارے کی کوئی صورت بن نہ پائی تھی۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ کیا کروں' اتنے میں میرے غلام نے آ کر کہا کہ دروازے پر ایک حاجی کھڑا ہے جو تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ اندر بلا لا۔ وہ اندر آیا میں نے دیکھا وہ کوئی خراسانی ہے۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا تو ابو حسان زیدی ہے؟ میں نے کہا ہاں' تیرا کیا مقصد ہے؟ وہ بولا میں پردیسی ہوں حج کو جانا چاہتا ہوں اور میرے پاس بہت سا مال ہے جسے میں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ یہ دس ہزار درہم اس وقت تک تیرے پاس چھوڑے جاؤں جب تک کہ حج سے لوٹوں۔ اگر قافلہ لوٹ آئے اور تو مجھے ان کے ساتھ نہ دیکھے تو جان لیجیو کہ میں مر گیا ہوں۔ اس وقت یہ مال تیری نذر ہے اور اگر میں لوٹ آیا تو وہ میرا ہے۔ میں نے کہا انشاء اللہ تیرا کہنا کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے ایک چمڑے کی تھیلی نکالی اور میں نے غلام سے کہا کہ ترازو لا اور وہ ترازو لے آیا۔ خراسانی نے انہیں تول کر میرے حوالے کیا اور چل دیا۔ میں نے قرض خواہوں کو بلا کر اپنا قرضہ ادا کیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور

اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پچاسویں رات

جب تین سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو حسان زیادی کا بیان ہے کہ میں نے قرض خواہوں کو بلا کر جتنا قرضہ میرے اوپر تھا' ادا کر دیا اور خوب خرچ کیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تک وہ شخص لوٹے گا اس وقت تک خدا کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے گا۔ دوسرے دن غلام نے آ کر کہا کہ تیرا دوست خراسانی دروازے پر کھڑا ہے۔ میں نے کہا کہ اسے اندر بلا لا۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا کہ میں حج کے لئے تیار تھا لیکن مجھے یہ خبر ملی ہے کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ وہ مال جو میں نے کل تجھے دیا تھا' وہ واپس کر دے۔ یہ سن کر مجھے اتنا صدمہ پہنچا کہ کبھی کسی اور کو نہ پہنچا ہو گا اور میں حیران و پریشان ہو کر چپ ہو گیا' کوئی جواب نہ دے سکا کیونکہ اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے قسم دیتا اور مجھے آخرت میں شرمندگی اٹھانی پڑتی اور اگر میں کہتا کہ میں اسے خرچ کر چکا ہوں تو وہ شور مچاتا اور میری بے عزتی کرتا۔ اس لئے میں نے کہا کہ خدا تجھے سلامت رکھے! میرا مکان محفوظ نہیں ہے اور تیرا مال یہاں رہ نہ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے تیری تھیلی لے کر ایک دوسرے شخص کے پاس رکھ دی ہے تو کل آئیو اور خدا نے چاہا تو اسے لے جائیو۔ یہ سن کر وہ چل دیا۔

مگر میں خراسانی کی واپسی پر اتنا متحیر تھا کہ اس رات مجھے بالکل نیند نہیں آئی بلکہ آنکھیں بند کرنا بھی اجیرن ہو گیا۔ میں اٹھ کر غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ خچر پر زین کس۔ اس نے کہا کہ اے میرے مولیٰ ابھی اندھیرا ہے اور رات باقی ہے۔ اب میں پھر اپنے بچھونے پر گیا لیکن نیند نہ آئی اور میں برابر غلام کو جگاتا اور وہ وہی جواب دیتا رہا۔ یہاں تک کہ تڑکا ہوا اور اس نے میرے خچر پر کاٹھی رکھی اور میں سوار ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جاؤں اس لئے میں نے باگ خچر

کی گردن پر ڈال دی اور سوچنے لگا اور خچر بغداد کے پورب کی طرف چل دیا۔ میں چلا ہی جا رہا تھا کہ میں نے چند آدمیوں کو آتے دیکھا۔ میں نے ان کی طرف سے پھر کر دوسرے راستے پر چلنا شروع کر دیا لیکن میرا عمامہ دیکھ کر وہ میری طرف بڑھے اور کہنے لگے کہ کیا تجھے ابو حسان زیادی کے گھر کا پتہ معلوم ہے؟ میں نے کہا کہ ابو حسان تو میں ہی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین نے تجھے بلایا ہے' چل۔ میں ان کے ساتھ روانہ ہو کر مامون کے پاس پہنچا۔

جب میں مامون کے سامنے آیا تو اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا میں قاضی ابو یوسف کے ساتھیوں میں سے ایک فقیہ اور محدث ہوں۔ اس نے دریافت کیا کہ تیری کنیت کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ابو حسان زیادی۔ وہ بولا اپنا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کر۔ میں نے ساری داستان کہہ سنائی تو وہ زار زار رونے لگا اور اس نے مجھ سے کہا اے بد بخت تیری وجہ سے آج رات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے نہ دیا۔ جب میں شروع رات میں سویا تو انہوں نے فرمایا کہ ابو حسان زیادی کی مدد کر۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی۔ مگر مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ تو کون ہے۔ میں پھر سو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خواب میں دکھائی دیئے اور یہی ارشاد کیا۔ پھر بھی میری سمجھ میں نہ آیا اور میں سو گیا۔ پھر خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کم بخت ابو حسان زیادی کی مدد کر۔ اس کے بعد مجھے سونے کی ہمت نہ پڑی۔ رات بھر جاگتا رہا اور لوگوں کو جگا کر ہر طرف تیری تلاش میں بھیجا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے دس ہزار درہم دیئے اور کہا یہ خراسانی کے لئے ہیں۔ پھر دس ہزار درہم دے کر کہا کہ انہیں خرچ اور اپنی حالت سنبھال۔ پھر اور تیس ہزار درہم دیئے اور کہا کہ ان سے اپنی حالت بہتر کر اور جلوس کے دن میرے پاس آئیو تا کہ میں تجھے کوئی عہدہ دوں۔ درہم لے کر میں روانہ ہوا اور گھر پہنچ کر وہاں فجر کی نماز پڑھی۔ اتنے میں خراسانی بھی آ پہنچا۔ میں نے اسے گھر میں بلا کر اس کے سامنے ایک تھیلی رکھ دی اور کہا کہ تیرا مال۔ اس نے جواب

دیا کہ یہ وہی نہیں ہے جو میں نے تجھے دیا تھا۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔ اس نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اس سے ساری باتیں کہہ دیں اور وہ رونے لگا اور اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تو مجھے پہلے ہی سے سچ سچ بتا دیتا تو میں تجھ سے تقاضا نہ کرتا اور خدا کی قسم اب میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکیاونویں رات

جب تین سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خراسانی نے زیادی سے کہا کہ اگر تو نے پہلے ہی سچ سچ کہہ دیا ہوتا تو میں تجھ سے تقاضا نہ کرتا اور خدا کی قسم اب میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور اس مال کو تیرے اوپر حلال کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ میں نے اپنی حالت بہتر کی اور جلوس کے دن مامون کے دروازے پر گیا۔ جب میں اندر پہنچا تو وہ بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے سامنے حاضر ہوا س نے مجھے اپنے قریب بلا کر اپنی جا نماز کے نیچے سے ایک پروانہ نکالا اور کہنے لگا کہ اس پروانے کی رو سے تجھے باب السلام سے لے کر مدینے کی غربی جانب تک کا قاضی بنایا جاتا ہے اور میں نے تیری تنخواہ اس قدر ماہانہ مقرر کی ہے۔ لہذا دل میں خدا کا خوف رکھیو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت کو نہ بھولیو۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوا اور انہوں نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا۔ میں نے سارا قصہ شروع سے لے آخر تک سنا دیا اور یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ ابو حسان برابر مدینے کا قاضی رہا۔ یہاں تک کہ مامون ہی کے زمانے میں اس کا انتقال ہو گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے!

- دوست کی مدد ضرورت کے وقت

ایک شخص بڑا مال دار تھا لیکن اس کی دولت ضائع ہو گئی اور وہ غریب ہو گیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ کسی دوست کے پاس جا تا کہ اس کی مدد سے تیری حالت سنبھل جائے۔ اس نے اپنے ایک دوست کے پاس جا کر اپنی حاجت بیان کی۔ دوست نے اسے پانچ سو دینار قرض دیئے کہ ان کی تجارت کرے۔ یہ شخص پہلے جوہری تھا۔ اس نے

جوہری بازار میں جا کر ایک دکان کھولی اور جواہرات کے کاروبار کا ارادہ کیا۔ جب وہ دکان پر آ کر بیٹھا تو تین شخص اس کے پاس آئے اور اس کے باپ کو پوچھنے لگے۔

اس نے کہا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اس کے کوئی اولاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسی غلام کو چھوڑا ہے جو تمہارے سامنے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا جاننے والا کون ہے کہ تو اس کا بیٹا ہے؟اس نے کہا بازار والے۔ وہ بولے کہ انہیں گواہی کے لئے ہمارے پاس بلا لا وہ انہیں بلا لایا اور انہوں نے اس بات کی گواہی دی۔ ان تین آدمیوں نے ایک خرجی نکالی جس میں تقریباً تیس ہزار دینار تھے۔ علاوہ بریں ہیرے اور قیمتی معدنیات۔ اور کہنے لگے کہ یہ ہمارے پاس تیرے باپ کی امانت تھی' یہ کہہ کر وہ چل دیئے۔ پھر اس کے پاس ایک عورت آئی اور ان ہیروں میں سے کچھ ہیرے جن کی قیمت پانچ سو دینار ہو گی تین ہزار دینار میں خریدے اس عورت کے ہاتھ یہ سودا بیچ کر وہ اٹھا اور پانچ سو دینار لئے ہوئے اس دوست کے پاس گیا جس سے اس نے قرضہ لیا تھا اور کہنے لگا کہ یہ پانچ سو دینار لے جو میں نے تجھ سے قرض لئے تھے کیونکہ خدا نے مجھے کامیاب کر دیا اور مالدار آدمی بنا دیا ہے۔ اس کے دوست نے کہا کہ وہ تو میں نے بطور ہدیے کے دیئے تھے اور فی سبیل اللہ ان سے بری الذمہ ہو گیا تھا۔ انہیں تو لے جا اور اس کاغذ کو بھی لیتا جا اور گھر پہنچ کر اسے پڑھیو اور اس پر عمل کیجیو۔ وہ ان دیناروں اور کاغذ کو لے کر اپنے گھر گیا اور جب اسے کھولا تو اس میں یہ اشعار تھے: "جو آدمی پہلے تیرے پاس آئے تھے' میرے رشتے دار ہیں۔ باپ اور چچا اور ماموں۔ جو کچھ تو نے بیچا میری ماں کے ہاتھ بیچا اور دینار اور ہیرے میں نے تجھے بھیجے تھے۔ اس سے میرا مقصد تجھے نقصان پہنچانا نہ تھا بلکہ یہ کہ تجھے میرے سامنے شرمندگی نہ ہو۔"

- ایک شخص کی کہانی جو غریب ہونے کے بعد مالدار ہو گیا

بغداد میں ایک شخص رہتا تھا جس کی دولت مندی ضرب المثل تھی لیکن خدا کی شان اس کا مال ضائع ہو گیا' اس کی حالت بگڑ گئی یہاں تک کہ اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہ رہی۔ بڑی محنت مشقت سے اسے روٹی نصیب ہوتی تھی۔ ایک رات اسی غم اور غصے میں وہ سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا ہے کہ تیری روزی مصر میں ہے' وہاں جا کر اسے تلاش کر۔ وہ مصر روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو رات کا وقت تھا ایک مسجد میں جا کر سو رہا۔ مسجد کے پاس ایک مکان تھا۔ اللہ کا کرنا چوروں کی ایک ٹولی اس مسجد سے ہو کر اس مکان میں داخل ہوئی۔ چور کی آہٹ پا کر گھر والے جاگ اٹھے اور شور مچانے لگے۔ والی اپنے سپاہیوں کو لے کر ان کی مدد کے لئے آ پہنچا۔ چور تو بھاگ گئے اور والی مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ یہ بغدادی وہاں کھڑا ہوا ہے۔ اسے پکڑ کر والی نے خوب مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا اور اسے تین دن تک قید خانے میں بند رکھا۔

اس کے بعد والی نے پوچھا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغداد کا۔ والی نے پوچھا کہ تیرے مصر آنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تیری روزی مصر میں ہے' وہاں جا۔ جب میں مصر آیا تو میں نے دیکھا کہ جس روزی کی اس نے خبر دی تھی یہ کوڑے ہیں جو مجھے تجھ سے ملے۔

اس پر والی کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے بے وقوف! میں نے تین بار خواب میں دیکھا ہے کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ بغداد میں فلاں شکل کا ایک گھر ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ اس کے صحن میں ایک چھوٹا سا باغ ہے جس کے نیچے ایک گڑھا ہے اور اس گڑھے میں بہت مال و دولت ہے' وہاں جا کر اسے لے مگر میں وہاں نہ گیا اور تو اپنی بے وقوفی اور محض ایک خواب کی بنا پر جو پریشان خیال ہے شہر شہر سفر کرتا پھرتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے کچھ درہم دیئے اور کہا کہ ان کی مدد سے تو اپنے وطن چلا جا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو باونویں رات

جب تین سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- والی نے بغدادی کو کچھ درہم دے کر کہا کہ ان کی مدد سے اپنے وطن چلا جا اور انہیں لے کر وہ شخص بغداد واپس گیا۔ جس مکان کا والی نے ذکر کیا تھا' وہ اسی شخص کا گھر تھا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچا تو گڑھے کو کھودا اور اس میں سے بے حد مال ملا۔ اس طرح خدا نے اس کی روزی میں برکت دی۔ یہ عجیب و غریب اتفاق ہے۔

○ خلیفہ متوکل اور محبوبہ کی کہانی

امیر المومنین متوکل علی اللہ کے محل میں چار ہزار اس کی چہیتی کنیزیں تھیں۔ جن میں سے دو سو رومی او دو سو دوغلی اور حبشنیں تھیں اور یہ چار سو کنیزیں جن میں سے دو سو گوری اور دو سو حبشنیں اور دوغلی تھیں' متوکل کو عبید بن طاہر نے پیش کی تھیں۔ منجملہ ان کنیزوں کے جو بصرے کی دوغلی کنیزوں میں سے تھیں' ایک کنیز تھی جس کا نام محبوبہ تھا اور جو حسن و جمال اور آب و تاب میں یکتا۔ وہ عود نوازی میں استاد' گانے میں لاجواب شاعرہ اور خوش خط تھی۔

متوکل اس پر فریفتہ تھا۔ ایک گھڑی اسے اپنے سے جدا نہ ہونے دیتا۔ کنیز نے جو اس کا یہ میلان دیکھا تو اس کے ساتھ گھمنڈ سے پیش آنے لگی اور اس کے احسانوں کو بھول گئی۔ متوکل اس سے ناراض ہو گیا۔ اسے چھوڑ دیا اور محل والوں کو منع کر دیا کہ اس سے بات نہ کریں۔ ایک مدت تک وہ اس حالت میں رہی مگر اس کی کشش متوکل کے دل سے نہ گئی۔ ایک دن صبح کو اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ میں اور محبوبہ میں صلح ہو گئی ہے۔ انھوں نے

کہا کہ خدا کرے کہ بیداری میں بھی اسی طرح ہو۔ وہ یہی باتیں کر رہا تھا کہ ایک خادمہ نے آ کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ یہ سن کر وہ مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور حرم سرا میں گیا اور جس خادمہ نے اس کے کان میں کچھ کہا تھا وہ کہہ رہی تھی کہ ہم نے محبوبہ کے حجرے سے گانے اور عود بجانے کی آواز سنی ہے لیکن ہمیں اس کی وجہ معلوم نہیں۔

جب متوکل اس کے حجرے کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ عود نہایت خوبی سے بجا رہی ہے اور اس پر یہ اشعار گا رہی ہے: "میں محل میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہوں اور کوئی نہیں ملتا جس سے میں شکایت کروں اور وہ جواب دے۔ گویا میں نے ایسا گناہ کیا ہے جس سے کوئی توبہ مجھے چھٹکارا نہیں دے سکتی۔ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو میری سفارش بادشاہ کے پاس کرے جو خواب میں آ کر مجھ سے صلح کر گیا ہے۔"

یہ اشعار سن کر متوکل حیرت میں آ گیا۔ کیا عجیب اتفاق ہے محبوبہ نے بھی وہی خواب دیکھا ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ اب وہ اس کے حجرے میں داخل ہوا اور جونہی کنیز کو اس کی آہٹ معلوم ہوئی وہ دوڑ کر اس کے پاس آ گئی اور اس کے قدموں پر گر کر انہیں چومنے لگی اور کہا اے میرے آقا یہ واقعہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے اور جس وقت میں جاگی تو میں نے یہ اشعار نظم کیے۔ متوکل نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا کر آپس میں صلح کر لی اور متوکل سات دن رات برابر اس کے ساتھ رہا' محبوبہ نے اپنے رخسار پر مشک سے متوکل کا نام لکھ رکھا تھا جو جعفر تھا۔ اور جب متوکل کا انتقال ہوا تو سوائے محبوبہ کے تمام کنیزوں کو صبر آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## تین سو ترپنویں رات

جب تین سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا‘ اے نیک نہاد بادشاہ ------- متوکل کے مرنے کے بعد محبوبہ کے سوا اس کی ساری کنیزوں کو صبر آ گیا مگر وہ مرتے دم تک غمگین رہی اور اسی کے پہلو میں دفن ہوئی‘ خدا ان دونوں پر رحمت بھیجے!

- ### آبنوس کے گھوڑے کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک عظیم الشان اور بڑے دبدبے والا بادشاہ تھا۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں جو چاند کی طرح خوبصورت اور باغ کی طرح شگفتہ تھیں اور ایک بیٹا چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ ایک دن جبکہ بادشاہ حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا‘ تین حکیم آئے۔ ایک کے پاس ایک سونے کا مور تھا‘ دوسرے کے پاس پیتل کا بگل اور تیسرے کے پاس ہاتھی دانت اور آبنوس کا گھوڑا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں اور ان میں کون سے فائدے ہیں؟ مور والے نے کہا کہ یہ مور دن رات ہر گھڑی گزرنے پر اپنے بازو پھڑپھڑاتا اور آواز دیتا ہے۔ بگل والے نے کہا کہ یہ بگل شہر کے دروازے پر رکھ دیا جائے تو شہر پر پہرہ دے گا۔ اگر شہر میں کوئی دشمن آئے گا تو بگل خود بخود بجنے لگے گا اور لوگ دشمن کو پہچان لیں گے اوروہ پکڑ لیا جائے گا۔ گھوڑے والا بولا: اے میرے مولیٰ اس گھوڑے میں یہ صفت ہے کہ اس کا سوار جہاں چاہے‘ پہنچ سکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں تمہیں اس وقت انعام دوں گا کہ پہلے ان کا تجربہ کر لوں۔

اول ا اس نے مور کا تجربہ کیا اور اسے ویسا ہی پایا‘ جیسا کہ مور والے نے کہا تھا۔ پھر اس نے بگل کا تجربہ کیا اور اسے بھی بگل والے کے کہنے کے موافق پایا۔ اس نے ان دونوں حکیموں سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم دونوں یہ

مانگتے ہیں کہ ہم دونوں کی شادی اپنی ایک ایک بیٹی سے کر دے۔ بادشاہ نے اپنی بیٹیوں میں سے دو ان کے حوالے کر دیں۔

اب تیسرے حکیم نے جو گھوڑا لایا تھا بڑھ کر بادشاہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا' جہاں پناہ مجھ پر بھی ویسی ہی بخشش کر جیسی کہ تو نے ان دونوں پر کی ہے۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ پہلے میں تیری لائی ہوئی چیز کا امتحان کر لوں۔ یہ سن کر بادشاہ کا بیٹا آگے بڑھا اور بولا کہ ابا جان میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا تجربہ اور اس کے کمال کا امتحان کروں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس طرح تیری خوشی ہو' اس کا تجربہ کر۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے پاؤں ہلانے لگا لیکن گھوڑا ٹس سے مس نہ ہوا۔ شہزادے نے حکیم سے کہا کہ کہاں گئی وہ چال کی تیزی جس کا تو نے دعویٰ کیا تھا۔

حکیم شہزادے کے پاس گیا اور اسے اوپر اڑنے کا پیچ دکھا کر کہا کہ اس پیچ کو اوپر کی طرف کھینچ۔ جب اس نے پیچ کو کھینچا تو گھوڑے نے جنبش کی اور وہ شہزادے کو لے کر آسمان کی طرف اڑا اور اڑتے اڑتے نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شہزادہ حیران پریشان۔ گھوڑے پر سوار ہونے میں اسے بڑی ندامت تھی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ حکیم نے میرے مارنے کی چال چلی ہے۔ "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔"

اب اس نے گھوڑے کے تمام اعضاء کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک چیز پر پڑی جو مرغ کے تاج کی طرح گھوڑے سے دائیں اور بائیں شانوں پر تھی۔ سوچا کہ ان دونوں کھونٹیوں کے سوا اور تو کوئی چیز دکھائی نہیں دی۔ ہو نہ ہو یہی اس کی کلیں ہیں اور اس نے داہنے شانے والی کھونٹی کو کھینچا' گھوڑا اور زیادہ تیزی سے اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس نے وہ کھونٹی چھوڑ دی۔ بائیں شانے والی کو کھینچنے لگا اور گھوڑے کی جنبش بجائے اوپر کے' نیچے کی طرف ہونے لگی اور

وہ آہستہ آہستہ زمین پر اترا۔ شہزادہ ڈرتا بھی جاتا تھا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

(۳۵۴ سے ۳۵۷ تک کی راتوں کی کہانیاں حذف کر دی گئیں ہیں' بہت فحش ہیں)

○ ◯ ○

تین سو اٹھاونویں رات

تین سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ گھوڑا آہستہ آہستہ زمین کی طرف چلا۔ شہزادہ خوفزدہ بھی تھا اور گھوڑے کا یہ کمال دیکھ کر خوش بھی۔ تاہم اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ہلاکت سے نجات ملی۔ وہ تمام دن اترتا رہا کیونکہ اوپر چڑھتے چڑھتے وہ زمین سے بہت دور پہنچ گیا تھا۔ اترتے وقت وہ جدھر چاہتا اوپر لے جاتا اور جب چاہتا نیچے لے آتا۔ جب اسے گھوڑے کی تمام کلیں معلوم ہو گئیں تو اس نے اس کی باگ زمین کی طرف پھیر دی اور ان ملکوں اور شہروں کی سیر کرنے لگا جنہیں اس نے کبھی نہ دیکھا تھا اور اس لئے انہیں پہچان نہ سکتا تھا۔ منجملہ اور شہروں کے اس کی نظر ایک شہر پر پڑی جس کے مکانات نہایت خوبصورت تھے اور چاروں طرف سبزہ زار اور درخت اور نہریں تھیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس شہر کا کیا نام ہے اور وہ کس ملک میں ہے؟ اسی خیال میں وہ شہر کے گرد چکر لگانے اور ادھر ادھر غور سے دیکھنے لگا۔ دن کی روشنی ختم ہونے والی تھی۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ رات بسر کرنے کے لئے مجھے اس شہر سے زیادہ خوبصورت جگہ کہاں ملے گی؟ یہیں رہوں صبح کو وطن روانہ ہو جاؤں گا اور گھر والوں اور باپ سے سارا ماجرا اور جو کچھ میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے' بیان کروں گا۔ اب وہ ایسا کوئی گوشہ ڈھونڈنے لگا جہاں وہ اور اس کا گھوڑا امن و امان سے رہ سکیں اور کوئی انہیں نہ دیکھنے پائے۔

اس تلاش میں تھا کہ اس کی نظر بیچ شہر میں ایک عالی شان محل پر پڑی جس کے چاروں طرف فصیل اور اونچے اونچے برج تھے اس نے وہ کل دبائی جس سے گھوڑا نیچے اترتا تھا۔ گھوڑا اترتے اترتے سیدھا محل کی چھت پر آ گیا۔ شہزادہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ خدا کا شکر بجا لایا۔ گھوڑے کے ارد گرد پھرتا اور کہتا واللہ جس شخص نے تجھے ان اوصاف

کے ساتھ بنایا ہے وہ بڑا حکیم ہے۔ اگر خدا نے میری زندگی میں برکت دی اور مجھے صحیح و سالم میرے وطن اور خاندان میں پہنچا دیا اور میرے باپ سے ملایا تو اس حکیم کے ساتھ بڑی فیاضی کے ساتھ پیش آؤں گا اور اسے بہت انعام دوں گا۔ پھر وہ محل کی چھت پر رات کے انتظار میں ایک طرف بیٹھا پیاس سے سخت بے چین تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد اس وقت تک نہ ایک بوند پانی کی اس کے حلق میں گئی تھی نہ اناج کا ایک دانہ۔ خیال کیا کہ محل میں کھانے پینے کی چیزیں تو ضرور ہوں گی۔ نیچے چل کر دیکھنا چاہیے۔ گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور آہستہ آہستہ راستہ ٹٹولتا چلا گیا۔ ایک زینہ نظر آیا اور وہ نیچے اترا۔ دیکھا کہ صحن میں مرمر کا فرش ہے۔ مکان اور عمارت کی خوبصورتی کا کیا کہنا لیکن حیرت یہ ہوئی کہ وہاں نہ اسے کوئی آواز سنائی دی' نہ کوئی انسان دکھائی دیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دائیں بائیں دیکھتا اور اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ کدھر جائے۔ دل میں کہنے لگا کہ اس سے تو بہتر یہی ہے کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس جا کر وہیں رات گزاروں اور جب سویرا ہو تو اس پر سوار ہو کر چلتا بنوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو انسٹھ ویں رات

جب تین سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادہ کھڑا ہوا۔ اپنے دل سے یہی باتیں کر رہا تھا کہ محل کی طرف ایک روشنی آتی ہوئی دکھائی دی غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ روشنی کے ساتھ کچھ کنیزیں ہیں اور ان کے بیچ میں ایک لڑکی ہے جو حسین' دراز قامت اور جمال و کمال میں چاند کو مات کرتی ہے۔
یہ لڑکی اس شہر کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ باپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اس کے لئے یہ محل بنوایا تھا۔ جب کبھی اس کا جی گھبراتا وہ اپنی کنیزوں کو لے کر یہاں آتی اور ایک دو روز یا زیادہ ٹھہر کر اپنے محل سرا میں واپس چلی جاتی۔
اتفاق کی بات کہ وہ اس رات کنیزوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے آئی تھی۔ ایک خادم تلوار لگائے ہمراہ تھا۔ آ کر انھوں نے فرش بچھایا' خوشبو کی انگیٹھیاں جلائیں اور کھیل کود کر کے دل کو بہلانے لگیں۔ اپنے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں مشغول تھیں کہ شہزادہ خادم کی طرف بڑھا۔ ایک طمانچہ مار کر اسے زمین اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر ان کنیزوں کی طرف بڑھا۔ وہ دائیں بائیں ہٹ گئیں۔ شہزادی کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کی موہنی صورت دیکھ کر کہنے لگی تو شاید وہی شخص ہے جس نے کل مجھ سے شادی کرنے کی تجویز میرے باپ کے سامنے پیش کی تھی اور اس نے اس خیال سے رد کر دیا تھا کہ تو بدصورت ہے۔ واللہ میرے باپ نے جھوٹ بولا تھا' تو تو خوبصورت ہے۔ بات یہ تھی کہ ہندوستان کے بادشاہ کے بیٹے نے شہزادی سے شادی کرنے کی تجویز بادشاہ کے سامنے پیش کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا تھا کیونکہ شہزادہ بد صورت تھا۔ شہزادی کو گمان ہوا کہ یہی وہ شخص ہے جو میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ آگے بڑھی اور اسے گلے لگا کر بوسے دینے لگی اور دونوں پاس پاس لیٹ گئے۔
کنیزوں نے کہا کہ اے آقا یہ وہ شخص نہیں ہے جس نے تجھ سے شادی کرنے کی

تجویز تیرے باپ کے سامنے پیش کی تھی۔ وہ بد صورت تھا اور یہ خوبصورت ہے۔ جو تجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور جسے تیرے باپ نے منظور نہیں کیا' اس کے نوکر ہونے کے بھی قابل نہیں۔ اے آقا یہ تو بڑی شان و شوکت والا ہے۔

اب کنیزیں خادم کے پاس گئیں جو بے ہوش پڑا ہوا تھا' اسے جگایا۔ وہ گھبرا کر اٹھا اور اپنی تلوار ڈھونڈنے لگا۔ کنیز نے کہا کہ جو شخص تجھے پٹخنا دے کر تیزی تلوار لے گیا ہے وہ شہزادی کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اس خادم کو بادشاہ نے اپنی بیٹی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔ خادم اٹھ کر پردے کے پاس گیا اور اسے اٹھا کر دیکھا کہ شہزادی شہزادے کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے اور وہ دونوں باتیں کر رہے ہیں۔ خدام کی نظر ان پر پڑی تو اس نے شہزادے سے کہا کہ اے میرے آقا' بتا تو انسان ہے یا جن۔ شہزادہ بولا' اے منحوس غلام تو ایران کے بادشاہوں کی اولاد کو کافر شیطان کہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار اٹھا لی اور کہا کہ میں بادشاہ کا داماد ہوں' اس نے میری شادی اپنی بیٹی سے کر دی ہے۔ یہ سن کر خادم نے کہا کہ اے میرے آقا' اگر تو انسان ہے جیسا کہ تو خود کہتا ہے تو شہزادی تیرے سوا اور کسی کے قابل نہیں اور سب سے زیادہ تو اس کا مستحق ہے۔

اس کے بعد خادم بادشاہ کے پاس جا کر چلانے' کپڑے پھاڑنے اور سر پر خاک ڈالنے لگا۔اس کی چیخ و پکار سن کر بادشاہ نے کہا کہ تجھ کیا بلا ٹوٹی ہے؟ تو نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ جلد بتا زیادہ باتیں نہ بنا۔ اے بادشاہ اپنی بیٹی کے پاس چل اس کے اوپر ایک بھوت سوار ہے جس کی وضع انسانوں کی سی اور شکل شہزادوں کی سی ہے' جلد چل کر اسے نکال۔ بادشاہ نے اسے یہ کہتے سنا تو اس کے قتل کی ٹھان لی اور خادم سے کہنے لگا کہ تو نے کیوں اتنی غفلت کی یہ بھوت اس پر سوار ہو گا؟ اور بادشاہ اس محل کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اس کی بیٹی تھی۔ وہاں پہنچ کر اسنے دیکھا کہ کنیزیں کھڑی ہوئی ہیں۔ ان سے پوچھا کہ میری بیٹی کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ انہوں

نے کہا کہ اے بادشاہ ہم شہزادی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ جوان تلوار لے کر یکا یک ہم پر ٹوٹ پڑا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور جس سے زیادہ خوبصورت ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ہم نے ماجرا پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ تو نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں خبر نہیں اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ جن ہے یا انس لیکن وہ بہت با عصمت اور سلیقہ مند ہے' اس سے کوئی بری بات سرزد نہیں ہوئی۔

جب بادشاہ نے کنیزوں کو یہ کہتے سنا تو اس کا غصہ اتر گیا اور وہ پردے کو تھوڑا کھسکانے لگا۔ دیکھا کہ اس کی بیٹی شہزادے کے ساتھ باتیں کر رہی ہے اور وہ نہایت حسین ہے۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ غیرت کی وجہ سے وہ ضبط نہ کر سکا اور پردہ اٹھا کر ہاتھ میں ننگی تلوار لئے دونوں کی طرف بھوت کی طرح بڑھا۔ جب شہزادے کی نظر اس پر پڑی تو اس نے شہزادی سے کہا کہ یہ تیرا باپ ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو ساٹھویں رات

تین سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادے نے پوچھا کہ یہ تیرا باپ ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ یہ سن کر وہ تلوار لے کر اٹھا اور اس زور سے نعرہ مارا کہ بادشاہ کانپ اٹھا۔ اسے یقین آ گیا کہ شہزادہ مجھ سے زیادہ پھرتیلا ہے اور اس سے پہلے کہ شہزادہ بادشاہ پر حملہ کرے بادشاہ نے اپنی تلوار میان میں ڈال لی اور جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ شہزادہ اس کے پاس پہنچا۔ بادشاہ اس کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ اے نوجوان تو انسان ہے یا جن؟

شہزادے نے کہا کہ اگر مجھے تیرے مرتبے اور تیری بیٹی کی عزت کا پاس نہ ہوتا تو میں تیرا خون بہا دیتا مجھے شیطانوں کی طرف کیونکر منسوب کرتا ہے حالانکہ میں ایران کے ان بادشاہوں کی اولاد میں سے ہوں کہ اگر وہ چاہیں تو تیری عزت اور حکومت کو برباد کر کے چھوڑیں اور تیرے ملک پر قابض ہو جائیں۔ بادشاہ نے اس کی باتیں سنیں تو سہم گیا۔ اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور کہنے لگا کہ اگر تو بادشاہوں کی اولاد میں سے ہے جیسا کہ تو خود کہتا ہے تو بغیر میری اجازت کے تو محل میں کیوں آیا' کس لئے میری بے عزتی کی اور میری بیٹی کے پاس آ کر کہا کہ تو اس کا شوہر ہے اور یہ جھوٹ بولا کہ میں نے تیری شادی اس کے ساتھ کر دی ہے؟ میں تو وہ شخص ہوں کہ جس نے بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کو قتل کر دیا جبکہ وہ میری بیٹی کا پیغام لے کر آئے۔ تجھے میری قوت کے آگے کون بچا سکتا ہے! اگر میں اپنے غلاموں اور نوکروں کو آواز دوں اور ان سے کہوں کہ وہ تجھے قتل کر دیں تو وہ فوراً ہی تجھے قتل کر دیں گے اور تجھے کوئی بچا نہ سکے گا۔

جب شہزادے نے یہ باتیں سنیں تو بادشاہ سے کہنے لگا کہ مجھے تجھ پر اور تیری نادانی پر تعجب ہوتا ہے کیا تجھے اپنی بیٹی کے لئے مجھ سے بہتر شوہر مل سکتا ہے؟ کیا تیری

نظر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جو مجھ سے زیادہ قوی دل اور حملہ آور ہو اور بڑے دبدبے اور لاؤ لشکر والا ہو؟ بادشاہ نے کہا واللہ نہیں۔ لیکن اے جوان میں چاہتا ہوں کہ تو گواہوں کے سامنے اس سے شادی کی تجویز پیش کرتا کہ اس کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں۔ کیونکہ اگر میں نے تیرا نکاح اس کے ساتھ چوری چھپے کر دیا تو ساری دنیا میں بدنام ہو جاؤں گا۔ شہزادے نے کہا کہ اب تو نے معقول بات کہی ہے لیکن اے بادشاہ اگر تو نے اپنے غلاموں اور نوکر چاکروں اور لشکر لے کر میرے اوپر چڑھائی کر دی اور جیسا کہ تیرا خیال ہے انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو اس صورت میں کیا تیری بدنامی نہ ہو گی۔ بعض لوگ تجھے سچا جانیں گے اور بعض جھوٹا۔ اے بادشاہ میری رائے یہ ہے کہ تو میرا کہنا مان۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا کہتا ہے۔ شہزادے نے کہا کہ یا تو میں اور تو تنہا مقابلہ کریں اور ہم میں سے جو شخص دوسرے کو قتل کر دے وہی بادشاہت کا زیادہ سزا وار سمجھا جائے یا آج رات تو مجھے رہنے دے اور کل صبح کو تو اپنا لشکر اور فوجیں اور غلام لے کر میرے اوپر چڑھائی کر اور مجھے بتا دے کہ ان کی تعداد کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ ان کی تعداد چالیس ہزار سوار ہے۔ اسی قدر غلام اور ان کے ماتحت۔ شہزادے نے کہا کہ کل جب دن نکلے تو انہیں میرے ساتھ مقابلے میں لائیو اور ان سے کہیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اکسٹھ ویں رات

جب تین سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادے نے کہا کہ انہیں میرے مقابلے میں لا کر کہو کہ یہ شخص اس شرط پر میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے کہ وہ تم سب سے مقابلہ کرے گا اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ سب پر غالب آئے گا اور سب کو نیچا دکھائے گا اور تمہاری اس کے آگے کچھ بھی نہ چلے گی۔ یہ کہہ کر تو مجھے ان کے ساتھ لڑنے دیجیو۔ اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو تیرا بھید چھپا رہے گا اور تیری عزت بچی رہے گی اور اگر میں نے غالب آ کر انہیں نیچا دکھایا تو میں اس قابل ہوں کہ بادشاہوں سے رشتہ ناطہ قائم کروں بادشاہ نے اس کی بات پسند کی اور اس کا مشورہ مان لیا۔ اگرچہ اس نے سمجھا کہ وہ بڑی ڈینگ ہانکتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی دلیری پر خوفزدہ بھی ہو گیا کہ کہیں یہ کوئی جن تو نہیں ہے' ساری فوج کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور بادشاہ نے نوکر بلا کر کہا کہ ابھی وزیر کے پاس جا اور کہہ کہ تمام لشکر کو جمع کر کرے ہتھیاروں سے آراستہ ہونے کا حکم دے۔ نوکر نے وزیر کو بادشاہ کا حکم پہنچا دیا اور وزیر نے فوجی سرداروں اور امراء کو حکم دیا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر ہتھیار لگائے ہوئے نکلیں۔

یہ تو ان کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ کا حال سنئے۔ وہ شہزادے سے برابر باتیں چیتیں کرتا رہا۔ اس کی باتیں اور عقل و تمیز اسے بہت پسند آئی۔ وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ صبح ہو گئی۔ بادشاہ وہاں سے اٹھ کر اپنے تخت پر جا بیٹھا۔ فوج کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے اور اپنے بہترین گھوڑوں میں سے ایک عمدہ گھوڑا شہزادے کی سواری کے لئے پیش کیا اور حکم دیا کہ اس کا سازو سامان نہایت عمدہ ہو۔ شہزادہ' بادشاہ سے کہنے لگا کہ جب تک میں لشکر کے پاس جا کر اس کا معائنہ نہ کر لوں' ہر گز سوار نہ ہوں

گا۔ بادشاہ نے کہا جیسی تیری مرضی۔ اب بادشاہ اور شہزادہ ساتھ ساتھ چلے اور میدان میں پہنچے۔ جوان نے دیکھا کہ لشکر بے شمار ہے۔ بادشاہ نے بلند آواز سے کہا کہ اے لوگو! میرے پاس ایک جوان آیا ہے اور میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ خوبصورت' دل کا مضبوط اور طاقتور میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کا دعوئ ہے کہ وہ تنہا تمہیں مار کر نیچا دکھائے گا اگر تمہاری تعداد ایک لاکھ بھی ہو تو اس کے آگے کم ہے۔ لہٰذا جب وہ تمہارے مقابلے میں آئے تو اسے بھالوں کی نوکوں اور تلواروں کی دھار پر لے لینا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چھوٹا منہ اور بڑا نوالہ۔

پھر بادشاہ نے کہا کہ بیٹا ان سے کہہ' کیا چاہتا ہے۔ وہ بولا' اے بادشاہ تو نے میرے ساتھ نا انصافی کی ہے۔ میں ان سے اس حالت میں کیونکر لڑ سکتا ہوں کہ میں پیدل ہوں اور وہ سوار! بادشاہ نے کہا کہ میں نے تجھے سوار ہونے کے لئے کہا تھا لیکن تو نہ مانا۔ تمام گھوڑے تیرے آگے حاضر ہیں۔ ان میں سے جو پسند ہو لے لے۔ شہزادے نے کہا کہ تیرے گھوڑوں میں سے مجھے کوئی پسند نہیں۔ میں سوار ہوں گا تو اپنے اس گھوڑے پر جو مجھے یہاں لایا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تیرا گھوڑا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا تیرے محل میں۔ بادشاہ نے پوچھا میرے محل میں کس جگہ؟ اس نے کہا کہ چھت پر۔ بادشاہ نے کہا یہ پہلی بے وقوفی والی بات ہے جو تو نے کی۔ بھلا گھوڑا چھت پر کس طرح ہو سکتا ہے لیکن کیا مضائقہ' ابھی تیرا جھوٹ سچ کھل جاتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے ایک مصاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے محل میں جا اور چھت پر جو چیز ہو' اسے لے آ۔ لوگوں کو جوان کی بات پر بڑا تعجب ہوا۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ گھوڑا زینے پر سے کیونکر اتر سکتا ہے۔ ایسی بات ہم نے تو آج تک سنی نہیں۔ بادشاہ کے مصاحب نے محل پر چڑھ کر دیکھا تو واقعی وہاں ایک گھوڑا کھڑا تھا۔ اس سے زیادہ خوبصورت اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پاس پہنچ کر غور جو کیا تو آبنوس اور ہاتھی دانت کا ہے۔ اس مصاحب کے ساتھ بادشاہ کے چند مصاحب بھی اوپر چڑھ آئے تھے۔ وہ بھی گھوڑے کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور کہا' کیا جوان کا مطلب اسی

گھوڑے سے تھا؟ ہمارے خیال میں وہ پاگل ہے لیکن ابھی سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو باسٹھویں رات

تین سو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- مصاحبوں نے کہا کہ ابھی سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ ممکن ہے اس میں کوئی عظیم الشان بھید ہو۔

وہ گھوڑے کو اٹھا کر لائے اور بادشاہ کے سامنے لا کر کھڑا کیا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو کر اسے دیکھنے' اس کی خوبصورتی اور زین اور لگام کی عمدگی پر عش عش کرنے لگے۔ بادشاہ کو بھی وہ بہت پسند آیا اور تعجب سے پوچھا' یہی تیرا گھوڑا ہے؟ شہزادے نے کہا' ہاں اے بادشاہ' یہی میرا گھوڑا ہے۔ ابھی تو اس کی عجیب و غریب باتیں دیکھ لے گا۔ بادشاہ بولا' اچھا لے اپنا گھوڑا اور سوار ہو۔ اس نے کہا کہ جب تک لشکر دور نہ ہٹ جائے میں اس پر سوار نہ ہوں گا۔ بادشاہ نے لشکر والوں سے کہا جو اس کے آس پاس تھے کہ گھوڑے سے ایک تیر کے فاصلے پر دور چلے جاؤ۔ شہزادے نے کہا' اے بادشاہ دیکھ اب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں اور ان پر حملہ کر کے انہیں تتر بتر اور ان کے دل پاش پاش کرتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا جو تیرا جی چاہے کر اور ان کے ساتھ کوئی کسر نہ چھوڑ کیونکہ وہ بھی تیرے ساتھ کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

شہزادہ اپنے گھوڑے کے پاس جا کر اس پر سوار ہو گیا اور لشکر نے صفیں باندھ لیں۔ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ جونہی جوان ان کے بیچ میں آئے گا ہم اسے نیزوں کی نوکوں اور تلواروں کی دھار پر لے لیں گے۔ ایک شخص بولا۔ واللہ یہ بڑی بات ہے' ایسے خوبصورت اور خوش قد جوان کو ہم کیونکر قتل کر سکتے ہیں' ایک دوسرے نے کہا تمہاری اس تک رسائی بہت مشکل سے ہو سکتی ہے۔ ایسا حوصلہ کوئی یونہی نہیں کرتا' اسے اپنی بہادری اور جواں مردی پر بھروسہ ہے۔ شہزادے نے گھوڑے پر سوار ہو کر اڑنے کا پیچ پھرایا۔ لوگ گردنیں نکال نکال کر اس کی طرف دیکھنے لگے کہ

وہ کیا کرتا ہے۔ گھوڑا ہلنے مچلنے اور ایسی حرکتیں کرنے لگا جیسا گھوڑے کیا کرتے ہیں۔ پھر جب اس کے پیٹ میں ہوا بھر گئی تو وہ زمین سے ابھرا اور ہوا میں اڑ گیا۔ بادشاہ نے اسے معلق ہوتے اور اڑتے دیکھا تو لشکر کو آواز دی' کمبختو پکڑو کہیں تمہاری زد سے نکل نہ جائے۔ وزیروں اور نوابوں نے کہا کہ اے حضور کیا اڑتی ہوئی چڑیا کو کوئی پکڑ سکتا ہے! یہ ضرور کوئی بڑا جادوگر تھا۔ بڑا فضل ہوا' خدا کا شکر کر کہ تجھے اس کے ہاتھ سے نجات ملی۔

شہزادے کی یہ حالت دیکھنے کے بعد بادشاہ اپنے محل میں گیا اور اپنی بیٹی سے سارا ماجرا بیان کیا جو اسے میدان میں شہزادے کے ساتھ پیش آیا تھا۔ شہزادی کو اس کی جدائی پر بڑا افسوس ہوا اور وہ اتنی سخت بیمار پڑی کہ تکیے سے سر نہ اٹھاتی۔ بادشاہ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے اپنے سینے سے لگایا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹی خدا کا شکر کر کہ اس نے ہمیں اس مکار جادوگر سے نجات دی۔ اس کے بعد اس نے شہزادے کا ماجرا پھر بیان کیا اور یہ کہ وہ کس طرح ہوا میں اڑ گیا۔ لیکن اس نے ایک بات بھی نہ سنی جو باپ نے کہی تھی بلکہ اور زیادہ رونے پیٹنے لگی اور اپنے سے عہد کیا کہ جب تک خدا اسے مجھ سے نہ ملا دے' نہ میں کھانا کھاؤں گی' نہ پانی پیوں گی۔ باپ کو اپنی بیٹی کی حالت دیکھ کر بڑا صدمہ پہنچا اور سخت پریشان رہنے لگا۔ جتنا اسے تسلی دیتا' اتنا ہی اس کی محبت زور پکڑتی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تریسٹھ ویں رات

جب تین سو تریسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ جتنا اسے تسلی دیتا' اتنا ہی اس کی محبت زور پکڑتی۔

یہ تو بادشاہ اور اس کی بیٹی کا حال ہوا' اب شہزادے کا ماجرا سنئے۔ جب وہ ہوا میں اڑا اور تنہائی ہوئی تو لڑکی کے حسن و جمال کی یاد آئی۔ بادشاہ کے مصاحبوں سے وہ اس شہر' بادشاہ اور اس کی بیٹی کا نام پوچھ چکا تھا' یہاں کے اتے پتے اسے معلوم ہو گئے تھے۔ وہ تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا اپنے شہر پہنچا۔ شہر کا چکر کھانے کے بعد اپنے باپ کے محل کی طرف گیا اور چھت پر اتر پڑا۔ گھوڑے کو وہیں چھوڑ کر اترا اور اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ اس کی جدائی میں غمگین بیٹھا ہے۔ بیٹے کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا' دوڑ کر اسے سینے سے لگا لیا اور بہت خوش ہوا۔ جب شہزادہ اپنے باپ کے پاس بیٹھا تو اس نے حکیم کے بارے میں دریافت کیا جس نے وہ گھوڑا بنایا تھا اور کہا' ابا جان اس کا کیا حشرا ہوا؟

باپ ے جواب دیا کہ خدا حکیم کا ستیاناس کرے اور اس گھڑی کا جب میں نے اسے دیکھا تھا۔ اسی کی وجہ سے ہم میں یہ تفرقہ پڑا۔ بیٹا جب سے تو غائب ہوا وہ قید خانے میں ہے۔ شہزادے نے کہا کہ اس پر مہربانی کر اور قید خانے سے نکال کر اسے میرے پاس بلا۔ حکیم' بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے اسے خوشنودی کا خلعت عطا کیا اور اس کے ساتھ انعام و اکرام سے پیش آیا لیکن اپنی بیٹی اسے نہ دی۔ حکیم اندر ہی اندر ہی طیش کھانے لگا اور اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اسے یقین ہو گیا کہ شہزادہ گھوڑے کے بھید سے واقف ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میری رائے میں اس گھوڑے پر ہرگز سوار نہ ہو بلکہ اس کے پاس بھی نہ پھٹک اس لئے کہ تجھے اس کی اصلیت سے واقفیت نہیں' جو تو دیکھتا ہے محض دھوکے کی ٹٹی ہے شہزادہ اپنے باپ

سے سفر کا سارا ماجرا بیان کر چکا تھا جس پر اس کے باپ نے کہا تھا کہ اگر وہ تجھے قتل کرنا چاہتا تو قتل کر چکا ہوتا لیکن ابھی تیری موت نہیں آئی تھی۔

شہزادہ اس لڑکی کی محبت میں بے چین تھا جو صنعا کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا۔ صبح ہوتے ہی وہ گھوڑے کے پاس گیا۔ اس پر سوار ہو کر اڑنے کا پیچ پھر پھرایا۔ وہ ہوا میں بلند ہو کر آسمان کی طرف چل دیا۔ اتنے میں باپ نے اٹھ کر بیٹے کو تلاش کیا' کہیں نہ ملا تو وہ پریشان ہو کر محل پر چڑھا۔ دیکھا صاحبزادے صاحب ہوا میں اڑے چلے جا رہے ہیں۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بے حد پچھتایا کہ اس نے گھوڑے کو لے کر پہلے ہی چھپا کیوں نہ دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اب کے میرا بیٹا لوٹا تو میں اس گھوڑے کو سلامت نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بغیر مجھے اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔ بیٹے کو آنکھوں کے سامنے غائب ہوتے دیکھ کر وہ رونے پیٹنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو چونسٹھ ویں رات

جب تین سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ اپنے بیٹے کی جدائی پر رونے پیٹنے لگا۔ یہ تو اس کا حال ہوا۔ اب اس کے بیٹے کا قصہ سنئے: وہ ہوا میں اڑتے اڑتے صنعا پر جا کر رکا۔ اسی جگہ اتر جہاں پہلے اترا تھا اور دبے پاؤں شہزادی کی محل سرا میں پہنچا۔ دیکھا وہاں نہ وہ ہے نہ اس کی کنیزیں نہ اس کا محافظ غلام۔ غمگین اور افسردہ خاطر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے پتہ چلا وہ آج ایک بالکل الگ کمرے میں ہے اور تکیے پر سر رکھے لیٹی ہوئی ہے۔ کنیزیں اور مامائیں اس کے ارد گرد کھڑی ہیں۔ شہزادے نے اندر جا کر انہیں سلام کیا۔ جونہی لڑکی کے کان میں اس کی آواز پہنچی' وہ اٹھ بیٹھی۔ اسے گلے سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی چومنے اور اسے سینے سے لگانے لگی۔

شہزادے نے کہا اے میری آقا اتنی مدت تک تو نے مجھے اکیلا رکھا۔ اس نے جواب دیا کہ اکیلا تو تو نے مجھے چھوڑ دیا تھا' اگر تو کچھ دنوں اور غائب رہتا تو میں ضرور مر مٹتی۔ شہزادے نے کہا کہ اے میری آقا تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپ نے میری کیا گت بنائی ہے اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اے لوگوں کے دلوں کو تباہ کرنے والی! اگر مجھے تیری محبت کا پاس نہ ہوتا تو میں اسے قتل کر دیتا اور سب کو اس سے عبرت ہوتی۔ لیکن تیری محبت کی وجہ سے میں اس سے بھی محبت کرتا ہوں۔

شہزادی نے کہا تو نے میری جدائی کس طرح گوارا کی۔ کہیں میری زندگی بے تیرے آرام سے گزر سکتی تھی! شہزادہ بولا کیا تو میری بات سننے اور کہنا ماننے کے لئے تیار ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو تو کہنا چاہتا ہے' میں تیرا کہنا مانوں گی اور بالکل مخالفت نہ کروں گی۔ شہزادے نے کہا کہ میرے ساتھ میرے ملک و وطن کو چل۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے۔ شہزادہ باغ باغ ہو گیا' اس کا ہاتھ پکڑا' خدا کی قسم دی پھر

محل کے اوپر جا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھایا اپنی پیٹھ سے خوب مضبوط باندھا اور اس پیچ کو پھرایا جس سے گھوڑا اوپر کی طرف پرواز کرتا تھا۔ گھوڑا انہیں لے کر ہوا میں اڑا۔ یہ دیکھ کر کنیزیں چلانے لگیں اور انہوں نے جا کر شہزادی کے ماں باپ کو خبر کی۔

بادشاہ اور بادشاہ کی بیگم دونوں محل کی چھت پر گئے۔ بادشاہ نے نظر اوپر اٹھائی دیکھا کہ آبنوس کا گھوڑا ہوا میں اڑتا چلا جاتا ہے۔ بادشاہ کا دل ٹوٹ گیا۔ اس نے چلا کر کہا اے شہزادے خدا کے واسطے مجھ پر اور میری بیوی پر رحم کر ہم میں اور ہماری بیٹی میں جدائی نہ ڈال' لیکن شہزادے نے کچھ جواب نہ دیا مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ شاید شہزادی کو اپنے ماں باپ کے چھٹنے کا افسوس ہو۔ وہ اس سے کہنے لگا کہ اے خانہ برانداز کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے تیرے ماں با کے پاس واپس کر دوں؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا واللہ میری یہ ہرگز خواہش نہیں۔ میں تو اب تیرے ساتھ ہوں۔ تیری محبت نے مجھے ہر چیز سے بے پرواہ کر دیا حتیٰ کہ میرے ماں باپ سے بھی۔

یہ سن کر شہزادے کی مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں اور وہ آہستہ آہستہ اڑا تا کہ شہزادی کو تکلیف نہ ہو۔ اب چلتے چلتے وہ ایک سبزہ زار پہنچے جہاں پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا' وہاں اتر کر انہوں نے کھایا پیا۔ اس کے بعد شہزادہ پھر سوار ہو گیا اور شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھا کر رسی سے مضبوط باندھ دیا تا کہ وہ کہیں گر نہ پڑے اور آگے روانہ ہو گیا آخر اپنے باپ کے شہر میں پہنچا۔ اب اسے اور زیادہ خوشی ہوئی اس نے چاہا کہ لڑکی کو شاہی محل اور باپ کی حکومت کا معائنہ کرائے اور یہ ثابت کر دے کہ میرے باپ کا ملک تیرے باپ کے ملک سے بڑا ہے۔ اس لئے پہلے وہ ایک باغ میں اترا جو اس کے باپ کی سیر گاہ تھی اور شہزادی کو محل سرا میں لے گیا جو اس کے باپ کے لئے آراستہ کی گئی تھی اور گھورے کو محل سرا کے دروازے پر کھڑا کر کے لڑکی سے کہا کہ اس کی نگہبانی کیجیو اور جب تک میں اپنا قاصد نہ بھیجوں'

یہیں ٹھہری رہیو۔ میں باپ کے پاس جا کر تیرے لئے ایک محل آراستہ کروں گا اور تجھے اپنی شان و شوکت دکھاؤں گا۔ اس کی یہ باتیں سن کر لڑکی بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی جو تیرا جی چاہے کر -------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ооо

- تین سو پینسٹھ ویں رات

جب تین سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ وہ سمجھ گئی کہ میں نہایت شان و شوکت سے داخل ہوں گی جس کی میں مستحق ہوں۔ اب شہزادہ وہاں سے چل کر شہر میں داخل ہوا اور اور اپنے باپ کے پاس گیا۔ باپ نے جو بیٹے کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا۔ اس کا خیر مقدم کیا اور مرحبا کہا۔ شہزادہ کہنے لگا ابا جان میں اس شہزادی کو لے آیا ہوں جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔ اسے شہر کے باہر ایک باغ میں ٹھہرا دیا ہے اور تجھے خبر دینے آیا ہوں تا کہ تو جلوس تیار کر کے اس کی پیشوائی کو چلے اور اسے اپنی شان و شوکت اور لاؤ لشکر دکھائے۔

بادشاہ نے فوراً رعایا کو حکم دیا کہ شہر کو نہایت خوبصورتی سے آراستہ و پیراستہ کریں اور خود نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہوا۔ لشکر اور تمام امرا وزرا نوکر چاکروں کو لے کر چلا۔ شہزادے نے اپنے باپ کے محل سے زیور اور پوشاکیں اور کل چیزیں جو گزشتہ بادشاہوں نے جمع کر رکھی تھیں' نکالیں اور شہزادی کے لئے سبز' سرخ اور زرد کمخواب کا ڈولا تیار کرا کر اس میں ہندی اور رومی حبشی کنیزوں کو بٹھایا اور عجیب و غریب خزانے نکالے۔ پھر شہزادہ ڈولے' کو ڈولے والیوں کے پاس چھوڑ کر باغ میں گیا جہاں وہ شہزادی کو چھوڑ آیا تھا اور چاروں طرف دیکھا لیکن نہ اسے پایا نہ گھوڑے کو' وہ منہ پیٹنے اور کپڑے پھاڑنے اور پاگلوں کی طرح باغ کے چکر لگانے لگا۔ جب اس کی عقل ذرا ٹھکانے آئی تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اسے گھوڑے کا بھید کیونکر معلوم ہوا۔ وہ تو بالکل اس کے کل پرزوں سے ناواقف تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی حکیم کو جس نے گھوڑا بنایا تھا اس کا پتا چل گیا اور وہ اسے لے اڑا کیونکہ میرے باپ نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا تھا۔

اب شہزادے نے باغ کے چوکیداروں کو بلا کر پوچھا کہ کوئی شخص وہاں سے گزرا ہے؟ کسی کو تم نے یہاں سے گزرتے اور باغ کے اندر داخل ہوتے دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم نے کسی کو یہاں آتے دیکھا ہے تو وہ ایرانی حکیم تھا جو کارآمد بوٹیاں جمع کرنے آیا تھا۔ شہزادے نے انہیں کہتے سنا تو اسے یقین ہو گیا کہ وہی حکیم لڑکی لو لے گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو چھیاسٹھ ویں رات

جب تین سو چھیاسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ان کی باتیں سن کر شہزادے کو یقین ہو گیا کہ وہی حکیم لڑکی کو لے گیا ہے۔ قسمت کا

لکھا بغیر پورا ہوئے نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت جب شہزادہ لڑکی کو باغ کی محل سرا میں چھوڑ کر اس کے خیر مقدم کی تیار کرنے باپ کے محل میں گیا تو اسی وقت بوٹیاں جمع کرنے کی غرض سے حکیم باغ میں پہنچا اور اسے مشک و عطر کی خوشبوئیں آنے لگیں جن سے ساری فضا معطر تھی۔ یہ خوشبو شہزادی کے پاس سے آ رہی تھی۔ حکیم اس خوشبو کی طرف چلا اور چلتے چلتے اس محل سرا تک پہنچ گیا۔ جونہی اس کی نظر گھوڑے پر پڑی اس کا دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ اسے گھوڑے کے ہاتھ سے جانے کا بڑا افسوس تھا۔ اس نے گھوڑے کے پاس جا کر اس کے سارے کل پرزے جانچے' دیکھا کہ سب ٹھیک ہیں لیکن جونہی اس نے چاہا کہ سوار ہو کر چل دے خیال آیا کہ دیکھوں تو سہی کہ شہزادہ کون سی چیز لا کر اس گھوڑے کے پاس یہاں چھوڑ گیا ہے۔ وہ ہر طرف نظر دوڑاتا محل سرا میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ ایک لڑکی وہاں بیٹھی ہوئی ہے جیسے کہ صاف آسمان پر سورج۔ اسے دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی نہ کوئی خاص بھید ہے۔ شہزادہ ہی اسے گھوڑے پر بٹھا کر یہاں لایا ہو گا اور اسے محل سرا میں چھوڑ گیا ہو گا تا کہ جلوس لا کر اسے شان و شوکت کے ساتھ شہر میں لے جائے۔ یہ سوچ کر حکیم اس کی طرف بڑھا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔

شہزادی نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی دیکھا کہ ایک نہایت بد صورت اور کریہہ منظر شخص سامنے کھڑا ہے۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ اے میر آقا میں شہزادے کا قاصد ہوں' اس نے مجھے تیرے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں تجھے دوسرے باغ

میں لے چلوں جو شہر کے قریب ہے۔ یہ سن کر لڑکی نے کہا کہ شہزادہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ شہر میں اپنے باپ کے پاس عنقریب جلوس کے ساتھ تیرے پاس آنے والا ہے۔ شہزادی بولی' اے شخص کیا شہزادے کے پاس اور کوئی نہ تھا جسے وہ میرے پاس بھیجتا۔

یہ سن کر حکیم ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اے میری آقا میری بدصورتی اور کریہہ منظری پر مت جا۔ اگر تجھے بھی مجھ سے وہ فائدے پہنچتے جو شہزادے کو پہنچے ہیں تو تو میرے متعلق ایسا خیال نہ کرتی۔ شہزادے نے خاص طور پر میری بد شکلی اور ڈراؤنی صورت کی وجہ سے تیرے پاس بھیجا ہے کیونکہ وہ تجھ پر عاشق ہے اور عاشق شکی ہوتے ہیں ورنہ اس کے پاس بے شمار غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ یہ باتیں لڑکی کی سمجھ میں آ گئیں' اسے یقین ہو گیا کہ وہ سچ کہتا ہے اور اٹھ کھڑی ہوئی -------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو سڑسٹھ ویں رات

جب تین سو سڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہنے لگی کہ اے میرے باپ میری سواری کے لئے تو کیا لایا ہے؟ اس نے کہا کہ اے میری آقا' اسی گھوڑے پر چڑھ جس پر تو سوار ہو کر آئی ہے۔ شہزادی نے کہا کہ میں اکیلی اس پر نہیں چڑھ سکتی۔ یہ سن کر حکیم مسکرایا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب پالا مار لیا۔ وہ اس سے کہنے لگا کہ میں خود تیرے ساتھ سوار ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ سوار ہو گیا اور لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور اسے اپنے بدن سے ملا کر خوب مضبوط باندھ دیا۔ لڑکی تو بالکل بے خبر تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ حکیم نے پرواز کے پیچ کو دبایا۔ گھوڑے کے پیٹ میں ہوا بھر گئی اور وہ حرکت کرتے کرتے اوپر کی طرف چلا اور اڑتے اڑتے شہر سے غائب ہو گیا۔ لڑکی نے کہا' اے شخص تیرا بیان شہزادے کے متعلق کیا ہو گیا؟ تو نے مجھے کہا تھا کہ اس نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے۔ حکیم نے کہا کہ خدا کی مار شہزادے پر' وہ بڑا خبیث اور ملعون ہے۔ شہزادی نے کہا تجھے یہ ہمت کیونکر ہوئی کہ تو اپنے آقا کی نافرنی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میرا آقا نہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟ شہزادی نے کہا مجھے تمہارے متعلق اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے خود بیان کیا ہے۔ وہ بولا یہ باتیں میں نے تجھے اور شہزادے کو دھوکا دینے کے لئے کہی تھیں۔ جس گھوڑے پر تو سوار ہے' اسے شہزادے کی نذر کر کے میں ایک مدت سے پشیمان تھا۔ میں نے اسے بنایا ہے لیکن شہزادے نے اس پر قبضہ کر لیا۔اب میں اس پر غالب آ گیا اور تو بھی میرے ہاتھ لگی۔ اب اس کا دل اسی طرح جلے گا جس طرح اس نے میرا دل جلایا ہے۔ اب اس کے ہاتھ ہر گز یہ گھوڑا نہیں لگ سکتا۔ غم نہ کر

بلکہ دل شاد ہومیں تیرے لئے اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہوں گا۔ یہ سن کر لڑکی اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی اور دل میں کہتی ہائے افسوس نہ تو میرا محبوب مجھ کو ملا اور

نہ میں اپنے ماں باپ ہی کے پاس رہی اور اپنی مصیبت پر زار زار روتی۔

حکیم اسے لئے روم کے ملک میں پہنچا۔ اور ایک سبزہ زار میں اترا۔ جہاں بہت سے درخت اور ندیاں تھیں۔ سبزہ زار کے قریب ایک شہر تھا جس پر ایک عظیم الشان بادشاہ حکمرانی کرتا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ بادشاہ سیر و شکار کے لے نکلا اور پھرتے پھرتے اس سبزہ زار میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بد صورت شخص ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ کھڑا ہے۔ حکیم کی توجہ ابھی اس طرف نہ ہوئی تھی کہ بادشاہ کے غلاموں نے جھپٹ کر حکیم' لڑکی اور گھوڑے کو گرفتار کر لیا اور سب کو بادشاہ کے پاس لا کر حاضر کیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ جس قدر لڑکی حسین ہے اسی قدر مرد کریہہ منظر۔ کچھ بے جوڑ سی بات معلوم ہوئی۔ لڑکی سے پوچھا کہ یہ بوڑھا تیرا کیا لگتا ہے؟ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہے حکیم بول پڑا۔ یہ میری بیوی اور چچیری بہن ہے لیکن لڑکی نے یہ سن کر کہا کہ واللہ اے بادشاہ وہ جھوٹا ہے۔ نہ وہ میرا شوہر ہے نہ میں اسے پہچانتی ہوں بلکہ وہ مجھے دھوکا دے کر زبردستی پکڑ لایا ہے۔

جب بادشاہ نے لڑکی کا بیان سنا تو کہا اس شخص کو مارو اور بادشاہ کے آدمیوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ مرتے مرتے بچا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے شہر لے جا کر قید خانے میں ڈال دیں۔ غرض حکیم سے لرکی اور گھوڑا چھین لیا گیا اور اسے قید خانے بھیج دیا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ گھوڑے میں کیا خوبیاں ہیں اور وہ کس طرح چلتا ہے؟

یہ تو حکیم اور لڑکی کی سر گزشت ہوئی۔ اب شہزادے کی کہانی سنئے۔ وہ سفر کے کپڑے پہن کر اور ضرورت کے موافق مال کے کر بری حالت میں چل کھڑا ہوا او رواں دواں گاؤں گاؤں' شہر شہر اسے ڈھونڈنے لگا۔ جہاں جاتا آبنوس کے گھوڑے کا حال پوچھتا

مگر جو کوئی آبنوس کے گھوڑے کا نام سنتا تعجب کرتا اور اس کی بات پر یقین نہ لاتا۔
یونہی اسے ایک زمانہ گزر گیا اور باوجود آبادیوں اور جنگلوں کی خاک چھاننے کے کہیں اسے ان دونوں کا پتا نہ چلا۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے باپ کے شہر میں پہنچا۔ وہاں بھی اسے کوئی خبر نہ ملی بلکہ اس نے دیکھا کہ بادشاہ بیٹی کے غم میں سوگ نشین ہے۔ پھر پلٹ کر روم کے ملک میں آیا اور کھوج لگانے لگا جہاں بیٹھتا جس سے ملتا لڑکی کے متعلق دریافت کرتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○